

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(رواه البخاری)

دعواتِ عبدیتِ جلدِ پنجم کا

پہلا و عظیم لقب یہ

ضرورتِ العلماء

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی - دفتر الابقاء

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی
ایم۔ ایچ۔ بی۔ جی۔ روڈ

دعوات عبدیت جلد پنجم کا

پہلا وعظ مقلب بہ

ضرورت العلماء

اَیْنَ	مَتَى	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْ	فَبِط	اَلْمُسْتَمِعُونَ	اَسْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیچہ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمیناً تعداد	متفرقات	
تدریس جو پال تکرت الشرفاء سابق	۸ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ	۳ گھنٹے	کھڑے ہو کر	دنیا میں سب سے زیادہ ضرورت علماء دین کی ہے	سعید احمد تھانوی	۲۰۰ دوسو		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلُ بِرَبِّهِ وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ
بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ
اَنْ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
وَازْوَاجِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ
تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ رَاٰنَہُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۗ
بَعْدَ اِصْلَاحِہَا ۗ وَاذْعُوْهُ خَوْفًا وَطَبَعًا ۗ اِنَّ سَرَ حِمَّتِ اللّٰهِ قَرِيْبٌ
مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

رہم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیہ کر دے عاجزی سے کبھی اور چپکے چپکے بھی (وہی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو دعا میں خدا دے سے نکل جاویں اور دنیا میں بعد اُس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے رہو اور اس سے امیدوار ہوتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے)

ہر چند کہ اس وقت میں نے دو آیتیں پڑھی ہیں جن کے سننے کے بعد یہ انتظار ہوگا کہ ان دونوں کی تفسیر بیان کی جائے گی۔ مگر اس وقت مقصود ان آیات کے مدلول میں سے صرف ایک ہی جزو کا بیان کرنا ہے یعنی لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ کا کہ اس سے ایک دعوے کا مستنبط کرنا ہے باقی اس جزو کے سیاق و سباق کو اس دعوے کے لئے مؤید بتانا ہے اور اس سیاق و سباق سے اس دعویٰ پر استدلال کرنا ہے وہ دعوے جس کو ثابت کرنا ہے نہایت عجیب ہوگا مگر بالکل سچا اور مانوس اور واقع کے مطابق ہوگا اور اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ دعوے پہلے کے نزدیک مسلم تھا مگر عدم تدبیر کی وجہ سے متکلم فیہ ہو گیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض اہل سنت پر اس کی ضد کا دعویٰ ہونے لگا ہے لیکن اگر ذرا تدبیر سے کام لیا جائے گا تو وہ دعویٰ بالکل فطری معلوم ہوگا۔ علماء کے نزدیک تو اس کا فطری ہونا مسلم ہی ہے لیکن مدعیانِ عقل کے نزدیک بھی اس سے انکار نہ ہو سکے گا۔ مگر پھر بھی اس دعوے کو عجیب اس لئے کہا کہ اس وقت قذت علم سے بکثرت لوگوں کو اس میں تعجب ہونے لگا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ وہ عقائد میں داخل ہوتا مگر اس وقت اس کی ضد عقائد میں داخل ہو گئی ہے تو چونکہ وہ عام خیالات کے خلاف ہے اور دنیا کا اکثر حصہ اس وقت عامیوں ہی کا ہے اس لئے وہ دعوے اس وقت عجیب ہو گیا اور وہ دعوے اس سوال کا جواب ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ ضروری وجود کس کا ہے اور وہ ضرورت بھی دنیوی حیثیت سے جس کے لوگ طالب ہیں نہ کہ دینی حیثیت سے جس کو ترک کر دیا گیا ہے اور اس قید سے ظاہر ہے کہ یہ سوال

عام لوگوں کی نظر میں نہایت باوقوت و قابلِ اہتمام ہوگا کہ وہ کونسی چیز ہے کہ فلاحِ دنیوی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔

سو جواب اس سوال کا یہ ہے کہ فلاحِ دنیوی کے لئے بھی سب سے زیادہ

ضروری وجودِ جماعتِ علماء کا ہے اور اس دعوے کا عام خیالات کے خلاف ہونا ظاہر ہے کیونکہ عموماً لوگ ان کو نکمٹا سمجھتے ہیں پھر ان میں جو بے باک ہیں وہ تو صاف کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے نکمٹے ہیں کہ انھوں نے دوسروں کو بھی نکمٹا کر دیا اور جو ذرا تہذیب سے کام لیتے ہیں وہ عام مجموعوں میں تو ایسا نہیں کہتے مگر اس عقیدے کے جو آثار ہیں وہ ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور جب آثار پائے جاتے ہیں تو وہ بھی عملاً مدعی ہیں اور دعوے عملی قوی دعوے سے زیادہ قوی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص تو یہ کہے کہ میں پانی پیوں گا اور ایک جا کر پی ہی لے تو اگرچہ دوسرے نے زبان سے پانی پینے کا دعوے نہیں کیا لیکن اس کا عمل پہلے کے لسانی دعوے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس کے دعوے کو ثابت کر رہا ہے اور وہ آثار جو اس عقیدے کے خواص ہیں سے ہیں یہ ہیں کہ وہ شخص جو کہ اس مضمون کا کہ یہ جماعت نکمٹی ہے معتقد ہوگا وہ اس جماعت سے معرض ہوگا اور اس کی طرف متوجہ ہونے کو پسند نہ کرے گا بلکہ دوسروں کو بھی اس جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے سے روکے گا اب دیکھ لیجئے کہ عقلا زمانہ میں یہ آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں اور وہ ان امور کے مرتکب ہیں یا نہیں سو ظاہر ہے کہ یہ آثار واقع ہو رہے ہیں اس لئے میں کہتا ہوں کہ عام طور پر یہ لوگ اس جماعت کو ناسکارہ سمجھتے ہیں اس لئے یہ دعوے کہ سب سے زیادہ ضروری وجود ان ہی کا ہے اس طور پر عجیب ہو گیا۔ اب میں اس دعوے کے اثبات کی تقریر کرتا ہوں مگر اس دعوے کے اثبات سے پہلے میں ایک اور بات دفعِ توخسش کے لئے یہ کہتا ہوں کہ اس کے ثابت کرنے سے مجھ کو یہ کوشش کرنا مقصود نہیں ہے کہ سب مولوی ہو جائیں۔ ممکن تھا کہ اس جماعت کو سب سے زیادہ ضروری الوجود سن کر لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا کہ اب یہ رائے دی جائے گی کہ سب لوگ مولوی ہو جائیں۔

اس لئے رفح و حشت کے واسطے ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ میرا یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت بھی رہنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو اس جماعت سے وابستگی رہنا چاہیے اب تو وحشت بالکل دور ہو جانا چاہیے کیونکہ سب کو مولوی نہیں بنایا جاتا صرف تہی اصلاح کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کو بیکار نہ سمجھو سو اس سے آپ کے کسی کام میں یا کسی قسم کی ترقی میں کسی نوکری میں کوئی فرق نہیں آتا ہاں ایک غلط خیال میں جو آپ مبتلا ہیں اس سے وہ غلطی جاتی رہے گی نیز اس جماعت کے فیوض سے اس وقت جو آپ محروم ہیں جب آپ کو ان کے ساتھ وابستگی ہوگی تو آپ ان کے فیوض سے متمتع ہوں گے۔ البتہ موجودہ حالت میں اور اس حالت میں ایک فرق ضرور ہوگا خواہ اس کو آپ دنیوی ضرر یا ترقی کی کمی سمجھ لیں تو ممکن ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ اس وقت آپ تعزیرات الہیہ کے بہت سے جرائم میں مبتلا ہیں وہ اس وقت چھوٹ جائیں گے تو اس کو آپ خواہ نفع سمجھیں یا نقصان۔ آپ کے عادات میں بھی تغیر و تبدل ہوگا لیکن نہایت لطف اور تدریج نرمی کے ساتھ اس کی تائید یہ ہے کہ آپ دیکھیں عقل کا فتوے یہ ہے کہ اگر کوئی کسی جرم کا مرتکب ہو تو اس کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے لیکن قواعد شریعت بعض معاصی کی نسبت جو کہ جرائم ہیں یہ تجویز کرتے ہیں کہ چھوڑنے میں جلدی نہ کرو پہلے کوئی اس کا بدل تجویز کر لو اور اس زمانے تک اپنے کو گنہگار سمجھ کر استغفار کرتے رہو پھر جب دوسرا انتظام ہو جائے تو اس کو چھوڑ دینا بھلا دنیا کا کوئی قانون بھی ایسا ہے جس میں یہ سہولت ہو واللہ العظیم شریعت میں وہ حسن و جمال ہے وہ لطف ہے کہ اس کی نسبت بیساختہ یہ شعر زبان سے نکلتا ہے

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کر شتمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است
 چوٹی سے لیکر اڑی تک جہاں بھی غور کرتا ہوں ہر خوبی دل کو کھینچتی ہے کہ اس کو
 دیکھو یہی قابل دید ہے

مگر انہیں اس کہ لوگوں نے کبھی شریعت کو تحقیق کی نظر سے نہیں دیکھا اس لئے وہ لوگوں کو

ایک خوشخوار دیونظر آتا ہے۔ صاحبو! شریعت آپ کی دستگیری کرنے والی ہے بعض جرائم تک میں مثلاً ناجائز نوکری میں یہ اجازت ہے کہ اگر اس وقت کوئی دوسرا انتظام نہیں ہو سکتا اور کوئی بسیل نہیں نکل سکتی تو پہلے اس کا انتظام کر کے پھر چھوڑ دینا اور اگر اس پر بھی شریعت سے وحشت ہوتی ہے تو ہم ذمہ دار نہیں۔ غرض علم و اہل علم کے ساتھ تلبس رکھنے سے کوئی دنیوی ضرورت و مصلحت فوت نہیں ہوتی صرف جرائم کا انسداد ہوگا اور وہ بھی اس لطف کے ساتھ سو اس کی نسبت میرا یہ کہنا کہ اس جماعت کے ساتھ وابستگی کرنے سے اتنا نقصان ہوگا کہ یہ جرائم چھو جائیں گے ایسا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۵

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ ان سَيُوقَهُوْ

بہنِ فلولِ من قراعِ الکتابِ

دان لوگوں میں اس بات کے سوائے اور کوئی عیب نہیں ہے کہ دشمنوں کی گردنیں کاٹتے کاٹتے ان کی تلواروں کی دھار میں دندانے پڑ گئے یعنی وہ بہت

بہادری سے لڑتے ہیں)

یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا اب اس دعوے کو عرض کرتا ہوں اور احتیاطاً پھر کہے دیتا ہوں کہ آپ اس دعویٰ سے متوحش نہ ہوں کہ شاید سب کو مولوی بنانا مقصود ہے۔ میں ہرگز سب کو مولوی نہیں بنانا البتہ جس غلط دعوے کے آپ معتقد ہیں کہ علماء کو نکمّا سمجھتے ہیں اس کو بدلنا چاہتا ہوں۔ واقعی ہمارے عقلاء میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ اولاً علماً عموماً پھر ان میں وہ علماء خصوصاً جو کہ درس و تدریس میں مشغول ہیں محض بیکار ہیں کیونکہ وہ عظیم کو تو بعضے کام کا سمجھتے بھی ہیں سو کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو کام سارے کاموں سے زیادہ ضروری ہو اسی کو سب سے زیادہ بیکار کہا جائے۔ صاحبو! افسوس ہے کہ آپ کے ہم وطن ہندوؤں نے تو تعلیم کے اہم ہونے کو محسوس کیا کہ ان میں بکثرت لوگ امتحان سے فارغ ہو کر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت سررشتہ تعلیم میں داخل ہو اس لئے کہ سب شاخیں اسی کی فرع ہیں

تعلیم میں اپنا ذخیل ہونا ذریعہ ہے ترقی قومی کا مگر ہم کو اب تک بھی اس کی خبر نہیں اور پھر بھی اپنے کو عاقل سمجھے ہوئے ہیں۔ تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے انجن کا پہیہ کہ اسی کے چکر پر تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے گی مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو اس واسطے نہیں ہوتا کہ جو چیز مدار کارہ ہوا کرتی ہے وہ اکثر لطیف زیادہ ہوا کرتی ہے جیسے گھڑی کا فنر اور بال کمائی کہ گنوار آدمی گھڑی کو دیکھ کر سب سے بڑی چیز اس کے گھنٹے کو سمجھتا ہے لیکن حقیقت شناس جانتے ہیں کہ گھنٹے کی حرکت کا مدار فنر پر ہے اگر فنر کی حرکت بند ہو جائے تو گھنٹے کو ایک دفعہ بھی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح درس و تدریس سب محکموں کی روح ہے خواہ تقریر ہو خواہ تحریر خواہ تصنیف سب اسی تعلیم کی فرع ہیں، مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے اور اس علامت کی بڑی علامت یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے علم دین بہت کم تجویز کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ مدارس میں چندہ بھی دیتے ہیں اور مدارس دینیہ کی ضرورت بقاء کو لساناً تسلیم کئے ہوئے بھی ہیں جن کے لئے اہل مدارس ان کے بڑے بڑے شکرے ادا کرتے ہیں تاکہ ان کو زیادہ دلچسپی ہو لیکن واقع میں ان کو دلچسپی کچھ بھی نہیں ہوتی۔ صاحبو! دلچسپی اس کو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر محبوب تھا تو اپنی اولاد کے لئے بھی اس کو قولاً و عملاً اختیار کر کے دکھلا دیا قولاً تو یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کی اللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوًى اَرَاۤءَ اللّٰہِ اَوْلَادِ مُحَمَّدٍ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَارِزِقٍ بِقَدْرِ کِفَایْتٍ مَّقْرَرٍ فَرَمَا اور عملاً یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سب خاندان سے زیادہ محبوب تھیں اور جن کے لئے آپ فرط محبت سے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے اور جن کے لئے آپ نے یہ فرمایا کہ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَاطِمَةُ رَاہِلِ جَنَّتِہٖ کِی عَوْرَتُوں کی سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں) نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جب نکاحِ ثانی کا قصد فرمایا تو آپ نے یہ فرمایا کہ یوذینی صاڈ لہا تکلیف
 دیتی ہے مجھے وہ چیز جو فاطمہؑ کو تکلیف دیتی ہے، اتنی پیاری بیٹی نے جب
 ایک مرتبہ چلکی چلانے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جانے کی شکایت کی جس کو
 آجکل اس قدر عیب سمجھا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے خاندان کی عورتوں
 کو بوجہ مصلحت صحت یہ رائے دی کہ نئی لڑکیوں سے چلکی پسواؤ کیونکہ اکثر امارت
 کے لئے بیماری لازم ہو گئی ہے وہ امیر بھی کیا ہوا جس کے پاس صحت جیسی خدا کی
 نعمت نہ ہو اور وجہ اس کی یہی آرام طلبی ہے۔ اس لئے میں نے جو کہا کہ تم ایسا
 کیا کرو تو ان میں سے بعض کہنے لگیں کہ خدا نہ کرے تم ایسی مثال کیوں نکالتے ہو
 اور یہاں تک ہم لوگوں کی شان بڑھ گئی ہے کہ اکثر عورتوں نے چرخہ کا تنا تک
 چھوڑ دیا۔ ہمارے وطن میں ایک عورت کا قصہ ہے کہ وہ چرخہ کات رہی تھیں
 اور اُس زمانہ میں اُن کی ساس مر گئی تھیں تو کوئی عورت جو ان کے یہاں تعزیت
 کے لئے آئی تو آہٹ پاتے ہی چرخہ کو اٹھا اور اندھے بازوؤں کی طرح ایک
 کوٹھری میں پھینک آگے سے گوارا بند کر دیئے تاکہ مہمان کو معلوم نہ ہو۔ غرض
 حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے۔ حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی غلام لونڈی
 لے آؤ تاکہ کچھ مدد دے، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اپنی راحت کے لئے یا شوہر کے امتثال امر کے لئے
 جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف
 فرماتے تھے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہہ کر چلی آئیں جب
 حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہا سے معلوم ہوا، آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

قائم کر لی۔ انسان کا تلوں بھی ایک واقعہ تھا اس کی نسبت بھی ایک رائے قائم کرنی پڑی تو انکارِ صالح کی صورت میں اس کا قائل ہونا چنداں بعید نہیں، لیکن جو شخص خدا کا قائل ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اس شخصین پر چلے اگر وہ یوں کہدے کہ خدا نے پیدا کیا تو اس میں کیا اثر کال ہے پس وجودِ صالح کا قائل ہو کر اس کا قائل ہونا سخت بعید ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ تعظیم قرآن کو بیکار اور تضييع اوقات کہنا اس سے تو بعید نہیں جو آخرت کا قائل نہ ہو مگر جو شخص آخرت کا قائل ہے اس کی زبان سے ایسا نکلنا کہ قرآن کی تعلیم میں وقت کے صرف کرنے کو اضاعت وقت کہنا سخت عجیب ہے کیا آخرت ہونے کی صورت میں اس کا ثمرہ نہ ملے گا۔

صاحبو! خدا تعالیٰ نے عقل اس واسطے دی ہے کہ اس سے انجام کو سوچے اور جیسا یہ انجام سوچنے کے قابل ہے کہ ہم آج پرٹھ لیں گے تو کل ڈرپٹی کلکٹری ملے گی۔ ایسا ہی اس سے آگے کا انجام بھی تو سوچنے کے قابل ہے کہ آخرت میں کیا ہوگا اور اگر کہو کہ آگے کوئی انجام نہیں تب تو پھر تم سے خطاب ہی نہیں لیکن چونکہ تم اگلے انجام کے بھی قائل ہو اس لئے پوچھا جاتا ہے کہ وہاں کیا ذخیرہ کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر ہوگی تو پھر قرآن کی تعلیم کو تضييع اوقات کس منہ سے کہا جاتا ہے۔ افسوس کہ دنیا میں رہنا محض موہوم اور اس کے لئے یہ اہتمام اور کوشش اور آخرت میں جانا لہتینی اور اس کے لئے سامان کی ضرورت نہ ہو اور اس کے سامان کو اضاعت وقت کہا جائے۔

اصل یہ ہے کہ خود آخرت ہی سے اس درجہ غفلت ہو گئی ہے کہ وہ یاد ہی ہی نہیں آتی۔ ایک مرتبہ میں سہارنپور سے کانپور کو جا رہا تھا، میرے ساتھ کچھ پونڈے بھی تھے میں نے وزن کرانا چاہا، جو لوگ رخصت کرنے آئے تھے انہوں نے تو رائے کی مخالفت کی ہی مگر خود اسٹیشن والوں نے بھی کہا کہ آپ لیجائیں ہم گارڈ سے کہیں گے کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔ میں نے پوچھا یہ گارڈ کہاں

بیان اس کو کر رہا تھا کہ آخرت سے بے خبری بے حد ہو گئی ہے اور اس بے خبری کی یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ جو بات خبر ہو کر اس کی فنکر کرتے ہیں ان کو احمق سمجھا جاتا ہے۔

میرے ایک دوست جو بی اے تک تعلیم پائے ہوئے ہیں مگر دیندار ہیں، اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار بوجہ تنگی وقت بدون اسباب وزن کرائے ہوئے ریل میں سوار ہو گئے منزل مقصود پر پہنچ کر ٹکٹ کلکٹر سے اس کی اطلاع کی اور وزن کرا کر محصول دینا چاہا، ٹکٹ کلکٹر نے کہا کہ لے بھی جاؤ وزن کی کچھ ضرورت نہیں انہوں نے کہا کہ آپ کو رعایت کا حق نہیں آپ مالک نہیں اس کو تعجب ہوا اور اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گیا انہوں نے وہاں بھی یہی تقریر کی تو وہ دونوں باہم انگریزی میں یوں کہنے لگے تھے کہ معلوم ہوتا ہے اس شخص نے شراب پی رکھی ہے، گویا دوسرے کا حق دینا ایسا عجیب امر ہے کہ حق دینے والے پر نشہ پینے کا شبہ ہوا لیکن ہاں واقع میں وہ شراب محبت میں مدہوش تھے اور اسی کا نشہ ان کو چور کئے ہوئے تھا۔ آخر انہوں نے کہا کہ جناب میں شراب پئے ہوئے نہیں ہوں، لیکن اسٹیشن والوں نے ہرگز محصول نہ لیا۔ مجبور ہو کر دوسرے طریقے سے انہوں نے ادا کیا اور وہ طریق یہ ہے کہ اگر کسی ریلوے کا ہمارے ذمہ کچھ رہ جائے تو اس قیمت کا ٹکٹ اسی لین کا لیکر تلف کر دیں اور اس ٹکٹ کو استعمال نہ کریں۔ اس قصہ کو میں نے اس واسطے بیان کیا کہ انجام پر بھی نظر ہونا چاہیے۔ بالخصوص جبکہ دنیا کے کاموں میں انجام پر نظر کرتے ہو تو آخرت کے انجام پر تو بہت ہی ضرور ہے صاحبو! کیا موت کے انجام کا انکار ہو سکتا ہے یہ تو وہ انجام ہے کہ اس سے کفار کو بھی انکار نہیں۔ البتہ کفار میں ایک بشر ذمہ قلیلہ جو اہل ملت نہیں وہ البتہ آخرت کے منکر ہیں وَ هُدًى لَعَالَمٍ (وہ جو قابل شمار نہیں) غرض جب آخرت حق ہے اور اس کے لئے عمل کی ضرورت اور اس کے لئے علم اور تعلیم

کی ضرورت پھر اس میں مشغول ہونا اصنافِ وقت چہ معنی مگر بہت لوگ کچھ بھی اس کو اصنافِ وقت سمجھتے ہیں اور اگر یہ اعتقاد بھی نہ ہو تو عمل کو اسی کے موافق ہے جس سے اعتقاد میں بھی ایک گونہ ضعف ثابت ہوتا ہے ورنہ اگر علمِ دین سے دلچسپی ہے تو علماء کی بے وقعتی کی کیا وجہ اور اگر ان کی وقعت بھی کی جائے تو اولاد کو علمِ دین نہ پڑھانے کی کیا وجہ یہ آثارِ بُرے ہی عقیدے کے ہیں علماء کی بے وقعتی کے متعلق بعضے یہ عذر دیتے ہیں کہ صاحب ہم نے وعظ سُننا اور معتقد بھی ہوئے مگر اخیر میں جو مولوی صاحب نے سوال کر دیا تو سارا اعتقاد دُھل گیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص حکیم عبدالعزیز صاحب وغیرہ سب کو اس وجہ سے چھوڑ دے اور سب کی برائیاں شروع کر دے کہ اس نے عطائیوں کو دھوکہ دیتے ہوئے دیکھا تھا تو آپ اس کو صاحبِ الرائے سمجھیں گے اور کیا آپ نے بھی سب ہی حاذق اطباء کو چھوڑ دیا ہے تو جن کی حکایتیں آپ نے یاد کر رکھی ہیں وہ واقع میں اناڑی عطائی ہیں افسوس عطائیوں کے پھیل جانے سے آپ نے اطباء کو نہ چھوڑا مگر چند سائلوں کی وجہ سے محقق مولویوں کو چھوڑ دیا۔ مگر مولویوں کے نہ چھوڑنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کے خالی معتقد رہو اور ان کے ہاتھ چوم لو۔ ہاتھ تو ہم خود تمہارے چوم لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ علماء سے دین کا نفع حاصل کرو اس وقت مولویوں کے ساتھ جو تمہارا خشک اعتقاد ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے مشہور ہے کہ دو کنجوس تمھے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم کھانا کیونکر کھاتے ہو اس نے کہا بھائی ہر مہینے ایک پیسہ کا گھی لے آتے ہیں اور سامنے رکھ کر اس کو خطاب کرتے ہیں کہ میں تجھ کو کھا جاؤں گا پورا مہینے یوں ہی کاٹ دیتے ہیں پھر اخیر میں اس کو کھا لیتے ہیں وہ بولا تم بڑے فضول خرچ ہو ہم تو روٹی پکا کر جس گلی میں گوشت بھننے کی خوشبو آتی ہو وہاں کھڑے ہو کر خوشبو سونگھتے جاتے ہیں اور روٹی کھا لیتے ہیں تو یہ دونوں بھی گھی کے معتقد تھے اور ایک گونہ تلبس بھی تھا لیکن ان کو اس کا

کیا نفع ہوا ایسے ہی آپ کو نرے اعتقاد سے اور محض ادب و تعظیم سے کیا نفع ہوگا غرض یہ آثار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ علماء کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں۔ مجھ سے ایک شخص کی گفتگو ہوئی کہنے لگے کہ آپ نے اپنے بھتیجے کے لئے کیا تجویز کیا، میں نے کہا کہ عربی پڑھتا ہے تاکہ دین کی خدمت کرے۔ کہنے لگے مدرسہ دیوبند میں ہمیشہ سو ڈیڑھ سو آدمی فارغ ہو کر نکلتے ہیں وہ خدمت دین کے لئے کافی ہیں آپ نے اس کے لئے انگریزی کیوں تجویز نہ کی کہ دنیوی ترقی کرتا۔ میں نے کہا کہ جناب خادم دین ہونا اگر خسارہ کی بات ہے تب تو کیا وجہ ہے کہ طلبائے دیوبند کے لئے یہ پست حالت پسند کی جائے بلکہ چلو اور مشورہ دو کہ سب چھوڑ کر انگریزی میں مشغول ہو جاؤ آخر وہ بھی قوم ہی کے بچے ہیں اور اگر خادم دین ہونا کوئی نافع امر ہے تو کیا وجہ کہ میرے بھتیجے کے لئے اس کو تجویز نہ کیا جائے۔ آخر بالکل خاموش رہ گئے۔ افسوس کی بات ہے کہ دیوبند کے طالب علم تو ایسے ذلیل کہ جس شغل کو آپ بالکل بیکار سمجھ رہے ہیں وہ تو ان کے لئے تجویز کیا جائے، اور آپ کی اولاد ایسی محبوب و معزز کہ اس کے لئے ڈیٹی کلکٹری اور تحصیلداری تجویز کی جائے۔

صاحبو! میں ڈیٹی کلکٹری وغیرہ سے منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ آپ نے اولاد کے لئے دین کی کیا فکر کی ہے، کیا آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ کی اولاد دارِ آخرت میں نہ جائے گی اور اگر جائیں گے تو ان کا کیا حشر ہوگا اسی طرح یہ سوچئے کہ کیا خادمانِ دینی کی ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہے تو کیا سب مسلمانوں پر اس کا اہتمام ضروری نہیں تو آپ نے کیا اہتمام کیا، اس موقع پر ممکن ہے کہ بعض لوگ خوش ہوں کہ ہم اس الزام سے بری ہیں کیونکہ ہم نے ایک بچہ کو عربی میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن یہ کوئی خوشی کی بات نہیں کیونکہ آپ نے جس معیار پر اس بچہ کو انتخاب کیا ہے اس طرز پر وہ بچہ خود اس مقصود کے لئے کافی نہیں کیونکہ آجکل معیار انتخاب یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ غبی اور کم عقل ہوتا ہے

اس کو عربی کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کمانے کے لئے بڑے عالی دماغ ہونے کی ضرورت نہیں یہ تو چکی پیسنا ہے جس کو تھوڑی سی مناسبت بھی ہوگی وہ بھی اس کو بخوبی کر سکتا ہے دماغ کی ضرورت زیادہ اس کام کے لئے ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اللہ اکبر۔ کتنا قلب موضوع ہو گیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام کیا چیز ہیں۔ صاجو! دنیا کی عقل بھی ان کی برابر کسی کو نہیں ہوتی۔ ان حضرات کو ہر ایک قسم کا شرف عطا فرمایا جاتا ہے۔ تو جو کام نیابت انبیاء علیہم السلام کا ہے اس کے لئے بھی تو اس ہی عقل کامل کی ضرورت ہے، اب بتلائے کہ اولاد کا انتخاب کس قاعدے پر ہونا چاہئے اور مینے لوگوں کے اس خیال کا کہ باکار اولاد کے لئے علم دین تجویز نہیں کرتے یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ عربی بڑھ کر لڑکا کھانے کمانے کے قابل نہیں رہے گا۔ سوا اول تو یہ غیر مسلم ہے کیونکہ کھانا کمانا تو ایک محدود حاجت ہے تو اپنی حاجت کے لائق سب ہی کر لیتے ہیں اور اگر بہت ہی کمایا تو خاص اس کے کام میں تھوڑا ہی آریگا بلکہ جو اصلی مقصود ہے کھانے کمانے سے کہ جان کو لگے اس میں اکثر غرباء اکثر امرار سے بڑھے ہوئے ہیں۔

میں ایک امیر اور ایک غریب کی حکایت سناتا ہوں کہ وہ دونوں آپس میں دوست تھے مگر غریب تو بہت موٹا تازہ اور امیر صاحب ہنایت ڈبلے پتلے۔ ایک روز اس نے اپنے غریب دوست سے پوچھا کہ یا تم کیا چیز کھاتے ہو کہ اس قدر توانا ہو رہے ہو اس نے کہا کہ میں کھانا تم سے لہذا کھاتا ہوں امیر بولا بھائی وہ کھانا ہم کو بھی کھلاؤ۔ اس غریب نے دعوت کر دی وقت پر اس کے مکان پر پہنچے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں آخر جب دیر ہو گئی اور بھوک لگی تو بے تکلفی کے سبب کھانے کا تقاضا کیا اس نے وعدہ کیا ابھی آتا ہے پھر اور دیر ہوئی اور زیادہ بھوک لگی زیادہ تقاضا کیا اور وہ یوں ہی ٹالتا رہا آخر جب وہ بہت ہی بے تاب ہوا اور سخت تقاضا کیا میزبان نے

کہا کہ بھائی کھانا تو ابھی تیار نہیں لیکن دن کی باسی روٹیاں موجود ہیں اگر کہو تو لے آؤں، اس نے کہا کہ خدا کے لئے تم باسی ہی لے آؤ چنانچہ وہ کچھ تھوڑے سے باسی ٹکڑے اور کچھ ساگ وغیرہ لایا، ان کی تو بھوک کے مارے بُری حالت تھی بس ان ہی ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت مزے لے لے کر شکم سیر ہو کر کھائے۔ وہ غریب منع کر رہا ہے کہ صاحب زیادہ نہ کھا کیے بہت مزہ دار کھانا پک رہا ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی اب تو یہی بے حد مزہ دار معلوم ہوتا ہے تب اس غریب نے کہا کہ صاحب جو مزہ دار کھاتا میں ہر روز کھاتا ہوں وہ یہی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ میں اسی وقت کھاتا ہوں جب سخت بھوک لگتی ہے اس لئے جو کچھ کھاتا ہوں جزو بدن ہوتا ہے اور تم محض ضابطہ پُری کرتے ہو کہ کھانے کا وقت ہوا خادم نے آکر عرض کیا حضور کھانا تیار ہے، تم نے سنا اور کھانے کے لئے آمادہ ہو گئے، اگرچہ اس وقت تم کو بھوک بھی نہ ہو۔ غرض اگر کسی نے بارہ تیرہ سو کمانے بھی تو کھانا تو اس کا بھی جو کہ مقصود بالذات ہے محدود ہی ہوگا ہاں کمانا غیر محدود ہوگا مگر جبکہ کھانے کی غایت محدود ہے تو کمانے کا غیر محدود ہونا اس کو کیا کارآمد ہوا۔ جب مقصود بالذات ہی کم ہے تو مقصود بال غیر کے زیادہ ہونے سے کیا نفع۔

سوال تو اسی مقدمہ میں کلام ہوا کہ مولوی ہو کر کما کھا وہ سکیں گے کیونکہ بقدر ضرورت تو سب ہی کما کھا لیتے ہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کو بھی ثابت کیجئے کہ وہ کمانا جو آپ لوگوں کے ذہن میں ہے یعنی نوکری۔ تجارت وغیرہ آیا وہ ضروری بھی ہے اس کا اندازہ اس طرح ہو جائے گا کہ آپ کسی خادم دین کو بھوکا ننگا دکھا دیجئے اور خدمت دین کی عام ہے خواہ وہ تدریس ہو یا وعظ ہو یا کسی خادم دین کو ذلیل دکھلا دیجئے پھر جب یہ بھوکے ننگے بھی نہیں ذلیل بھی نہیں تو وہ کونسی چیز ہے جو خادمان دین میں کم ہے اگر وہ کوئی چیز ہے تو آپ کی ہو سکتی ہیں تو ان کے لئے یہ جواب کافی ہے کہ

حرفِ قانع نیست صفا ورنہ اسبابِ معاش (ہماری لاپچی طبیعت کو صبر نہیں ہے ورنہ اسے صائب سامان جو ہمارے کام آتا ہے

اس میں سے بہت سا تو ایسا ہے جو بے ضرورت ہے)

ذرا آپ اپنے ہی گھر میں جا کر اسباب کا جائزہ لیجئے تو نصف سے زیادہ وہ سامان نکلے گا جس کے استعمال کی کبھی نوبت بھی نہیں آتی اور چوتھائی سے زیادہ وہ نکلیگا کہ اس کی نسبت آپ کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ وہ گھر میں بھی ہے تو ایسے اسباب کے جمع کرنے کی آپ ہی بتلائیے کیا ضرورت ہے اور اگر مراد آپ کی ناکارہ ہونے سے یہ ہے کہ وہ ترقی نہیں کر سکتا تو حضرت ایسا ناکارہ ہونا تو عین مطلوب اور آئین و فساداری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۵

تا بدانی ہر کرا یزدان بخواند

از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

رتو اس بات کو سمجھ لے کہ جس کسی کو خدا بلاتا ہے وہ دنیا کے تمام کاموں سے بیکار ہو جاتا ہے)

اور فرماتے ہیں ۵

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم

مست آن ساقی دآن پیمانہ ایم

(اگرچہ ہم بظاہر مفلس اور دیوانے ہیں تو دراصل ہم اس ساقی کے

دیوانے اور اس کے پیمانے کے مست ہیں)

لیکن یہ تو مولانا رومی کا کلام ہے اس سے تو صرف اہل دل متاثر ہوں گے اب میں آپ کے مسلمات سے ایک مثال دیتا ہوں کہ آپ کا ایک نوکر ہے اس کو آپ دستِ روپے دیتے ہیں اور آپ کو اس پر اعتماد ہے، اتفاق سے کہیں باہر کا ایک شخص اس کو ملا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو اور تم کو کیا معاوضہ ملتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نوکر ہیں اور دستِ روپے ملتے ہیں۔ اس کو سن کر اس مسافر نے

کہا کہ تم میرے ساتھ چلو میں تم کو بیس روپے دوں گا اور اس سے نصف کام تم سے لوں گا۔ اب دل میں ٹٹول کر بتلائیے کہ اس نوکر کے لئے خوبی اور فخر کی بات کیا ہے آیا یہ کہ ترقی کا نام سن کر پھسل جائے یا یہ کہ صاف جواب دیدے اور کہدے کہ آپ مجھے بہکانے آئے ہیں یقیناً آپ دوسری شق کو اس کے لئے خوبی سمجھیں گے اب انصاف سے بتلائیے کہ اگر کوئی خدا کا نوکر ہے اور پانچ روپے میں گذر کرتا ہے اور اس حالت میں وہ ہزار روپے پر اس طرح لات مار دے کہ باوجود قدرت تحصیل اسباب کے وہ اسبابِ تعلیم معاش وغیرہ ترک کر دے تو اس کو کم حوصلہ اور محروم الترقی کیوں کہا جاتا ہے۔ صاحبو! اس کی قدر تو اور بھی زیادہ ہونی چاہیے نہ یہ کہ اس کو خشک دماغ بتلایا جائے۔ صاحبو! جس کا نام آپ نے ترقی رکھا ہے اس کا خلاصہ واللہ محض غرض پرستی، خود پرستی ہے اگرچہ اس کے پیچھے ساری عقل اور دین سلب ہو جائے۔ اسی کو کہتے ہیں ۷

عاقبت سازد ترا از دین بری

ایں تن آرائی و این تن پروری

صرف بدن کا سنوارنا اور بدن ہی کی پرورش کرنا انجام کار تجھے دین

سے دور کر دیں گے

تو مولانا رحمۃ اللہ کے قول سے اگر تسلی نہ ہوئی تھی لیکن آپ کے نوکر کی مثال سے تو تسلی ہو گئی ہوگی صاحبو! جس سے دل چسپی نہیں ہوتی اس میں انسان ترقی نہیں کر سکتا ۷

انبیاء در کار دنیا حیریند اشقیاء در کار عقبی حیریند

انبیاء را کارِ عقبی اختیار اشقیاء را کارِ دنیا اختیار

انبیاء علیہم السلام دنیا کے کام کو مجبور ہو کر کرتے ہیں اور بد بخت

لوگ دین کے کام کو مجبوری سے کرتے ہیں انبیاء علیہم السلام دین کے کام کو

پسند کرتے ہیں اور بد بخت لوگ دنیا کے کام کو خوش ہو کر کرتے ہیں۔

غرض اپنا ہیج اور چست سب ہیں لیکن اہل دنیا کار دنیا میں چست اور کارِ عقبیٰ میں سست ہیں اور اہل اللہ کار دنیا میں سست اور کارِ عقبیٰ میں چست ہیں اور اگر اب بھی تمہارے نزدیک فیصلہ نہیں ہوا تو سمجھ لیجئے کہ ان تَسْخَرُونَ مِمَّنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ يُجْلَىٰ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّهِينٌ (اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم سے ٹھٹھا کرتے ہیں جس طرح تم ٹھٹھا کرتے ہو سو عنقریب معلوم کر لو گے کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور دائمی عذاب کس پر اترتا ہے) اور یہ

فَسَوْفَ تَرَىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ

افرس تحت رجلك ام حمار

کہ ایک شخص گدھے پر سوار ہے اور دوسرا اس کو کہتا ہے کہ تو گدھے پر سوار ہے مگر کثرتِ غبار سے اس کو پتہ نہیں چلتا اور کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں۔ پہلا شخص جواب دیتا ہے کہ اچھا ذرا غبار بیٹھ جائے تو پھر تم کو معلوم ہوگا کہ تمہاری ران کے نیچے گدھا ہے یا گھوڑا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ اس پر راضی نہیں تو ذرا صبر کیجئے سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْآيَاتِ (ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا) ورنہ صاحبِ جو جب آپ کے ملازم کے لئے ترقی نہ چاہتا خوبی اور وفاداری ہے تو خدا کے نوکر کے لئے کیوں یہ خوبی اور وفاداری نہیں ہے۔ تو صاحب یہ ہے وہ نکما ہونا جس کی حقیقت آپ نے اعتراض کر کے خود کھلوائی۔

میں پھر کہتا ہوں کہ وہ نکما کہنے سے بُرا نہیں مانتا بلکہ خود اس پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے اس کا یہ کام ہوتا ہے کہ یہ

عاشقِ بد نام کو پُر دالے ننگِ نام کیا

اور جو خود نا کام ہو اس کو کسی کام کیا

صاحبو! وہی نکتے تھے کہ اگر آج ان کی جو تیاں مل جاتیں تو سر پر رکھی جاتی ہیں بس

یہ مینے تمہا علم دین سے بے رغبتی کا کہ لوگ ان کو بیکار سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس سے مطلق دل چسپی نہیں ہے ورنہ دلچسپی کی علامت تو یہ ہے کہ اس کو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بھی تجویز کرتے۔ مجھے عالمگیر رحمہ اللہ کی ایک حکایت یاد آتی ہے (یہ حکایت زبانی ہے کتابی نہیں) کہ ایک روز جامع مسجد میں انھوں نے طالب علموں کو دیکھا کہ سخت پریشان پھرتے ہیں اور خور و نوش کی کوئی سبیل نہیں سمجھے کہ سبب اس کا بے رغبتی امر کی ہے چاہا کہ اس کی اصلاح ہو بس وضو کرتے ہوئے وزیر اعظم سے ایک مسئلہ پوچھا کہ اگر نماز میں فلاں شبہ ہو جائے تو کیا کرے۔ وزیر صاحب اس کا جواب نہ دے سکے۔ عالم گیر رحمہ اللہ نے ذرا غضب ناک نظر سے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا تم کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ فقہ کے ضروری مسائل یا دکر و وزراء وغیرہ سب تمہارا گئے اور فوراً ہی طلبہ کی تلاش شروع ہو گئی اور وزانہ ان سے سیکھتے اور اس طرح سے وہ سب اطمینان کی حالت میں ہو گئے پھر تو یہ حالت تھی کہ طالب علم ڈھونڈھے نہ ملتے تھے۔

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ عالمگیر رحمہ اللہ کو بارہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ دیکھئے جب امراء کو اس جماعت سے دلچسپی ہوئی گو بضرورت سہی تو اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ ان سے استفادہ ہونے لگے اگر آپ کو بھی اس سے دلچسپی ہوتی تو کم از کم ہفتہ میں ایک ہی دن کسی عالم سے مسائل پوچھ لیا کرتے اگر خود ان کے پاس نہ جلتے تو ان ہی کو اپنے پاس بلا لیتے کیونکہ آج وہ رئیس کہاں رہے ہیں جو خود طالبانہ حاضر ہوں۔ پہلے یہ حالت تھی کہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ شہزادوں کو حدیث پڑھا جائے یا کیجئے انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی کے خاندان سے علم دین کی عزت ہوئی ہے اور آپ ہی لے عزتی کرتے ہیں ہارون نے کہا کہ اچھا شہزادے ہاں ہی حاضر ہوں گے مگر اس وقت عام رعایا سے الگ کر دیئے جایا کریں۔ آج بھی بعض رئیس جماعت میں نہیں آتے کہ خلط ملط سے لوگ ہمارے رعب کھائیں گے۔

صاحبو! ذرا سمجھلو یہ طرزِ درپردہ حکمِ شریعت پر اعتراض ہے کہ ایسا مضر و تانون
 بخویر نہ فرمایا۔ دوسرے یہ بالکل غلط ہے کہ خلطِ ملط سے رعب جاتا رہے گا۔
 رعب تو اس وقت بھی ہوگا لیکن انس کے ساتھ ہوگا۔ اب وحشت کے ساتھ ہے
 خدا تعالیٰ کے احکام ایسے بے ڈھنگے نہیں ہیں کہ ان کے مضر آثار ہوں۔ دیکھئے
 خلفاءِ راشدین کا کس قدر رعب رعایا پر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی دیکھ لیجئے
 کہ خلفاءِ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے کیا تو اوضاع حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسرِ منبر فرمایا کہ **إِنَّهُ مَعُوذٌ وَأَطِيعُوا رَأْمَ سُنُورِ حَكْمِ خَلِيفَةٍ**
 اور اطاعت کرو، سامعین میں سے ایک شخص نے کہا کہ **لَا نَسْمَعُ وَلَا نَطِيعُ** (ہم نہیں
 سنتے اور نہ اطاعت کریں) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ پوچھی تو اس شخص
 نے کہا کہ غنیمت کے چادرے جو آج تقسیم ہوئے ہیں سب کو تو ایک ایک بلا ہے اور
 آپ کے بدن پر دو ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے تقسیم میں عدل نہیں کیا اپنے
 فرمایا بھائی تو نے اعتراض میں بہت جلدی کی۔ بات یہ ہے کہ میرے پاس
 آج کربہ نہیں تھا تو میں نے اپنے چادرے کو ازار کی جگہ باندھا اور ابن عمر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہما سے ان کا چادرہ مستعار لے کر اس کو کربہ کی جگہ اوڑھا ہے۔ اس واقعہ
 سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان حضرات میں بڑے چھوٹے سب برابر
 حصے کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ آج بڑوں کا دوہرا حصہ ہونا تو گویا لازمی امر ہے
 البتہ اگر مالک ہی دوہرا حصہ دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض تو اوضاع کی تو یہ کیفیت
 تھی اور باوجود اس نرمی کے رعب کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ آپ بہت سے
 صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ جا رہے تھے اتفاقاً پشت کی طرف جو آپ
 نے نظر کی تو جس جس پر نظر پڑی سب گٹھنوں کے بل گر پڑے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید

ترس از وے جن و انس و ہر کہ دید

(جو شخص حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کر لیتا ہے پھر جن و انسان

بلکہ ہر ایک چیز جس کو وہ دیکھ لے اس سے وہ ڈرتی ہے۔
یعنی جو خدائے تعالیٰ سے ڈرے گا اس سے سب ڈریں گے اور اگر کسی کے رعب میں
کمی ہے تو تقویٰ کی کمی کی وجہ سے ورنہ ضرور ہیبت ہوتی ہے ہاں وحشت اور نفرت
نہیں ہوتی اور اجتناب و عدم اختلاط کے ساتھ جو ہیبت ہوتی ہے وہ ایسی ہے
جیسے لوگ بھیڑیے سے ڈرتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں بھیڑیا آجائے تو ابھی سب کھٹے
ہو جائیں تو جیسے آج کل روسا کو خیال ہے ایسا ہی ہارون الرشید کو یہ خیال ہوا کہ
اگر شاہزادے سب سے الگ پڑھیں گے تو ان کا رعب باقی رہے گا اس لئے
امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ شاہزادوں کے ساتھ کسی کو نہ بٹھلائے امام صاحب
نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا غرض آخر شاہزادے ہی حاضر ہوا کرتے اور حدیث سنا
کرتے۔ تو اس وقت تو بادشاہ ایسے تھے کہ ایک عالم نے ٹکاسا جواب دیدیا اور
اس کو بادشاہ نے قبول کر لیا۔ لیکن آج وہ حالت نہیں ہے اس وقت بھی علماء کو چاہئے
کہ اپنے کو ذلیل نہ کریں لیکن بہت زیادہ اجتناب بھی نہ کریں کہ اس میں اہل دنیا بالکل
ہی محروم رہیں گے۔ یعنی اگر کوئی شخص انتفاع دین کے لئے اہل علم کو قدر کے ساتھ بلائے
تو چلا جانا مناسب ہے اور میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ عالموں کو بلا کر آپ ان سے عربی
پڑھئے اس میں تو آپ کو پھر عذر سوجھیں گے۔ سو میرا یہ مطلب نہیں کیونکہ بجز اللہ اردو
میں بھی ایسا کافی ذخیرہ مذہبی ہو گیا ہے کہ آپ کو عربی کی ضرورت نہ پڑے گی لیکن یہ
خوب یاد رکھئے کہ مذہبی کتابوں سے مراد علماء باعمل کی کتابیں ہیں نیچریوں کے
خرقات مراد نہیں اگرچہ لقب ان کا بھی مولوی ہو۔

مجھ سے ایک نائب تحصیلدار صاحب نے کہا کہ میں مذہبی کتابیں دیکھا کرتا
ہوں دریافت جو کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نیا چہرہ کی کتابیں دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا
کہ صاحب اگر آپ قانون گورنمنٹ یاد نہ کریں اور اخبار ہی دیکھا کریں تو کیا آپ گورنمنٹ
کی عملداری میں رہ کر کام چلا سکتے ہیں ہرگز نہیں کیونکہ جو نصاب گورنمنٹ نے تجویز کیا تھا
آپ نے اس کو نہیں دیکھا بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا نصاب تجویز کر لیا تو اسی طرح مذہب میں

بھی وہ کتابیں دیکھتے جو مذہبی نصاب میں داخل ہیں۔ اس وقت لوگوں نے نصابِ تعلیم بھی اپنی رائے سے تجویز کر لیا ہے چنانچہ مردوں نے تو یہ نصاب مذکور تجویز کیا یعنی بددینوں کی تالیفات اور عورتوں نے موضوعِ قصے کہانیوں کی کتابیں تجویز کیں جیسے معجزہ آل نبی وغیرہ جس کا مہمل ہونا نام ہی سے ظاہر ہے کیونکہ معجزہ آل نبی کا نہیں ہوتا دوسرے اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو کسی فقیر کو ہبہ کر دیا تھا اور اس نے کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور ایسے قصے پڑھنے والے تو بیاہل ہی ہیں۔ ان جاہلوں سے بڑھ کر بعض مولویوں نے یہ غضب کیا ہے کہ نفعِ تجارت کے لئے وہ قصہ چھاپا اور چونکہ موضوع کی اشاعت ناجائز ہے اپنے کو بری کرنے کے لئے اخیر میں یہ لکھ دیا کہ یہ قصہ موضوعِ طبع ہوا اول تو آپ کو اس کی اشاعت کی کونسی دینی ضرورت تھی پھر یہ کہ عوام تو موضوع کے معنی بھی نہیں سمجھتے اگر لکھنا تھا تو یہ لکھتے کہ یہ قصہ بالکل لغو اور جھوٹ ہے اس کا پڑھنا جائز نہیں لیکن اگر ایسا لکھتے تو وہ پکتا کہاں۔ خدا بچائے ایسے دین فروشوں سے اسی لئے کہا ہے

بدگہر را علم و فن آموختن

داون تیغست دست زاہزن

(بری فطرت والے کو علم و فن سکھانا ایسا ہے جیسا کہ ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار

دے دی جائے)

اب اگر کہو کہ پھر اس صورت میں تو انتخاب بہت مشکل ہوا تو واقعی تم کو انتخاب مشکل ہے مگر کسی عالم سے انتخاب کرایئے یہ تو نصابِ تعلیم میں گفتگو تھی مگر اس کے ساتھ ہی یہ اس سے زیادہ ضرور ہے کہ ابتداء ہی سے اپنی اولاد کو کسی بزرگ کی صحبت میں وقتاً فوقتاً رکھنے اور خود بھی رہنے اس کی صحبت میں خدا تعالیٰ نے اصلاح کا اثر رکھا ہے اسی کو فرماتے ہیں

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کا ملے پامال شو

صحبت نیرکاں اگر کیا ساعتت بہتر از صد سالہ زہد و طاعتت

ہر کہ خواہد ہمتشینی با خدا گونشیند در حضور اولیا

ربا تیں بتانا چھوڑ دے اپنے اندر کیفیت پیدا کرنے والا بن اور کسی کا مل پیر

مرشد کے سامنے اپنے کو مٹا دے۔ نیکوں کی صحبت میں ایک گھڑی کو رہنا

سو سال کے تقوے اور فرمانبرداری سے بڑھ کر ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو

کہ حق تعالیٰ کی مجلس میں بیٹھے اس سے کہہ دو کہ اولیاء اللہ کی مجلس میں بیٹھے

مگر صحبت کا ہم لوگوں میں بالکل ہی اہتمام نہیں۔ میں نے ایک موقع پر اس کو ایک

مستقل تقریر میں بیان کیا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ جہاں اور تمام ضروریات

اپنی اولاد کے لئے بخوبی کی جاتی ہیں چند روز کے لئے اس کا بھی انتظام کر لیجئے۔ کہ

اس کو کسی بزرگ کی سپرد کر دیجئے اور کم سے کم ایک سال تک ان کے پاس ضرور

رکھئے۔ اگر کہئے کہ اس میں تو ان کی دنیوی تعلیم کا بڑا نقصان ہوگا تو میں کہتا ہوں

کہ اس کی یہ صورت کیجئے کہ ہر چھٹی میں چند روز رکھا کیجئے۔ اس طرح چند مرتبہ میں

یہ مدت پوری ہو جائے گی۔ غرض صحبت کا بھی اہتمام ہو اور محقق علماء کے بخوبی کردہ

نصاب کی تعلیم ہو اس طرح دین کی درستی ہو سکتی ہے اگر فرصت کم ہو تو اردو

سہی ورنہ وقت ملے تو عربی سہی نہ چوکئے کہ تبخیر و تحقیق کا یہی طریقہ ہے۔

اور میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ علوم عربیہ اگر دین کے لئے نہ پڑھائے

جائیں تو دنیا ہی کی لیاقت اور استعداد کے لئے پڑھائے میں نے دیکھا ہے

کہ جو لوگ ایم۔ اے ہیں مگر عربی کی استعداد نہیں رکھتے ان سے لیاقت میں

عربی خواں جو انٹرنٹینس بھی نہیں پڑھے بڑھے ہوتے ہیں تو اگر عربی کی تعلیم دین

کے لئے نہ ہو تو کم از کم دنیا ہی کے لئے ہو لیکن اس سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ میں علم دین

کی دنیا کے لئے حاصل کرنے کی رائے دیتا ہوں بات یہ ہے کہ علم دین کی خاصیت

ہے کہ کبھی نہ کبھی اپنا اثر ضرور کرتا ہے اور حاصل کرنے والے کو دین دار بتا کر

رہتا ہے یہ سمجھ کر میں نے کہہ دیا ہے کہ خواہ دنیا ہی کے لئے حاصل کرو غرض

جس طرح ہو علم دین کا اہتمام کرو گو اس کے ساتھ انگریزی بھی ہو میں انگریزی تعلیم سے منع نہیں کرتا مگر اس وقت تو اسلام ہی کے لالے پڑ رہے ہیں آخر اس کو بھی سلجھانے کی ضرورت ہے یا نہیں بس اس کی رائے دے رہا ہوں اور یہ دعوائے کرتا ہوں کہ دنیا کے سنبھالنے کے لئے بھی دین ہی کی ضرورت ہے اس لئے میں نے تمہید میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ سب سے زیادہ ضروری جماعت مولویوں کی ہے۔ اب ان آیتوں سے اس کو ثابت کرتا ہوں تو سمجھئے کہ ان دو آیتوں میں یہ بھی ارشاد ہے کہ لَا تُفْسِدُوا رِزْقَ اللَّهِ تَرْتَابًا ۚ إِنَّهُ يَكْفِي عَنِ الْفٰسِقِیْنَ (پھیلاؤ) اور یہی جزو ہے جو اس وقت مقصود بالبیان ہے۔ یعنی اصلاح کے بعد زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ اب یہ دیکھئے کہ فساد کیا ہے اور اصلاح کیا ہے اسی کے پھیلنے کیلئے میں نے یہ دونوں آیتیں پوری پڑھ دی ہیں تاکہ سیاق و سباق سے اس کی تعین ہو جائے تو پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ اذْعُوْا رِبٰتِكُمْ تَضُرُّعًا وَخُدْيَةً ۚ رَاٰنَ رَبِّكَ تَنْهٰنٰنِیْ مِیْنَ رُوْءِکُمْ یٰۤاٰدِیٰ کُیٰا کُیٰا کُیٰا اور بعد میں یہ فرمایا کہ وَاذْعُوْهُ خَوْفًا وَطَمَعًا (اس کو اس سے ڈر کر بھی اور اس کے انعام کی امید کا خیال کر کے بھی ہر طرح یاد کرو) اور دعائیں دو احتمال ہیں یا تو دعا کے وہی معنی ہوں جس کو عرف میں دعا کہتے ہیں یا دعا کے معنی عبادت کے ہوں کیونکہ قرآن میں دعا کے معنی عبادت کے بھی آئے ہیں چنانچہ بعض نے اذْعُوْتِیْ اَسْتَجِیْ لَکُمْ (تم مجھے پکارو میں تمہاری بات سنوں گا) میں عبادت کے لئے ہیں اور بعض نے دعا کو اپنے معنی میں رکھ کر لفظ عبادت کو جو اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ (بیشک جو لوگ خدا کی عبادت سے انکار کرتے ہیں) میں ہے دعا کے معنوں میں لیا ہے۔ نیز دوسری جگہ ارشاد ہے وَ مِمَّنْ اَصَلَّ مِنْ یَسَدِّ عُوْا مِیْنَ دُوْنِ اللّٰهِ (اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے امید رکھ کر پکارتا ہے) یہاں دعا بمعنی عبادت ہے غرض دعا دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس آیت میں اگر عبادت کے معنی لئے جائیں تب تو خلاصہ یہ ہوگا کہ اول بھی عبادت کا حکم ہے اور بعد میں بھی اور

درمیان میں فساد کی ممانعت ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت نہ کرنا فساد ہے اور اس سے اصلاح کی بھی تعین ہو گئی کہ بعد انتظام عبادت کے ترک عبادت نہ کرو اور اگر دعاء کے معنی عبادت کے نہ لئے جائیں بلکہ اپنے ظاہری معنی پر رکھا جائے تو اگرچہ اُس وقت بظاہر یہ آیت اس دعوئے کے اثبات کے لئے مفید نہ ہوگی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس صورت میں بہت زیادہ مفید ہے کیونکہ عبادت دو قسم کی ہے۔ ایک تو وہ عبادت جس سے مقصود دین بھی ہے اور ایک وہ عبادت جس سے کبھی دنیا بھی مقصود ہوتی ہے بہر شخص جانتا ہے کہ پہلی عبادت اپنے عبادت ہونے میں زیادہ قوی ہے۔ اب سمجھئے کہ دعا عبادت کی ایسی ذریعہ ہے کہ اس سے دنیا کی بھی طلب ہو سکتی ہے تو اس اعتبار سے دنیا دوسرے درجے کی عبادت ہوگی تو جب اس کے ترک کو فساد فرمایا گیا ہے تو جو عبادت خالصہ ہے اُس کا ترک تو کیوں موجب فساد نہ ہوگا۔ تو قرآن اس کا دعوئے کرتا ہے کہ عبادت کا ترک کرنا موجب فساد فی الارض ہے اور انتظام عبادت کو اصلاح فی الارض فرما رہا ہے۔ باقی یہ کہ جس وقت یہ ارشاد ہو رہا ہے اُس وقت بہمہ وجود اصلاح کہاں تھی جس کے بعد فساد سے منع فرماتے ہیں کیونکہ کفار کی کثرت تھی جو بہر وقت فساد ہی میں رہتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اصلاح سے سامان اصلاح ہوگا یعنی بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ سامان تھا اصلاح فی الارض کا تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے یہ اصلاح کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر سامان اصلاح کر دیا اگر تم ان کو چھوڑو گے تو تم فساد کرو گے۔ یہ تو آیت کا بدلہ ہوا جس کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت یعنی دین نہ ہونا موجب فساد ہے اب میں اس کو مشاہدہ سے ثابت کرتا ہوں لیکن اول اس کو سمجھئے کہ دین کیا چیز ہے تاکہ آپ کو پھر بدلہ لول آیت میں تعجب نہ ہو تو دین حقیقت میں چند چیزوں کے مجموعے کا نام ہے مگر ہم لوگوں نے اس وقت دین کا یہ سست رکالا ہے کہ پانچ وقت کی

نماز پڑھ لی و بس اور بعض نے یہ بھی نہیں رکھا بلکہ محض مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ اپنی مزعوم تفسیر کے اعتبار سے ان کا مذہب ہے اور اس پر غضب یہ ہے کہ بعض نے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی بھی ضرورت نہیں سمجھی میں نے اس کی تصریح دیکھی ہے کہ رُتُوذِ الشَّارِعَاتِ کا ماننا سبجات کا موقوف علیہ نہیں۔

صاحبو! مولوی اسی کو روتے ہیں کہ آپ کے گھر میں آگ لگی ہے لیکن آپ کو خبر نہیں صاحبو! غضب ہے کہ غیر قویں تو اسلام کی تعریف کرتی چلی جاتی ہیں اور ہم اسلام کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ غرض چونکہ ہم لوگوں نے دین کا سرت نکال ہے۔ اس لئے میں بتلاتا ہوں کہ دین واقع میں چند چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور وہ پانچ چیزیں ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، آداب معاشرت، اخلاق باطنی یعنی یہ کہ تکبر نہ ہو، ریاء نہ ہو، تواضع ہو، اخلاص ہو، قناعت ہو، شکر ہو، صبر ہو۔ و علیٰ ہذا۔ پس ان پانچ چیزوں کا نام دین ہے۔ اس وقت کسی نے کسی کو کسی نے کسی کو چھوڑ رکھا ہے۔ کسی نے اعمال کو چھوڑا کسی نے معاملات کو کسی نے معاشرت کو اس طرح سے کہ اپنی معاشرت کو چھوڑ کر غیروں کی معاشرت کو اختیار کر لیا ہے۔ اور بعض نے اخلاق باطنی کو چھوڑ دیا ہے بلکہ ان اخیر کے دو جزو کو تو قریب قریب سب ہی نے چھوڑ دیا ہے اس تفصیل کے بعد حاصل آیت کا یہ ہوا کہ دین کو یعنی ان پانچ چیزوں کو اصلاح فی الارض میں اور ان پانچوں کے اخلاص کو افساد فی الارض میں دخل ہے بس اب اس کو دیکھ لیجئے مشاہدہ کہ اصلاح فی الارض میں جُدا جُدا ہر ایک کا کیا دخل ہے۔ سو بعض کا دخل تو بین ہے۔ مثلاً اخلاق کہ ان کا اثر امن عام میں بین ہے اور ذرا سے غور سے معاملات کا اثر بھی امن عام میں ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ احکام معاملہ کا حاصل حقیقت یہ ہے کہ کسی کا حق ضائع

نہ کیا جائے پس معاملات کو بھی اتفاق میں بڑا اثر ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے موافق ہوں کیونکہ آپ کی رائے ان مصالح کی رعایت نہیں کر سکتی جن کی شریعت نے کی ہے جیسے پھل فروخت کرنا کہ آپ نے قبل از وقت پھل فروخت کئے تو اس صورت کو شریعت نے حرام کیا ہے کیونکہ پھل آنے سے پہلے فروخت کرنے میں معدوم کی بیع ہے اور بیع معدوم میں کسی نہ کسی کا ضرر ضرور ہوتا ہے اور شریعت کے موافق کرنے میں کسی کا ضرر نہیں اور جب کسی کا ضرر نہیں تو امن قائم ہوگا۔ تو ان دونوں کا اثر تو دنیا کے انتظام میں صاف معلوم ہوتا ہے باقی اور تین چیزوں کا امن عام میں دخیل ہونا سو یہ کم ظاہر ہے اس لئے اس کو بھی ثابت کرنا ضرور ہے کہ یہ تین چیزیں بھی امن عام میں دخیل ہیں۔ سو اول یعنی عقائد کو تو یوں سمجھو کہ توحید اور رسالت اور معاد اُمم العقائد ہیں اور ان سب کو امن عام میں بڑا دخل ہے۔ آپ نے اخلاق اور معاملات کو تو امن عام میں دخیل مان ہی لیا ہے اسی کی تسلیم سے یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جائیگا ایک مثال بطور نمونہ کے عرض کرتا ہوں کہ مثلاً اخلاق میں جھوٹ نہ بولنا سچ بولنا، ہمدردی کرنا، خود غرضی نہ کرنا سب داخل ہے اور یہ اصول تمدن میں سے بہت بڑی چیزیں ہیں جن پر تمام دنیا کا مدار ہے۔ لیکن واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ اخلاق دو شخصوں میں پائے جائیں جن میں ایک توحید و رسالت کا قائل ہو اور دوسرا اس کا قائل نہ ہو تو یقیناً دونوں میں بہت بڑا فرق ہوگا یعنی منکر توحید میں تو یہ اخلاق محدود العمر ہوں گے اس طرح سے کہ جب تک ان اخلاق پر عمل کرنے میں اس کے دنیاوی منافع قوت نہ ہوں یا ان کے خلاف عمل کرنے سے دوسروں کو خیر ہو کہ رسوائی کا اندیشہ ہو اس وقت تک تو ان اخلاق پر عمل کیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا موقع آپرٹ ہوگا کہ ان اخلاق پر عمل کرنے سے دنیوی ضرر ہوتا ہو اور ان کے خلاف کرنے میں کسی کو خیر بھی نہ ہو۔ جس میں اندیشہ بدنامی نہ ہو تو اس منکر توحید و رسالت کو

کبھی ان اخلاق کے ترک کی پروا نہ ہوگی۔ ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جب کبھی بے دین سلطنتوں میں آپس میں معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی پابندی اسی وقت تک کی جاتی ہے جب تک اپنے منافع حاصل ہوتے ہیں یا خلاف کرنے میں اپنا ضرر ہوتا ہے اگر خلاف کرنے میں اپنا ضرر نہ ہوتا ہو تو عہد شکنی میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔ یا فرض کرو کہ دو شخص ہم سفر ہوں جن میں ایک کے پاس ایک لاکھ روپے کے نوٹ ہوں اور دوسرا ایسا ہو کہ اس پر فاقے گذرتے ہوں اور اتفاق سے وہ مہتمول انتقال کر جائے اور دوسرے رفیق سفر کو ان نوٹوں کے لئے لینے کا موقع ملے اور عاقل بھی یہ اتنا بڑا ہو کہ بلا تکلف ان کو فروخت کر سکے اور اس مرحوم کے ورثہ میں بھی صرف ایک نابالغ بچہ ہو اور ان نوٹوں کی کسی اور کو خبر بھی نہ ہو کہ اس شخص کے پاس یہ ذخیرہ ہے اس صورت میں اخلاق اور نفس میں سخت کشاکش ہوگی اخلاق کا فتویٰ تو یہ ہوگا کہ یہ روپیہ اس وارث کو دینا چاہیے اور نفس کا فتویٰ یہ ہوگا کہ جب اس روپے کے رکھ لینے میں کوئی بدنامی نہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کو کیوں نہ رکھ لیا جائے اس کشاکش میں میں نہیں سمجھتا کہ نری اخلاقی قوت انسان کو اس عظیم مہلکہ سے بچالے پس جس شخص کو نری اخلاقی تعلیم ہوتی ہے وہ ہرگز اس خیانت سے نہیں بچ سکتا۔ البتہ جو اخلاقی تعلیم کے ساتھ خدا اور قیامت کا بھی قائل ہے وہ اس سے بچ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہاں بچ گیا اور مجھے دنیا میں خمیازہ بھگتنا نہ پڑا تو قیامت میں تو ضرور ہی بھگتنا پڑے گا اسی طرح ایک اور جزئی یاد آئی کہ میرے پاس اکثر ایسے ٹکٹ آجاتے ہیں کہ ڈاکخانہ کی مہر سے بالکل بچے ہوتے ہوتے ہیں اگر میں ان کو استعمال کر لوں تو کوئی بھی بازویرس نہیں کر سکتا کیونکہ نہ میرے پاس ڈاک خانہ والے ہوتے ہیں نہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہوتا ہے لیکن محض خدا کے خوف سے اکثر میں سب سے اول ان ہی کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں اس کے بعد خط پڑھتا ہوں

علیٰ ہذا اگر روزمرہ کے واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسروں کے حقوق کی پوری حفاظت جب ہی ہو سکتی ہے جب دل میں خدا کا خوف ہو یہ مثال نمونہ کے طور پر بیان کی ورنہ غور سے معلوم ہوگا کہ تمام مسائل تمدن میں اس کی ضرورت ہے کہ مبدار و معاد کا معتقد ہو اس کے تفصیل کے لئے رسالہ مآل التہذیب دیکھنے کے قابل ہے اس میں دکھلایا ہے کہ اس مخترع تہذیب کا مآل دنیا ہی میں ہونے والا ہے۔ انہوں نے ایک ایک مفسدہ کو لکھا ہے اور ختم پر ہر جگہ یہ کہہ دیتے ہیں قَوْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلَّذِیْنَ بَیْنَ رِجْلِی سَخِیْتُ عَذَابَ ہُوْكَ اَقِیَامَتِیْ (نئے، مہذبین کو) فرض امن عام اور تمدن اس وقت باقی رہ سکتا ہے جب اخلاق درست ہوں اور اخلاق کی کامل درستی جب ہو سکتی ہے کہ عقائد درست ہوں۔ اب اعمال کا دخل لیجئے یہ بھی ان اشارہ اللہ تعالیٰ اخلاق کی ضرورت تسلیم کر لینے سے ثابت ہو جائے گا۔

سب کو معلوم ہے کہ اخلاق میں بڑی چیز تو اضع ہے اس کے نہ ہونے سے تمام عالم میں فساد پھیلتا ہے کیونکہ فساد کا مبنیٰ ہے نا اتفاق اور نا اتفاق تکبر سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اگر تکبر نہ ہو اور آپ مجھ کو بڑا مانیں اور میں آپ کو بڑا مانوں تو نا اتفاق کی کوئی وجہ نہیں تو اتفاق کے لئے تو اضع کے پیدا کرنے اور تکبر کے مٹانے کی ضرورت ہے۔ اور اس تو اضع کی عادت نماز سے خوب ہوتی ہے نفس کا یہ خاصہ ہے کہ اگر کہیں اس کو ذلت نہ سکھلائی جائے تو اس میں فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں اول ہی سے اللہ اکبر کی تعلیم ہے تو جو شخص پانچ وقت زبان سے اور دل سے اللہ اکبر کہے گا اور جو ارح سے رکوع اور سجدہ کرے گا، زمین پر پیشانی رکھے گا وہ کیونکر اپنے کو بڑا سمجھے گا۔ اگر کہو اس سے تو یہ ہوگا کہ اپنے کو خدا سے بڑا نہ سمجھیں لیکن دوسروں سے تو بڑا نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو اب یہ ہے کہ یہ ناجر بہ کاری کا اعتراض ہے۔ دیکھو اگر تحصیلدار اپنے جوشِ حکومت میں تحصیلداری کر رہا ہو اور اچانک لفٹنٹ گورنر آجائے

تو خود ان کے ذہن میں بھی وجداً ناسب اختیارات مسلوب سے ہونے لگتے ہیں اس وقت اگر کوئی حضور بھی کہتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گولی مادی تو جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی وہ اپنے کوچیونٹی سے بھی مغلوب اور ناتواں سمجھے گا کیونکہ بڑوں کے سامنے ہوتے ہوئے چھوٹوں پر بھی حکومت نہیں رہتی تو الشراکبر کی تعلیم وہ ہے کہ اس سے تکبر کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے اور پھر اس سے نا اتفاقی کا جاتا رہتا لازمی ہے علیٰ ہذا قوت بہیمیہ سے سینکڑوں فساد لڑائی جھگڑاے دنیا میں ہوتے ہیں اور روز کے سے قوت بہیمیہ ٹوٹی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کہ اس سے لینے والے کے علاوہ دوسروں کو بھی زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ محبت ہوتی ہے دیکھو ماتم طائی سے بوجہ سخا کے سب کو محبت ہے اور اتفاق کا مبنی یہی محبت ہے تو دیکھو زکوٰۃ کو اتفاق میں کتنا برا دخل ہے۔ علیٰ ہذا حج پر غور کیجئے کہ اس میں ساری دنیا کے آدمی ایک شغل میں ایک زمانہ میں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں اور تمام سامان تکبر سے خالی ہو کر ایک عظیم الشان دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس کو اتفاق و اتحاد میں بہت دخل ہے جیسا اور پرند کور ہوا اور اسی اتفاق فی الخیال کا اثر ہے کہ دوسرے مجموعوں میں جن کو مجمع حجاج سے کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی بہت سی واردات ہو جاتی ہیں اور وہاں بہت کم حادثے پیش آتے ہیں البتہ اکثر لوگ شاید بدوؤں کے شاکی ہوں گے سواصل میں ان کا مقصود سب و قتل نہیں ہے بلکہ وہ ایک درجہ میں حجاج کی بے پروائی کا انتقام لیتے ہیں ان کی حالت بالکل یہاں کے گاڑی بانوں کی سی ہے کہ اگر گھاس دانہ زیادہ دے دیا تو خوش ہیں ورنہ پھر دیکھئے کیسے پیر پھیلاتے ہیں ویسے ہی اگر بدوؤں کی مدارات کی جائے ان کو انعام کے طور پر کچھ زیادہ دیدیا جائے تو وہ بہت آرام پہنچاتے ہیں اور یہ جو سننے میں آتا ہے کہ بدو پتھر مار کر مال چھین لیتے ہیں تو اول تو ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو ایسے بدوؤں کے ہاتھ سے جو اس مجمع کے نہیں بلکہ وادیوں میں دیہات کے لوگ پھیلے رہتے ہیں وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں

اور وہ بھی اس وقت جب کہ خود اپنی حفاظت نہ کرے کہیں قافلے سے آگے پیچھے رہ جائے غرض حج کو اتفاق و امن میں بہت بڑا دخل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال حج ازسرتا پاتا تو اضع سے پر ہیں۔ اب یہی معاشرت سوتال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں وہ سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے سو جتنی ناجائز اوضاع ہیں ان سب میں تکبر ہے جو لوگ خلاف شریعت وضع رکھتے ہیں وہ غور کر لیں کہ اس وقت اُن کے دل کی کیا حالت ہے اور اس حالت کو یاد رکھیں اور پھر ایک ہفتہ شریعت کے موافق وضع و لباس اختیار کر کے اس کا اثر دیکھیں تو ان کو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا یہ تو سمجھ میں آنے والی تقریر ہے۔ ایک دوسری تقریر اور ہے جو ان تینوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے پس اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہو جاتی ہے

الْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمَةِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں یعنی ان کو کچھ ایذا نہ دے)

اب میں ایک اور بات کہتا ہوں جو تمام اجزا دین کو عام ہے وہ یہ کہ دین کی یہ غرض ہی نہیں کہ دنیاوی نفع ہو بلکہ مقصود اس سے رضائے حق ہے اور جب خدا تعالیٰ راضی ہوں گے تو وہ خود ہی اس کی تمام مصالح دنیویہ کی رعایت فرمائیں گے مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس ڈرنے والے لئے رہائی و آفات دارین کرتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا) پس دین کی درستی کو اس طرح دنیا کی درستی میں دخل ہوا مگر دین کے کام اس نیت سے بھی نہ کرنا کہ خدا راضی ہوگا تو دنیا کے کام بنیں گے بلکہ صرف اس لئے کہ

دل آرامی کہ داری دل در بند
 و گر چشم از ہمہ عالم فرو بند
 (جو تیرا محبوب ہے اس میں اپنے دل کو لگا اور دوسرے سارے عالم سے
 اپنی آنکھوں کو بند کر لے)

اور جو مصلحتیں سامنے آئیں بھی تو یہ پڑھ دو کہ
 مصلحت دیدن آنست کہ یارا ہمہ کار
 (میرے نزدیک صحیح مشورہ یہ ہے کہ میرے دوست سب کاموں کو چھوڑ دیں
 اور صرف محبوب کے دامن کو پکڑ لیں)

زند عالم سوز را با مصلحت بیستی چہ کار
 کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایش

رایے عاشق کو جس کا عشق اپنی گرمی سے دنیا کو جلا سکتا ہو اس کو ہر کام میں
 مصلحت سوچنے سے کیا کام مصلحتیں سوچنا اور ملک کی تدبیروں کا سوچنا
 اس شخص کا کام ہے جس کو تحمل اور صبر و برداشت کی عادت ہو)

میں مصلحتوں سے کیا لینا مگر حاصل ضرور ہوں گی وفادار نوکر وہ ہے کہ آقا کی رضامندی
 کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھے اور کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے ورنہ اس کو
 خود غرض اور خود کام کہا جائے گا پھر آفت اپنے کرم سے خود ہی اس کی مصلحتوں
 کی رعایت فرمائے گا اور اگر دیکھا جائے تو راحت بھی اسی میں ہے کہ کسی کے حکم
 کا تابع رہے چاہے مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور اگر ہر کام میں مصلحت سوچتا
 رہے تو کام کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اہلہ کچھ ہی کام کرنے کی حالت
 میں بھی ہر وقت تنخواہ کے روپے کے مصارف و مدافل کے حساب میں لگا رہے تو
 یقیناً کچھ ہی کا سارا کام برباد ہو جائے گا۔ جیسا ایک کاتب کی حکایت ہے کہ
 بیوی کو خط لکھ رہے تھے ایک چڑیا نے ہلکا ہلکا تو آپ نے اس چڑیا کو ایک
 گندی گالی دی چونکہ اس گالی میں مشغولی زیادہ ہوئی تو وہی گالی خط میں بھی لکھی
 گئی وہاں جو خط پہنچا تو تعجب ہوا اور وہ پوچھی کہ مجھ سے کیا قصور ہوا آخر سارا

قصہ لکھا تو یہی حال ہو مصالِح کے مشتغل کا کہ مقصود کام کا ستیا ناس ہو جائے حاصل یہ کہ اگر آدمی کام کے وقت ثمرات پر نظر رکھے تو وہ خود کام حجاب ہو جاتے ہیں۔ حضرت سڑک کوٹنے والا مزدور اگر کوٹتے وقت پیسوں کی فکر میں رہے تو ضرور کہیں چوٹ کھائے گا اگر چوٹ سے بچنا ہے تو اس وقت مزدوری پر بالکل نظر نہ کرے بلکہ کام پر نظر کرے مگر دنیا کے کاموں میں تو لوگ ان قواعد کو ضروری سمجھتے ہیں اور دین کے کاموں میں ان سے کچھ کام نہیں لیا جاتا حالانکہ ضروری بات ہے۔ میں نے تین تقریریں کیں ہر تقریر سے یہ ثابت ہو گیا کہ دین کو طاعت کو امن عام میں بہت دخل ہے اور یہ تین تقریریں اس لئے کیں کہ مذاق مختلف ہیں یہ قواعد دینیہ کی خوبی ہے کہ ان سے ہر مذاق کے پسند پر دین کا حسن ثابت ہو گیا تو دین گویا اس شعر کا مصداق ہی ہے۔

یہاں عالمِ حُسنش دل و جان تازہ میدارد

برنگِ اصحابِ صورتِ رابواریابِ معنی را

اس کے حسن کے عالم کی بہار دل کو اور روح کو خوش رکھتی ہے جو صورت

کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں وہ رنگ و روپ سے خوش ہوتے ہیں،

غرض جس پہلو سے چاہو پھر پھر کھلو پھر کھالو الحمد للہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ امن کی صورت

اگر ہے تو احکامِ خداوندی کی پابندی سے ہے اور اگر کہو کہ بہت تو میں مسلمان

نہیں ہیں اور وہ پابندِ احکام نہیں ان میں امن کیسے قائم ہے تو میں اجمالی

جواب تو پہلے دے چکا ہوں اور اس اجمال کی تفصیل کو نال التہذیب پر حوالہ

کرتا ہوں پتہ مطبع نظامی کراچی۔ اس کے نو مقالے ہیں وہ قابل اس کے ہیں کہ اپنے

بچوں کو پڑھائے۔ غرض یہ بات بلاشبہ ثابت ہو گئی کہ امن عام کی بقا محض دین پر

ہے اور اس سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ كَالِ

يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ۔ معنی۔ جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے۔

قیامت نہ آئے گی اور مختصر و جمہ اس کی یہ ہے کہ اسلام طاعت ہے اور کفر بغاوت ہے،

تو دنیاوی سلطنتوں کا تو یہ فتا عدہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغی زیادہ ہوں تو شہر پر توپ خانہ لگا دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اگر یہی کرتے تو اکثر اوقات توپ لگنے کے ہوتے مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر گل باغی ہوں مگر صرف ایک غیر باغی ہو تو اس کی بدولت تمام عالم محفوظ رہے گا۔ ہاں جب بغاوت عام ہو جائے اس وقت پھر ہلاک عام بھی ہوگا اور یہیں سے ایک اور بات بھی سمجھ میں آگئی کہ بہت سے لوگ جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں جیسے اللہ اللہ کہنے والے غریب۔ وہ آپ کی بقا کے سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس خلق کا اتباع ہم کو بھی کرنا چاہیے کہ ایک کے لئے سب کی رعایت فرمائی، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ع مراعات صد کن برائے یکے

اور فرماتے ہیں

ع خورند برائے گلے حنا گلے

یعنی ایک پھول کے لئے دس جگہ کانٹوں میں لچبٹے ہیں تو ہم کو بھی ایسے لوگوں کیلئے مشقتیں اٹھانا چاہئیں غرض جب ان میں سے ایک بھی نہ رہے گا اس وقت توپ لگ جائے گی کہ گھر کا گھر گر پڑے گا تو تمدن اور امن اطاعت ہی سے ہے اب یہ بھی سمجھو کہ اطاعت ایک عمل ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا تو امن عام کے لئے علم دین کی ضرورت ہوتی اور اس کے عامل علماء ہیں تو اب بتلاؤ کہ یہ جماعت دنیا میں سب سے زیادہ ضروری ہوتی یا سب سے زیادہ بیکار۔ اور اگر کسی مقدمہ میں کوئی خدشہ رہے تو بسم اللہ میں ہر وقت حاضر ہوں میں نے کوئی شاعری نہیں کی نہ کسی کی طرفنداری کی اور صاف کہہ دیا کہ ان میں بعض بدنام کنندہ نیرکان بھی ہیں وہ ہماری بحث سے خارج ہیں لیکن اگر وہ بھی اپنی اصلاح کر کے اس مقبول عبادت میں آنا چاہیں تو بسرو چشم آئیں

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر و حاجب و دریاں برس درگاہ نیست

(جو آنا چاہے آجائے اور جو جانا چاہے وہ چلا جائے اس دربار میں کوئی
کسی سے پوچھ گچھ اور روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے)
لاکھ برس کا عابد اگر مچلے تو کان پکڑ کر باہر اور اگر لاکھ برس کا کافر آئے تو بسم اللہ
صاحبو! امید ہے کہ مسلمانوں کو اس بیان سے حقیقتِ حال منکشف ہو گئی
ہوگی۔ اب میں نہایت ادب سے تھوڑا سا خطاب طالب علموں کو کرتا ہوں کہ آپ
کی ضرورت محض علم و عمل کی وجہ سے ہوئی ورنہ آپ کوئی چیز نہیں اور یاد رکھو
جتنا لطیف کھانا ہوتا ہے اس میں زیادہ اور جلدی بدبو ہو جاتی ہے۔ پس
جس طرح آپ بحالتِ درستی نافع الوجود ہیں اسی طرح نادرستی میں مضر اور سبب
فساد بھی ہوں گے اس لئے آپ کو بھی اپنی اصلاح کرنا ضرور ہے اور آپ کی
اصلاح کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ زمانہ تحصیل میں استاد و پندار ڈھونڈیے
بددین استاد ہرگز نہ ہرگز۔ اختیار نہ کرو۔ یہی طالب علمی وقت ہے تخم پاشی کا پھر
اس کے بعد کچھ دنوں پڑھ کر کسی اہل اللہ کی چندے صحبت اختیار کرو تب
البتہ تم خادم دین بن سکو گے پھر لوگ تمہارے قدم دھوئیں گے اور پھر پہلی
جماعت غیر اہل علم سے خطاب کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحبِ علم ایسا نہ ہو تو
اس کو چھوڑو اور اس کو نہ دیکھو وہ سرکاری آدمی نہیں مگر یہ یاد رہے کہ وہ کام
کا آدمی بھی ان ہی ناکاروں میں بلا جلا ہوا ہے اور اس کی تلاش کے لئے البتہ ان
سب کی بھی خدمت کرو ان ہی میں وہ مل جائے گا۔

ع۔ مراعات کن صد برائے یکے

کا یہی مطلب ہے شیخ نے حضرت ابراہیم کی حکایت لکھی ہے کہ وہ بغیر مہمان کے
کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک دن مجوس مہمان ہوا جس نے کھانے پر بسم اللہ
نہ کہی آپ نے ناراض ہو کر اٹھا دیا فوراً وحی سے ارشاد ہوا کہ ہ

گراومی بروپیش آتش سجود تو واپس چرامیکشی دست جوہ
 خورش وہ بکجخشک و کبک حمام کہ شایدہمائے درافتد یدام
 جوہر گوشہ تیر نیاز افگنی بنا گاہ بیسنی کہ صیدے کنی
 (اگر وہ آگ کو سجدہ کرتا ہے تو سخاوت سے اپنا ہاتھ کیوں روکتا ہے
 تو چڑیلوں اور چکوروں اور کیوتروں سب کو دانے ڈالتا رہ شاید کسی
 روز ہما پرندہ بھی جال میں آپھنستے تو عاجزہ می کا تیر ہر طرف پھینکدے
 ممکن ہے کسی وقت اچانک کوئی شکار مل جائے)

جب شکاری شکار ہما کرتا ہے تو چیل اور کوؤں کو نہیں اڑاتا ان ہی کے ساتھ
 ہما بھی پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم انتخاب کر کے تعلیم دین اور ان میں عیب
 نکالیں جیسا کہ آجکل لوگ طالب علموں میں عیب نکالتے ہیں تو بجا بہت سے
 اچھے اچھے بھی دولت علم سے محروم رہ جائیں گے کیونکہ بہت لوگوں کو دیکھا ہے
 کہ اول اول ان میں قابلیت نظر نہیں آتی مگر بعد میں ان کے جواہر کھلتے ہیں۔ پس
 ان سب کی خدمت کرو۔ انہیں میں سے لعل و جواہر بھی نکل آئیں گے۔ ایک
 بادشاہ زادے کا لعل شب کو جنگل میں گر پڑا تھا تو حکم دیا کہ سب کنکروں کو
 جمع کر لو روشنی میں چھانٹ لیں گے انہیں کنکروں میں سے وہ لعل پا گیا۔
 تو آپ اپنے اس انتخاب سے ہمیں معاف کیجئے اور آپ ان پر اعتراض نہ کیجئے
 البتہ اگر تم طالب علموں کے ساتھ اولاد کا سایہ بناؤ کرو اور اپنی اولاد سمجھو اور پھر
 شفقت و خیر خواہی سے ان کی بے عنوانی پر ان کو تنبیہ بھی کرو تو پھر دیکھو وہ
 بھی سمجھیں گے کہ

آنرا کہ بجای تست ہر دم کرے
 عذرش بنارکت لجمری ستے

یہ عدم انتخاب اس طالب علم کے اعتبار سے ہے جس کا صرف غیر نافع ہونا محتمل ہو باقی جس کا مضر دین ہونا معلوم
 ہوگا اسکو متبوع ہونے کے درجے تک ہرگز نہ پڑھائیں البتہ اپنے عمل کے لائق اسکو بھی تعلیم دینا فرض ہے ۱۲ منہ

(وہ ذات کہ جو کچھ ہم ہر وقت بخششیں کر رہی ہے اگر عمر بھر میں کسی وقت میں اس کی طرف سے
کچھ دکھ اور گلہ بھی ہو تو اسے معذور رکھو)

غرض اولاد کو جس درجے کی تنبیہ کرتے ہو اس کی اجازت ہے اور اس سے زائد اجازت نہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ بہت بڑی ضرورت دنیا میں اہل علم اور دین کی ہے ان کے ساتھ وابستہ
ہو جاؤ مگر وابستگی کے یہ معنی نہیں کہ چندہ میں روپیہ دیکر بے فکر ہو جاؤ۔ روپیہ تو خدا دے گا۔
بلکہ ان سے کھل کر ملو اور ان سے مسئلے پوچھتے رہو تاکہ تم کو دین اور اہل دین کی محبت بڑھے اور
تمہارے لئے یہ وعدہ صادقہ پورا ہو جائے کہ *الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ* (آدمی قیامت میں) اس کے
ساتھ ہوگا جسے (دنیا میں) دوست رکھتا ہے) اور اگر تم کو ان کی محبت ہو گئی تو ان شاء اللہ
تعالیٰ خدا تعالیٰ سے بھی تم کو محبت صادقہ ہو جائے گی اور بعض لوگ خود تو علماء کی طرف
متوجہ ہوتے نہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ علماء ہماری خبر نہیں لیتے تو صاحبو! مرخص طبیب کے
پاس جایا کرتا ہے طبیب مرخص کے پاس از خود نہیں جایا کرتا کیا وجہ ہے کہ سولہ سرجن کی شکایت
نہیں کی جاتی کہ ہماری خبر نہیں لیتا صاحبو! سولہ سرجن کی شکایت تو نا جائزہ اور علماء کی شکایت جائزہ۔
صاحبو! تم نے علماء کو اپنی خبر کب دی۔ اگر تم دو دفعہ جا کر ان کو اپنے مرض کی خبر دو گے تو
وہ ایسے شفیق ہیں کہ چار دفعہ خود آئیں گے۔ اب تو مولوی اس لئے بھی بچتے ہیں کہ ان کا از خود
متوجہ ہونا خود غرضی پر محمول ہوگا۔ مشہور مقولہ ہے :-

نِعْمَ الْأَمِيرُ عَلَى بَابِ الْفَقِيرِ وَبِئْسَ الْفَقِيرُ عَلَى بَابِ الْأَمِيرِ (وہ امیر اچھا ہے جو فقیر

کے دروازے پر حاضر ہو اور وہ فقیر بُرا ہے جو امیر کے دروازے پر جائے)

تو یہ معنی ہیں وابستگی کے اور جب آپ وابستہ ہوں گے تو وہ بھی آپ سے زیادہ متوجہ
ہوں گے اور اس سے ملاپ پیدا ہوگا۔ مگر ابتداء اس کی اہل دنیا کی طرف سے ہونا چاہیے
اور اس وابستگی کے ساتھ اپنے بچوں کو بھی علم دین پڑھائیے۔

غرض یہ چیزیں ضروری الوجود ہیں ان کی فکر کیجئے۔ اب ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ
سے توفیق علم و عمل کی دعا کیجئے۔

تمت بالخیر

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(سواء البخاری)

دعوات عبودیت جلد پنجم

کا

دوسرا وعظ ملقب بہ

طریق النجاة

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: محمد عبدالمتان غفلاً

مکتبہ تھانوی — دفتر الابقاء

مسافر خانہ بند روڈ کراچی ۱
ایم۔ اے۔ جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد پنجم

کا

دوسرا وعظ ملقب بہ

طریق النجاة

اَیْنَ	مَنْ	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْضِبِط	الْمُسْتَمْعُونَ	اشْتَاتُ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد ۲۲	کیرانہ	۳ گھنٹہ	بیٹھ کر	بنجاة کے دو طریقے ہیں یا تحقیق یا تقلید اہل تحقیق	مولوی سعید احمد تھانوی	تقریباً ۳۰۰۰	
ضلع منظرنگر	جمادی الثانیہ ۱۳۳۰ھ						

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَرِيَّاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ -

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰهُ بَارَكَ وَتَعَالَى . وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي

أَصْحَابِ الشَّعْبِ الرَّهْه (اور کافر کہیں گے کہ ہم سنتے یا سمجھتے تو اہل دوزخ میں شامل نہ ہوتے) یہ ایک آیت ہے سورہ ملک میں اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے کفار کی ایک حکایت نقل فرمائی ہے یعنی ان کا ایک قول ہے جو کہ وہ قیامت میں کہیں گے مگر مقصود حکایات سے خود وہ حکایات نہیں ہوتیں خواہ وہ حکایات ماضیہ ہوں یا حکایات مستقبلہ بلکہ ان سے مقصود کوئی عبرت یا کسی بات کا جتاننا ہوا کرتا ہے چنانچہ اس کے متعلق ایک آیت میں ارشاد بھی ہے لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ہ کہ ہم نے جو قرآن شریف میں اگلی قوموں کے قصے بیان کئے ہیں ان سے عقلمند لوگوں کو عبرت ہوتی ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ قصوں کے نقل کرنے سے غرض عبرت دلانا ہوتا ہے عبرت کا حاصل قیاس ہوتا ہے یعنی پہلی قوموں کے حالات پر اپنے حالات کو کسی مشترک کی وجہ سے قیاس کرنا اور اپنے لئے بھی ان کی حالت کے مشابہ اپنی کسی حالت کی تقدیر پر اسی امر کو ثابت کرنا جو کہ ان کے لئے ثابت ہو چکا ہے۔ اس مقام پر بھی حکایت کو نقل کرنے سے ہی مقصود ہے کہ وہ حکایت ہم کو سنتے میں تاکہ ہم غور کریں اور جانچیں کہ جس امر پر ان کو وعید ہو رہی ہے ہمارے اندر بھی وہ پایا جاتا ہے یا نہیں اور ہماری حالت اس پر منطبق ہے یا نہیں اور اس سے نجات کا کیا ذریعہ ہے کہ ہم اس کو اپنا دستور العمل قرار دیں یہ حاصل ہے مجھلاً اس آیت کا جیسا کہ ترجمے سے آپ کو معلوم ہوگا اور تفصیل اس کی بیان سے معلوم ہو جائے گی۔

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار یوں کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج ہم اصحابِ جہنم میں نہ ہوتے۔ اس ترجمے سے معلوم ہوا کہ کفار اپنی بد حالی کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ ہم بہت چوکے کہ ہم نے دنیا میں کرنے کا کام نہ کیا اور اس کرنے کو خدا نے اس حکایت میں دو باتوں میں منحصر کیا ہے ایک تو سننے میں اور ایک سمجھنے میں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے

کہ عمل علی الحق کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کسی سے سنا ہو دوسرے یہ کہ خود سمجھا ہو۔ کفار نے چونکہ نہ سنا تھا نہ خود سمجھا تھا اس لئے ان کو افسوس اور حسرت کی نوبت آئی۔ اس سے آپ کو آیت کا حاصل مجمل معلوم ہو گیا ہو گا خدا تعالیٰ نے اس حکایت کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں فرمایا اور اس کو غلط نہیں کہا بلکہ اگلی آیت میں اس کی تصدیق فرمائی *فَاَعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ* انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، جس سے معلوم ہوتا ہے ان کا ذنب یہی تھا تو معلوم ہوا کہ یہ امر حق ہے اور ان ہی دو کا نہ ہونا باعث دخول جہنم ہوا بلکہ اگر اس کو نقل فرما کر سکوت بھی کیا جاتا تب بھی یہ حق سمجھا جاتا کیونکہ عقلی قاعدہ ہے کہ جس بات کو بیان کر کے اس پر سکوت کیا جائے اور رد و انکار نہ کیا جائے تو وہ حاکمی کے نزدیک امر مرضی ہوا کرتا ہے نیز اصولیین نے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے نیز قطع نظر اس مقدمہ کے اس کے حق میں ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ مقولہ قیامت کا ہے اور قیامت میں چونکہ سب امور منکشف ہو جائیں گے اس لئے کوئی جھوٹ نہ بولے گا اور اگر بعض آیات سے مثلاً *وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مَشْرِكِيْنَ* ہر قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہیں ہیں، یہ شبہہ ہوا کہ ان لوگوں نے جھوٹ بولا چنانچہ ارشاد ہے *اَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ* دیکھو تو اپنی جانوں پر کس طرح جھوٹ بول رہے ہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ جھوٹ ایک عارض کی وجہ سے بولا اور وہ عارض یہ ہے کہ بولنے میں ان کو نفع کی توقع تھی اور یہاں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس قول میں خود ان ہی کا ضرر ہے کہ اعتراف ذنب لازم آتا ہے اس لئے یہ قول غلط نہ ہو گا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت میں کشف حقیقت کا اصل مقتضایہ ہے کہ وہاں جو بات کہی جائے بالکل صحیح کہی جائے۔ لیکن بعض لوگ عارض نفع کی وجہ سے اس مقتضایہ کے خلاف کریں گے تو جس جگہ وہ عارض پایا جائے گا اس موقع پر تو ان کے قول میں کذب کا احتمال

ہوگا اور جس موقع پر وہ عارض نہ ہو وہاں اصل مقتضا کی وجہ سے قول کو صادق ہی سمجھا جائے گا لہذا کفار کا یہ قول بالکل سچا ہے اور پھر جبکہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید بھی موجود ہے تو اس کے صدق میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا۔ چنانچہ ارشاد ہے **فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ** انہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا جس کی اوپر تقریر ہو چکی ہے۔ اب میں اصل مقصود کو بیان کرتا ہوں اور اس آیت سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو ثابت کر دوں گا کیونکہ وہ مضمون اس آیت کا مدلول ہے اور اس کی ضرورت نہایت عام ہے ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو اس کی ضرورت ہے ایسے مضامین بتلانا نہایت ضروری ہیں اور جیسے اس کی ضرورت عام ہے ایسا ہی اس کا فائدہ بھی نہایت عام ہے یعنی اس کے استعمال کے بعد حتیٰ فائدہ اس میں ہے۔ نیز یہ مضمون نہایت سہل ہے۔ تو ان تینوں باتوں پر نظر کر کے اس کی ضرورت میں ذرا بھی کلام نہیں رہتا۔ دیکھئے عقلی قاعدہ یہ ہے کہ مرض جس قدر صعب ہوتا ہے اس کا علاج بھی اسی قدر صعب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو یا کسی جماعت کو یا کسی ایک شہر میں کوئی سخت مرض پھیل جائے تو عقلاً اس کے لئے نہایت سخت تدابیر بخوہ کر لیتے ہیں اور جب یہ قاعدہ مسلم ہے اور عقلاً اس کو برداشت کیا جاتا ہے اور اگر برداشت کی تاب نہیں ہوتی تو علاج سے مایوس ہونا پڑتا ہے چنانچہ بعض مرتبہ اطبا کہتے ہیں کہ تمہارا مرض امیرانہ ہے مثلاً کسی غریب آدمی کو جنون ہو جائے اور کوئی طبیب اس کا علاج شروع کرے اور کسی طرح اس کو فائدہ نہ ہو تو پریشان ہو کر طبیب کو یہ کہتا پڑے گا کہ بھائی تمہارا مرض تو امیرانہ ہے اور تم دو چار پیسے کی دوا میں اس کا علاج چاہتے ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے اس کے لئے تو بہت سخت تدابیر کی ضرورت ہے جن کی وسعت تم میں نہیں ہے لہذا تم اچھے نہیں ہو سکتے۔

تو اذروئے عقل ہر مرضِ صعب کی تدابیر بھی صعب ہوتی ہیں اور بعض اوقات مایوسی کی نوبت آتی ہے۔ لیکن اس طب میں جس کا نام طبِ ایمانی ہے کوئی درجہ بھی ایسا نہیں ہے کہ وہاں پہونچکر مایوس کر دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اب تمہارا مرض لا علاج ہو گیا، بلکہ ہر مرض کے لئے علاج موجود ہے اور نہایت سہل علاج موجود ہے میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو بدلیل بیان کر دوں گا کہ صعب سے صعب مرض میں بھی نہایت سہل نسخہ تجویز کیا ہے اور یہ دلیل ہے خدا تعالیٰ کی رحمتِ عامہ کی کہ اتنا بڑا مرض اور اس کا علاج اس قدر سہل۔ اور اس سے اس آیت کے معنی بھی منکشف ہو جائیں گے کہ یُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے دین میں تم پر کچھ تنگی نہیں کی۔ یہاں سے ایک جملہ معترضہ عرض کرتا ہوں شاید کسی کو یہ شبہہ ہو کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں کچھ تنگی نہیں ہے حالانکہ مشاہدہ اس کے بالکل خلاف یعنی اکثر دینداروں کو عمل بالشرع میں بہت تنگی پیش آتی ہے اور جو لوگ آزاد ہیں وہ نہایت مزے میں ہیں کہ جو جی میں آیا کر لیا ان کو کارروائی میں تنگی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر عمل کرنے میں تنگی ہے۔ اور آزاد رہنے میں آسانی کیونکہ دیندار آدمی کو تو قدم بقدم حرام کی فنکر لگی رہتی ہے بلکہ جس بابت کو ان سے پوچھئے اس کو حرام ہی کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو نہایت پریشانی اور تنگی ہوتی ہے۔

مثلاً اب آموں کی بہار آرہی ہے۔ جو لوگ آزاد ہیں وہ تو نہایت چین میں رہیں گے کہ فصل شروع ہوتے ہی فروخت کر دیں گے۔ اگرچہ ابھی تک نرا پھول ہی ہوا ہے ان کو نہایت اچھے دام اٹھیں گے۔ اور جو لوگ دیندار ہیں وہ اس فنکر میں لگے رہیں گے کہ پھول فروخت کرنا حرام ہے، لہذا اس وقت فروخت کرنا چاہئے کہ جب پھل آجائیں اور پھل بھی بڑھ جائیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی حفاظت کے لئے کم سے کم پانچ روٹے

ماہوار کا ایک ملازم رکھیں گے یا خود حفاظت کریں گے پھر آندھیوں میں جو کچھ آم گریں گے سب ان کے گریں گے ان کی وجہ سے قیمت کم اٹھے گی علیٰ ہذا اگر تجارت کریں تو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی صورت قمار میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے کسی داد دستہ میں سو ملازم آگیا وہ اس لئے حرام ہے۔ غرض شریعت پر عمل کرنے میں ہر طرح تنگی و مصیبت ہے اور جب کوئی چیز بھی تنگی سے خالی نہیں تو یہ تو قرآن ہی میں شبہہ پیدا ہو جاتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) تو یہ شبہہ بعض لوگوں کو پیدا ہونا ممکن ہے میں نے متعدد مقامات پر اس کا جواب عرض کیا ہے اس وقت بھی وہی جواب دیتا ہوں مگر توضیح کے لئے اول ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص مریض ہوا اور وہ کسی طبیب کے پاس گیا اور نسخہ دریافت کیا اور حکیم صاحب نے نسخہ لکھا لیکن اتفاق سے مریض ایسی جگہ رہتا ہے کہ اس جگہ کوئی دوا دستیاب نہیں ہوتی اس کے بعد حکیم صاحب نے پرہیز بتلایا اور اتفاق سے اس گائوں میں صرف وہی چیزیں ملتی ہیں جن کی ممانعت کی گئی ہے اور جن چیزوں کی اجازت ہے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں ملتی۔ پس اگر یہ مریض حکیم صاحب کے نسخہ کو دیکھ کر اور پرہیز کو سن کر یہ کہنے لگے کہ طب میں تہایت ہی تنگی ہے کیونکہ دوائیں وہ بتلائیں جن میں سے ایک بھی میسر نہیں غذائیں وہ بخوریں کس جو کبھی گائوں بھر میں بھی نہیں آتیں اور جتنی چیزیں کھانے کی ہیں وہ سب ممنوع کہ نہ بینگن کھانا نہ آلو کھانا نہ بھینس کا گوشت کھانا اور اس کے ساتھ ہی حکیم صاحب کو بھی اپنے جہل کی وجہ سے برا بھلا کہنے لگے تو عقلاً اس کو کیا جواب دیں گے۔ یہی جواب دیں گے کہ طب میں تو ذرا بھی تنگی نہیں۔ اس شخص کے گائوں ہی میں تنگی ہے کیونکہ طب میں تنگی تو اس وقت سمجھی جاتی ہے جبکہ دو چار چیزوں کی اجازت ہوتی اور باقی سب چیزیں ممنوع ہوتیں اور جبکہ بیس کی اجازت ہے اور ضرچار کی ممانعت تو طب میں تنگی ہرگز نہیں بلکہ اس شخص کے گائوں میں تنگی ہے کہ اس میں صرف وہی چیزیں منع ہو کر آتی ہیں جو کہ سراسر مضر ہیں تو علاج اس کا یہ نہیں ہے کہ حکیم صاحب کا نسخہ

ردی کر دیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ علاج یہ ہے کہ اپنے گانوں کی اصلاح کی جائے وہاں کی تجارت کو وسعت دی جائے لوگوں کو مفید چیزیں فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے جب یہ مثال ذہن نشین ہو گئی تو اب غور و انصاف سے دیکھئے کہ تنگی شریعت میں ہے یا یہ کہ آپ کے معاملات میں شریعت کو تنگ اس وقت کہا جاسکتا تھا کہ جب تجارت اور داد و ستد کی صرف دو چار صورتیں شریعت نے جائز بتلائی ہوں اور ان کے ماسوا ساری صورتیں حرام کر دیں اور جبکہ شریعت نے دو چار صورتوں کو حرام کر کے باقی سب کو جائز قرار دیا ہے تو شریعت کو تنگ نہیں کہا جاسکتا لیکن شریعت اس کا کیا علاج کرے کہ آپ کے معاملہ کرنے والوں نے بد قسمتی سے ان ہی صورتوں کو اختیار کر رکھا ہے جو حرام کر دی گئی ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ آپ متفق ہو کر اصلاح کریں اپنی تجارت کو درست کریں اور ان دو چار مردہ صورتوں کو جو حرام ہیں چھوڑ دیں اور ان سیکڑوں صورتوں کو اختیار کریں جو شریعت نے جائز کہیں ہیں نہ یہ کہ شریعت کو تنگ کہیں اس پر عمل کرنا ترک کر دیں اور شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو جائیں تو آپ لوگوں کا شریعت پر اعتراض کرنا واقع میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

۵ حملہ بر خود میسکنی اے سادہ مرد

بچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

راے سادہ لوح شخص تو خود اپنے اوپر حملہ کر رہا ہے اس شیر کی طرح جو

کنویں کے پانی میں اپنے عکس کو دیکھ کر کنوئیں میں کود پڑا تھا

مشہور ہے کہ ایک حبشی چلا جا رہا تھا راستہ میں ایک آئینہ پڑا بلا کبھی آئینہ

دیکھنے کا اتفاق ہوا نہیں تھا اس کو اٹھا کر دیکھا تو اپنی کالی بھنجک صورت

نظر پڑی کہنے لگا کہ ایسا بد صورت تھا جب تو کسی نے یہاں پھینکا یا تھا یہی

بعینہ حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اپنے محبوب کو شریعت میں ثابت کرتے ہیں !

صاحبو ! اگر کسی معاملہ کی دس صورتوں میں سے نو صورتوں کو حرام اور

ایک کو حلال کہا گیا ہوتا تو بیشک شریعت کو تنگ کہہ سکتے تھے اور جبکہ دس صورتوں میں سے آٹھ حلال اور صرف دو حرام ہیں تو شریعت کو تنگ کیسے کہیں گے، البتہ اپنے کو ملزم کہیں گے ہم نے حلال صورتوں کو ترک کر کے صرف ان دو کو اختیار کر لیا جو حرام تھیں اگر آپ شریعت سے دریافت کر کے تمام معاملات کو کرتے اور پھر بھی کوئی صورت جواز کی نہ نکلتی تو شریعت پر تنگی کا الزام تھا۔ غضب ہے کہ ہم اپنی ہوا و ہوس سے معاملات کو مقرر کریں اور پھر شریعت کو مجبور کریں کہ ان معاملات کو جائز کہے گو یا شریعت ہماری محتاج یا نو کر ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ اس کو جائز کر دیا کرے یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ ایک رئیس کو لغو بولنے کی عادت تھی بہت اور اکثر بے نیکی باتیں ہانکتے تھے لوگ ان پر ہنسا کرتے، آخر انہوں نے ایک شخص کو اس لئے نوکر رکھا کہ ہم جو کچھ کہا کریں اس کی کوئی معقول توجیہ کیا کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ کسی مجلس میں تھا کہنے لگا کہ ہم شرکار میں گئے۔ بہن کو جو گولی ماری تو وہ سُم توڑ کر ماتھا پھوڑ کر بکل گئی، یہ سُن کر تمام لوگ ہنسنے لگے کہ سُم اور ماتھے کو کیا تعلق فوراً اس نوکر نے کہا حضور بجا ارشاد ہے وہ اس وقت کھر سے ماتھے کو کھجلا رہا تھا تو ہمارے ہوا پرست اور دنیا پرست بھائی چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے منہ سے نکل جائے اس نوکر کی طرح شریعت اس کو جائز ہی کر دے تو گو یا شریعت آپ کی لوٹری ہوئی۔ صاجو! آپ خود شریعت کے غلام بن جائیے اور پھر دیکھئے کہ کس قدر آسانیاں شریعت میں ہیں حالت موجودہ میں دینداروں کو جو وقت پیش آتی ہے اس کا سبب زیادہ تر یہ بددین لوگ ہیں اس واسطے کہ دیندار آدمی معاملہ تو دوسروں سے کرے گا اور دوسرے وہی ہیں جو دین سے بالکل آزاد ہیں اور جنہوں نے کہ اپنے سب معاملات بگاڑ رکھے ہیں تو اگر ایک آدمی تقویٰ اختیار بھی کر لے تو اس کو بیشک تنگی پیش آنی چاہیے مگر یہ تنگی قوم کے معاملات میں تنگی ہونے کی وجہ سے ہوئی نہ کہ شریعت میں تنگی ہونے کی وجہ

سے۔ پس آپ لوگ دو طرح اپنی اصلاح کیجئے ایک تو اس طرح کہ شریعت مطہرہ کو کبھی الزام نہ دیجئے۔ دوسرے علماء سے طمع نہ رکھئے کہ وہ ناجائز صورت کو جائز کہیں یا جائز کر دیں۔ صاجو مسائل شریعت ایک قانون ہے اور قانون میں کسی شخص کی رائے سے تغیر نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر مقنن خود ہی بدل دے تو وہ دوسری بات ہے۔ اسی طرح اگر سب لوگ قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو ان کے چھوڑ دینے سے قانون نہیں بدل سکتا بالخصوص خدا تعالیٰ کا قانون کہ ان کی حکومت کا مدار بندوں کی اطاعت پر نہیں اگر کوئی کہے کہ نزول وحی کے وقت ہماری آئندہ حالت پر نظر کر کے قانون دوسرا مقرر ہوتا کیونکہ شریعت میں ہر زمانہ کی مصالح کی رعایت ہونا چاہیے تو جواب اس کا یہ ہے کہ قانون میں مصلحت عامہ پر نظر ہوتی ہے مصالح خاصہ کی رعایت اس میں نہیں ہو سکتی مثلاً گورنمنٹ کا قانون ہے کہ کوئی شخص بغیر لیسنس کے بارود اور چھترے نہیں بیچ سکتا اس قانون کو سن کر اگر کوئی احمق یہ کہنے لگے کہ گورنمنٹ کے قانون میں بڑی تنگی ہے کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بارود اور چھترے خوب فروخت کیا کریں لیکن قانون لیسنس کی تک رگاتا ہے تو عقلاً اس کو یہی جواب دیں گے کہ قانون مصلحت عامہ کی بنا پر مقرر ہوا کرتا ہے نہ کہ مصلحت خاصہ کی بنا پر کیونکہ اگر مصلحت خاصہ کی رعایت کی جائے اور ہر شخص کو بدوق و بارود رکھنے کی اجازت دیدی جائے تو امن عام میں خلل پڑ جائے اور جس شخص کا جو جی چاہے سو کرے بیسیوں خون روزانہ ہوا کریں تو امن عام کا مقتنا یہی تھا کہ ایسا جگر بند کیا جائے کہ عام طور پر اجازت نہ ہو اگرچہ کسی خاص شخص کا نقصان ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر کسی شخص کا چال چلن اچھا ہو اور اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو اور وہ لیسنس بھی حاصل کر لے تو اس کو اجازت ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ قانون مصلحت عامہ کی بنا پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ اب جو لوگ شریعت پر اعتراض کرتے ہیں وہ غور کر کے دیکھیں کہ شریعت کے کسی قانون میں بھی مصلحت عامہ فوت ہوئی ہے ہاں

مصالح خاصہ بعض جگہ فوت ہو جاتی ہیں جہاں ان کی رعایت کرنے سے مصالک عامہ میں خلل ہونے والا ہوتا ہے اور انہی پر نظر کر کے لوگ اعتراض کرتے ہیں مثلاً اب آموں کی فصل آ رہی ہے اس میں باغ والوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ شریعت نے بہت تنگی کی ہے اور وجہ اس وہم کی یہی ہے کہ شریعت کے قانون پر عمل کرنے میں اپنی ذاتی منفعت فوت ہوتی ہے حالانکہ شریعت مصلحت عامہ کی بنا پر یہ قانون مقرر کیا تھا اور وہ مصلحت عامہ یہ ہے کہ بیع المدوم میں آئندہ احتمال ہے مشتری کے خسارہ کا کہ اگر پھیل نہ آیا تو اس کا روپیہ مفقوت ہی ضائع کیا گیا گویا کسی ایک کا نفع اس میں زیادہ ہو جائے۔ اور پھیل آنے کے بعد فروخت کرنے میں عام لوگ اس مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں اگرچہ کسی ایک کے تھوڑے سے داموں کا نقصان ہو۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ تنگی کا وہم کر کے بعض تو اس حکم کے حکم شرعی ہونے ہی سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کی اختراع ہے حالانکہ یہ محض الزام اور افتراء ہے اور اس کا سبب قلت علم اور کثرت جہل ہے جس شخص نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث یا اس کے ترجمے کو پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب احکام جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام ہیں اور بعض لوگ حکم شرعی ہونے سے تو انکار نہیں کرتے لیکن یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار لوگ ہیں ہم سے شریعت پر کیسے عمل ہو سکتا ہے میں ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا نہیں چاہتے تو خدا تعالیٰ کا دیا ہوا رزق بھی چھوڑ دو۔ یہ کیا کہ شریعت پر عمل تو کریں مولوی اور خدا تعالیٰ کا دیا ہوا کھاؤ پیو تم لوگ بھی۔ غرض شریعت میں تنگی محسوس ہونے کا راز یہ ہے کہ لوگ اپنی مصالح خاصہ پر نظر کرتے ہیں اور جب ان کو فوت ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو شریعت کو تنگ سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت یا کوئی قانون خاصہ کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ مصالح خاصہ باہم متناقض ہوتے ہیں جن کا جمع ہو سکتا

بھی محال ہے بلکہ قانون مصالیح عامہ کی حفاظت کرتا ہے سو بجز اللہ و قانون شریعت مصلحت عامہ کے خلاف نہیں ہے۔

مثلاً اسی آموں کی صورت میں آپ کہتے ہیں کہ پھل آنے کے قبل فروخت کی اجازت نہ دینا مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ ایسا اوقات آندھی وغیرہ سے سارا پھول یا چھوٹے آم گر جاتے ہیں اور اس میں نقصان ہو جاتا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ نقصان خاص ہے یا عام۔ ظاہر ہے کہ یہ نقصان خاص ہے کیونکہ اگر کسی جگہ دس ہزار کی مردم شماری ہو تو یہ مشکل سو آدمی ایسے نکلیں گے جو کہ باغ رکھتے ہوں گے باقی نو ہزار نو سو وہ ہوں گے جو باغ نہیں رکھتے۔ پس یہ قانون مقرر کر کے شریعت نے ان سو کی خاص خاص مصالیح کے مقابلہ میں نو ہزار نو سو کی مصالیح کو ترجیح دی اور ان کی حفاظت کی کیونکہ بیع معدوم میں ان بقیہ کا نقصان محتمل ہے اور اگر کوئی کہے کہ ان بقیہ کی اگرچہ وہ عدد میں زیادہ ہوں رعایت ضروری نہ تھی کیونکہ یہ جب اپنے اختیار سے خریدتے ہیں تو نقصان خود گوارا کرتے ہیں پھر ان کی رعایت کیا ضرور تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس کو اپنے پیٹ اور اپنی ہوس کا جہنم بھرنے کے سوائے اور کوئی امر ہی پیش نظر نہ ہو اور دنیا میں کسی سے بھی اس کو محبت نہ ہو دیکھو اگر کوئی بچہ آگ میں گرنے لگے اور مشفق باپ دوڑ کر اس کو پکڑ لے اور باپ کی یہ حرکت دیکھ کر کوئی شخص کہے کہ آپ نے ناحق تکلیف اٹھائی آپ کو دوڑنے کی کیا ضرورت تھی وہ اپنے اختیار سے گرتا تھا سو گرنے دیا ہوتا تو عقلاء اس شخص کی بابت کیا فتویٰ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کو نہایت درجہ سنگدل اور بے رحم کہا جائے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خداوند عالم جو شفیق باپ سے بھی بدرجہا زیادہ شفیق ہیں کیونکہ یہ گوارا کرتے کہ ہم کو ضرر برداشت کرنے کی اجازت دیتے غرض یہ شبہ علی وجہ الاحسن زائل ہو گیا اور یہ بات ثابت رہی کہ دین میں نہایت سہولت اور آسانی ہے البتہ عقل کی

تجاویز بعض سخت ہیں مثلاً ایک یہی بات ہے جس کا اوپر ذکر تھا کہ مرضِ صعب کے لئے عقلِ علاج بھی صعب تجویز کرتی ہے اور شریعتِ مرضِ صعب کے لئے علاجِ سہل تجویز کرتی ہے پس کتنا بڑا فرق ہے اسلام کی تعلیم اور عقل کے فتوے میں کہ عقل تو مرضِ صعب کے لئے تدابیر بھی صعب تجویز کرتی ہے اور اسلام سخت سے سخت مرض کے لئے بھی نہایت سہل نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اب دیکھتا یہ ہے کہ مسلمانوں میں کیا مرض ہے جس کے لئے اس آیت میں علاجِ تجویز کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی تخصیص اس وجہ سے نہیں کہ دوسروں میں امراض نہیں ہیں دوسروں میں وہ امراض ہیں کہ بحمد اللہ مسلمان ان سے بالکل بچے ہوئے ہیں بلکہ تخصیص اس واسطے کی گئی ہے کہ دوسروں سے ہمیں کیا غرض اور مرض دریافت کرنے کے بعد ان کا سبب دریافت کیجئے تو مرض کی نسبت تو یہ کہا جاتا ہے کہ

ظن ہمہ داغ داغ شد پنیہ کجا کجا نہم

ہماری قوم کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی عضو بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ ہماری دو حالتیں ہیں ایک دنیا دوسرے دین اور پھر ہر ایک کے اجزاء ہیں اور اس کا مقتضایہ تھا کہ دین کے ساتھ دنیا کی بھی ایک بڑی فہرست بتلائی جاتی باخصوص اس وقت کہ رفاہیوں کی رائے یہ ہے کہ اگر دنیا کی اصلاح نہ کی جائے گی تو دین کی کیا اصلاح ہو سکتی ہے۔ افسوس ان مصلحین نے جتنی اصلاح کی کوشش کی اسی قدر مرض بڑھتا گیا۔ وہ حالت ہو گئی کہ

ہرچہ کردند از علاج و از دوا

رنج افزوں گشت حاجت ناروا

انہوں نے جو کچھ علاج اور دوا کی ہے تکلیف زیادہ بڑھتی رہی اور

ضرورت پوری نہ ہوئی

یہ ایک کنیز کا قصہ ہے مولانا نے ثنوی میں اس کو نقل کیا ہے یعنی طبیبان ظاہری جوں جوں علاج کرتے گئے مرض میں افزونی ہوتی گئی آخر جب طبیب روحانی آئے

اور انہوں نے حالت دیکھی تو یہ کہا ہے

گفت ہر دار و کد ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بیخبر بودند از حال دروں اسعینذا لشر مما یقرؤن

یعنی جس قدر دوائیں کی ہیں سب نے بتاہ کیا ہے اور حقیقت حال سے

ان کو کچھ خبر بھی نہیں ملی اور یہ ہوا کہ ہے

دید از ریشش کو زار دست نین خوش است اما گرفتار دست

عاشقی پیدا است از زاری دل نیست بیماری چو بیماری دل

کہ مرض دل کا تھا اور علاج بدن کا ہو رہا تھا جس میں مرض کا بڑھنا لازمی تھا

یہی حالت اس وقت کے لیڈروں کی ہے کہ انہوں نے سب سے بڑا مرض

روپیہ کے نہ ہونے کو سمجھا کہ روپیہ ہوتا تو یہ ہو جاتا اور وہ ہو جاتا۔

صاحبو! جہاں روپیہ بہت سا ہے وہاں کیا نور برس رہا ہے۔ ذرا امرار کی

حالت کو ملاحظہ کر لیجئے اگر روپیہ کا نہ ہونا دین کے ضعف کا سبب ہے تو امرار میں

دین زیادہ ہونا چاہیے تھا اس لئے کہ ان کے پاس روپیہ زیادہ ہے۔ آج کل تو

مشاہدہ کی بڑی پرستش ہوتی ہے سو آپ مشاہدہ کر لیجئے کہ روپیہ والوں میں دین

زیادہ ہے یا غریبوں میں اور صورت اس کی یہ ہے کہ کیفیت ما التفوق چند غریبوں اور

چند ایروں کو لے لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ زیادہ ریندار کون ہے۔ خود خدا تعالیٰ

اس کے متعلق فیصلہ فرما رہے ہیں کہ کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكَنَّاٰ ۚ ۙ اَنْ رَّآهُ اسْتَغْنٰۙ

دہر گز نہیں بیشک انسان اپنے آپ کو غنی اور دولت مند دیکھتا ہے تو وہ سرکشی کرنے لگتا ہے

بس ہم کو تو یہ کہنے کا حق ہے کہ دنیا کی ترقی کو مانع ہے جیسا کہ مشاہدہ و مضمون آیت

دونوں اس کی شہادت دے رہے ہیں لیکن ہم اپنے بھائیوں کی خاطر سے یہ کہتے ہیں

کہ روپیہ فی نفسہ نہ مضر ہے اور نہ مفید ہے اگر ہمارے بھائیوں کے پاس اس

قسم کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ ہرگز بھی رعایت نہ کرتے تو ہم اپنے اس دعوے سے

کہ روپیہ مانع ترقی دین ہے دست بردار ہوتے ہیں لیکن کوئی یہ بھی ثابت نہیں

کر سکتا کہ روپیہ نافع ہے دین میں۔ پس معلوم ہوا کہ نافع فی الدین واقع میں کوئی دوسری چیز ہے اور وہ قلبِ سلیم ہے یعنی اگر قلبِ سلیم ہے تو روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں مضر نہیں اور اگر قلبِ سلیم نہیں ہے تو روپیہ کا نہ ہونا تو کم مضر ہوتا ہے اور روپیہ کا ہونا زیادہ مضر ہو جاتا ہے روپیہ اور قلبِ سلیم کی مثال بالکل تلوار اور ہاتھ کی سی ہے کہ تلوار کاٹتی ہے لیکن اسی وقت ہاتھ بھی ہو اور اس میں قوت بھی ہو اور اگر ہاتھ نہیں یا ہاتھ تو ہے لیکن اس میں قوت نہیں تو بڑی تلوار کیا کام دے سکتی ہے بلکہ بعض اوقات خود اپنے ہی زخم لگ جاتا ہے اسی طرح اگر قلبِ سلیم نہ ہو تو نرا روپیہ کیا کام دے سکتا ہے اصل چیز قلبِ سلیم ہے اگر ایسے شخص کے پاس مال ہے تو وہ بیشک حدیثِ نَعْمَ الْمَالُ الصَّالِحِ عِنْدَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ را چھا مال اسی وقت اچھا ہے جبکہ اچھے آدمی کے پاس ہو، کا مصداق ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۷
 مال اگر بہرہ وین ہاشی حصول نعم مال صالح گفت آن رسول ^{صلی اللہ علیہ وسلم}
 اگر دین کی ترقی کے لئے ہی مال کام میں آتا ہو تو ایسے مال کے متعلق حضور
 اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسا پاکیزہ مال اچھا ہوتا ہے

اور فرماتے ہیں ۸

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است
 یعنی اگر کشتی کے اندر پانی بھر جائے تو اس کے ہلاک کا سبب ہوتا ہے اور اگر کشتی
 کے نیچے رہے تو اس کے لئے معین ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مال قلب کے اندر گھس
 گیا تو وہ قلب کے لئے مہلک ہے اور اگر قلب سے باہر رہے تو وہ معین ہوتا
 ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب صاحبِ قلبِ سلیم کے پاس روپیہ ہو۔ غرض
 روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہی ہوئے۔ لہذا یہ دعوائے غلط ہے کہ ترقی
 دین دنیا کی ترقی پر موقوف ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ۹

زرد نقرہ پٹیت تا مفتوں شوی چیت صورت تا چینس مجنوں شوی

کہ یہ صورت ہی کیا چیز ہے جس پر اس قدر مفتوں ہوتے ہو۔

صاحبو! اپنے بزرگوں، ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان کے پاس اس قدر روپیہ کہاں تھا اور پھر دینداری میں ان کی کیا حالت تھی۔ غرض ایک ضرورت کی چیز تو دنیا تھی تو اس کے تو جاننے والے مجھ سے زیادہ ہیں۔ دوسرے دنیا کے متعلق کچھ بتلانا ان کے وہمیات میں ان کی مدد کرنا ہے۔ تیسرے ہم لوگ طالب علم ہیں ہمارا یہ کام بھی نہیں ہے اس کو آپ خود ہی کریں۔ البتہ مولویوں سے پوچھ کر اور حلال و حرام کو دریافت کر کے کریں آج کل بہت سی صورتیں آپ نے ایسی اختراع کر لی ہیں کہ وہ بالکل ناجائز ہیں۔ مثلاً شادی فنڈ، موت فنڈ کہ یہ سب تمہارے داخل ہے افسوس ہے کہ لوگ ترقی کی صورت تجویز کر کے ان پر خود ہی عمل کر لیتے ہیں یہ احتمال ہی نہیں ہوتا کہ ممکن ہے یہ جائز نہ ہو۔ صاحبو! جو چاہو وہ کرو لیکن خدا کے لئے مولویوں سے حلت و حرمت کو دریافت کر لیا کرو۔ اور یہ کوئی عار کی بات نہیں۔ دیکھو تم بہت سی ضرورتوں میں مختلف جماعتوں سے پوچھتے اور مدد لیتے ہو۔ مثلاً اگر تجارت کرنا چاہو تو قانون داں لوگوں سے پوچھتے ہو اس کی اجازت کے پہلو دریافت کرتے ہو علیٰ ہذا۔ تو اگر شریعت کے احکام پوچھنا بکھیرا اور دوسرے تو گورنمنٹ کے قانون پوچھنا کیوں دوسرے نہیں۔ جو آزادی قانون شریعت پر عمل کرنے میں فوت ہوتی ہے وہ تو گورنمنٹ کے قانون پر عمل کرنے میں بھی فوت ہوتی ہے۔ تو سب سے بڑی آزادی تو اس میں ہے کہ کسی قانون پر بھی عمل نہ کیا جائے اور ڈیکٹی ڈالٹی شروع کر دی جائے پھر کیا کوئی عاقل اس کو آزادی کہے گا اور اگر چند احمق مل کر ڈیکٹی ڈالٹی تجویز کریں اور کوئی عقلمند آدمی ان سے کہے کہ یہ قانون میں ناجائز ہے تو کیا ان کو محض اس بنا پر کہ یہ قانون آزادی کے خلاف ہے اس قانون پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوگا معلوم ہوا کہ جس گورنمنٹ کے ملک میں رہو اس کے قوانین پر عمل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ پس بموجب

اس قاعدہ کے یا تو خدا تعالیٰ کے ملک سے نکل جاؤ۔ اور کوئی دوسرا ملک تلاش کر لو اور اگر خدا کے ملک میں رہو تو حیرت کی بات ہے کہ ساری گورنمنٹوں کے قانون پر تو عمل کرو مگر خدا کے قانون پر عمل نہ کرو۔ غرض دنیا کے کام آپ لوگ خود ہی کریں اور علماء سے پوچھ کر کریں۔ باقی علماء سے اس کی امید نہ رکھیں کہ وہ دنیا کے کاموں میں آپ کی اعانت کریں اور ان کی تدابیر آپ کو بتلائیں۔ دنیا کا کام آپ کا کام ہے علماء کا نہیں۔ علماء سے اس کی امید رکھنا ایسا ہے جیسے کوئی چمار حکیم عبدالمجید سے جو تے گھٹوانے کے کام میں مدد چاہنے لگے مثلاً اگر حکیم عبدالمجید کے پاس کوئی دق کا مریض جائے اور وہ نسخہ لکھ دیں۔ نسخہ لے کر مطلب سے باہر آئے تو ایک چمار ملے اور مریض سے پوچھے کہ تم کہاں گئے تھے اور وہ بتلائے اس پر وہ چمار کہنے لگے کہ حکیم عبدالمجید بھی عجب بے خبر آدمی ہیں کہ ان سے اتنا نہ ہوا کہ اس نسخے میں جو تے گھٹوانے کو بھی لکھ دیتے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کی حالت سے بالکل بے خبر ہیں تو ساری دنیا اس چمار کو احمق بتائے گی اور کہے گی کہ حکیم عبدالمجید کا یہ کام نہیں کہ وہ جو تے گاٹھنے کی ترکیب بتلائیں یا اس کام کے چلنے میں مدد دیا کریں۔ حکیم عبدالمجید کا کام امراض کے لئے ادویہ تجویز کرنے کا ہے۔ تو علماء کو بھی حکیم عبدالمجید ہی سمجھنا چاہئے کہ ان کا کام امراض باطن کے لئے نسخے تجویز کرنے کا ہے۔ نہ کہ دنیا کے کاموں میں تجاویز بتلانے کا۔ اگر حکیم صاحب پر جو تے ستوارہ نے کو نہ بتلانے کا الزام صحیح ہے تو علماء پر بھی سہی۔ البتہ حکیم صاحب کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اگر جو تے سیسنے سے پہننے والے کے پیر میں زخم نہ پڑے اور پیر کے سرٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو جو تے پہننے سے منع نہ کریں ورنہ منع کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے پہننے پہننے اس طرح جو تے سلوایا کہ سوا پیر کی کھال کے اندر سے ہو کر نکلا تو حکیم صاحب کو اطلاع ہوئے پر منع کرنا ضروری ہے اسی طرح علماء کے ذمہ بھی یہ ہے کہ اگر دنیا کے کام کرنے سے لوگوں کے قلب میں بددینی کا زخم نہ پڑے تو ان کاموں سے نہ روکیں اور اگر قلب زخمی ہونے لگے

تو پھر ان کو روکتا ضرور ہے۔ اور اگر زخم کے ڈر سے روکنے میں حکیم صاحب بڑے شفیق ہیں تو زخمِ قلب سے بچانے کے لئے روکنے میں علماء بھی بڑے شفیق ہیں۔ اور اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو میں دس برس کی مہلت دیتا ہوں۔ الحاصل جب کسی حکیم پر یہ ضروری نہیں کہ وہ جوتی سینے کی ترکیب بتلا یا کرے یا اس میں مدد کرے علماء کو بھی جو کہ طبیبِ روحانی ہیں کامل حق ہے کہ وہ اس باب میں یہ کہیں کہ نہ شبم نہ شبم کہ حدیثِ خواب گویم چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم دن میں رات ہوں نہ رات کا پوچھنے والا کی سونے کے بارے میں باتیں کروں میں جب آفتاب کا غلام ہوں تو ساری باتیں آفتاب ہی کی کروں گا

دنیا کی مثال بالکل خواب کی ہے اس کو وہ بتلائے جو شب پرست ہو، ہم آفتاب دین کے غلام ہیں ہم سے اس کی بات پوچھئے ہم اس کے سوا کچھ نہ بتلائیں گے۔ اور نہایت فخر سے یہ کہیں گے

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
 (ہم نے جو کچھ پڑھا تھا وہ سب بھلا دیا سوائے محبوب کی بات کے اور کسی بات کو یاد نہیں رکھا)

ہاں یہ علماء کا احسان ہوگا کہ وہ منع نہ کریں یہ تو آپ کے شبہات اور اعتراضات کے جواب کی بات پر گفتگو تھی اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء دنیا بھی سکھلاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہو جاتی ہے تو جب ہم دین سکھلاتے ہیں معاملات معاشرت اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا ہم دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں۔ البتہ ہماری تدابیر اور دوسروں کی تدابیر میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ دوسروں کی تدابیر میں پریشانی زیادہ ہوتی ہے ان کی

یہ حالت ہوتی ہے کہ

ع - جو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

(جب مرتے ہیں جب مصروف ہوتے ہیں جب اٹھتے ہیں جب مصروف ہوتے ہیں)

واللہ العظیم جو لوگ بظاہر نہایت آسائش میں معلوم ہوتے ہیں ان کی اندرونی حالت اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ساری پریشانیوں کا نشانہ یہی ہیں۔ ان لوگوں کی حالت پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ میرے استاد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے یہ دعا کی مجھے حضرت خواجہ خضر مل جائیں، چنانچہ خواجہ خضر اس کو مل گئے اس نے کہا کہ حضرت یہ دعا کر دیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس قدر دنیا دے دیں کہ میں بالکل بے فکر ہو جاؤں۔ خواجہ خضر نے کہا کہ بیفکری اور راحت دنیا دار میں نہیں ہو سکتی، اس نے پھر اصرار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا تو کسی ایسے شخص کو انتخاب کر لے جو تیرے نزدیک بالکل بے فکر اور نہایت آرام میں ہو، میں یہ دعا کروں گا کہ تو بھی اسی جیسا ہو جائے اور تین دن کی اس کو مہلت دی آخر اس نے لوگوں کی حالت کو دیکھنا شروع کیا۔ جس کو دیکھا کسی نہ کسی تکلیف یا شکایت و پریشانی میں مبتلا پایا۔ بہت سی تلاش کے بعد اس کو ایک جوہری نظر پڑا جس کے پاس حشم و خدم بھی بہت کچھ تھے۔ صاحب اولاد بھی تھا اور اس کو بظاہر کوئی فکرت معلوم ہوتی تھی۔ اس کو خیال ہوا کہ اس جیسا ہونے کی دعا کروں گا، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ بھی کسی بلا میں مبتلا ہو اور میں بھی دعا کی وجہ سے اسی میں مبتلا ہو جاؤں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اول اس سے اس کی اندرونی حالت دریافت کر لوں چنانچہ اس جوہری کے پاس گیا اور اپنا پورا ماجرا اس کو کہہ سنایا۔ جوہری نے ایک آہ سر دیکھنی اور کہا کہ خدا کے لئے مجھ جیسا ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا میں تو ایک مصیبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نہ کرے کوئی اس میں گرفتار ہو واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میری بیوی بیمار ہوئی اور بالکل مرنے کے قریب ہو گئی۔ میں اس کو مرتے دیکھ کر رونے لگا اس نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو میں مر جاؤں گی تم دوسری

کر لو گے۔ میں نے کہا کہ نہیں میں اب ہرگز نکاح نہ کروں گا۔ کہنے لگی کہ سب کہا ہی کرتے ہیں ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔ میں چونکہ اس کی محبت میں مغلوب تھا اور اس وقت اس کے مرنے کا نہایت سخت رنج دل پر تھا میں نے اس کے کہنے پر استرا لے کر اپنا اندام نہانی فوراً کاٹ ڈالا اور اس سے کہا کہ اب تو تجھ کو بالکل اطمینان ہو گیا۔ اتفاق سے وہ اپنے مرض سے جانبر ہو گئی۔ اب چونکہ میں بالکل بیکار ہو چکا تھا اس لئے اس نے میرے نوکروں سے ساندہ باز کر لیا، یہ جس قدر اولاد تم دیکھتے ہو سب میرے نوکروں کی عنایت ہے، میں اپنی آنکھوں سے اس حرکت کو دیکھتا ہوں لیکن اپنی بدنامی کے خیال سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس واسطے تم مجھ جیسے ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا۔ آخر اس شخص کو یقین ہو گیا کہ دنیا میں کوئی آرام سے نہیں جب تیسرے دن حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کہو کیا رائے ہے اُس نے کہا حضرت یہ دعا کر دیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی محبت کاملہ اور دین کامل عطا فرمائے چنانچہ آپ نے دعا فرمادی اور وہ نہایت کامل دیندار ہو گیا۔ تو حقیقت میں دنیا داروں میں کوئی بھی آرام سے نہیں ہے، اندرونی حالت سب کی پریشان ہے اس واسطے کہ دنیا کی حالت یہ ہے کہ لایتنہی ادب اکلاً الی ادب ایک ارزو ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تفویض و رہنا بالقضا ہے نہیں۔ ہر کام میں یوں چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی گو ظاہر میں اموال و اولاد سب کچھ ہے مگر اس حالت میں وہ خود آلہ تعذیب ہیں اسی کو فرماتے ہیں فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ (ان کے مال و اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے) کہ بظاہر اگرچہ ان کے پاس مال و دولت بہت کچھ ہے لیکن وہ ان کے لئے عذاب ہے۔ میں نے کانپور میں ایک رئیس کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنی اولاد سے اس قدر محبت تھی کہ اولاد کی بدولت کبھی چار پائی پر سونا نصیب نہیں ہوا کیونکہ بچے کئی تھے ایک چار پائی پر کیسے سمائیں اور سب اپنے پاس لیکر سوتی تھیں کسی پر ایک ہا تھ رکھ لیا کسی پر دوسرا ہا تھ رکھ لیا

کسی پر پیر رکھ لیا پھر غضب یہ کہ رات کو اٹھ کر ٹوٹتی تھیں کہ سب ہیں مجھی یا نہیں۔ تمام رات ان کو اس مصیبت میں گذرتی تھی۔ اتفاق سے ان کا ایک بچہ مر گیا تو وہ اس قدر پریشان ہوئیں کہ اس کے کفن و دفن میں بھی شریک نہیں ہوئیں اور کانپور چھوڑ کر لکھنؤ یا اور کہیں چل دیں علیٰ ہذا مال بھی اکثر لوگوں کو عذابِ جان ہوتا ہے اور رازہ اس کا بھی یہی ہے کہ واقعات تو اختیار میں ہوتے نہیں اور ہو س کر زیادہ ہوتی ہے اس واسطے ہمیشہ مصیبت میں گذرتی ہے۔ برخلاف اس شخص کے کہ اس کے پاس دین ہو کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ

۶۔ ہرچہ آن خسرو کند شیریں بود

(وہ بادشاہ جو کچھ بھی کرتا ہے میٹھا ہی ہوتا ہے)

حضرت عنوث اعظم کا واقعہ ہے کہ ان کو کسی نے ایک آئینہ چینی نہایت بیش قیمت لاکر دیا آپ نے خادم کے سپرد کر دیا کہ جیب ہم مانگا کر میں تو ہم کو دیدیا کرو۔ ایک روز اتفاق سے خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا خادم ڈرا اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ

۷۔ از قضا آئینہ چینی شکست

(قضا سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا)

آپ نے بے ساختہ نہایت خوش ہو کر فرمایا کہ :-

۸۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست

(اچھا ہوا خود بینی کے اسباب ختم ہوئے)

اور مال تو کیا چیز ہے اولاد کے مرجانے پر بھی یہ حضرات پریشان نہیں ہوتے یہ دوری بات ہے کہ طبعی رنج ہو سو یہ کوئی مذموم نہیں انبیاء السلام کو بھی ہوا ہے۔ عرض دین کے ساتھ اگر دنیا ہوگی تو وہ دنیا بھی مزیدار ہوگی بلکہ اگر نہ دین ہو اور دنیا نہ ہو تب بھی ان کی زندگی نہایت مزیدار ہے اس لئے کہ وعدہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ اُنْتَبِئْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (جس کسی نے اچھا عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا

عورت بشرِ طیبکہ وہ صاحبِ ایمان ہو پس ضرور ہم اس کو عطا کر دیں گے پاکیزہ زندگی، ان حضرات کو بیچ ندر میں بھی لطف آتا ہے۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ گھر پر موجود نہ تھے کہ آپ کے مرشد تشریف لائے اتفاق سے اس روز گھر میں فاقہ تھا۔ اہل خانہ نے دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں آپ کے لئے کوئی انتظام ہونا چاہیے۔ آخر خادمہ کو محلے میں بھیجا کہ اگر قرض مل جائے تو کچھ لے آئے خادمہ دو تین جگہ جا کر واپس چلی آئی اور کچھ نہ ملا متعدد مرتبہ کے آمد و رفت سے حضرت کو شبہ ہوا اور آپ نے حالت دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ آج فاقہ ہے آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ اس کا اناج لاؤ چنانچہ اناج آیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اس اناج کو مع تعویذ کے کسی برتن میں رکھ دو اور اسی میں سے نکال کر خرچ کرتے رہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس اناج میں خوب برکت ہوئی چند روز کے بعد جو شاہ ابوالمعالی صاحب آئے تو کئی وقت تک کھانے کو برابر ملا آپ نے ایک روز تعجب سے پوچھا کہ کئی روز سے فاقہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس طرح سے حضرت ایک تعویذ دے گئے تھے۔ اب اس موقع پر ملاحظہ فرمائیے حضرت شاہ ابوالمعالی کے ادب کا اور آپ کی خداداد سمجھ کا کہ ادب تو کل کو بھی ہا تمہ سے نہ جانے دیا اور ادب پیر کو بھی ملحوظ رکھا فرمانے لگے کہ اس اناج کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ لایا گیا آپ نے اس میں سے تعویذ کو نکال کر تو اپنے سر پر باندھا اور فرمایا کہ حضرت کا تعویذ تو میرے سر پر رہنا چاہیے اور اناج کی بابت حکم دیا کہ سب فقرا کو تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ سب تقسیم کر دیا گیا اور اسی وقت سے پھر فاقہ شروع ہو گیا۔ ان حضرات کا فاقہ اختیاری فاقہ تھا کیونکہ اس کو سنت سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ پر تین تین دن فاقہ کے گذر جاتے تھے اور جب بیوی بہت پریشان ہو کر عرض کرتی کہ حضرت اب تو تاب نہیں رہی۔

فرماتے کہ تمھوڑا صبر اور کرو جنت میں ہمارے لئے عمدہ عمدہ کھلے تیار ہو رہے ہیں لیکن بیوی بھی ایسی نیک ملی تھیں کہ وہ نہایت خوشی سے اس پر صبر کرتیں۔ صابو! ان حالات پر آپ کو تعجب نہ کرنا چاہیے۔ اور اگر تعجب ہے تو یہ ایسا ہی تعجب ہے جیسے

کوئی عینین تعجب کرنے لگے کہ صحبت میں بھی لطف ہوتا ہے کیونکہ اگر ذرا سا بھی ادراک ہوتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا کیا عالم ہوتا ہے محبت میں تو مطلقاً یہ عالم ہوتا ہے کہ

جو در چشم شاید بنیاد زرت
 ز رو خاک یکساں نماید برست
 را اگر تیرے روپے کی محبوب کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے تو تیرے نزدیک
 بھی روپیہ اور مٹی برابر ہو جائیں گے۔

دیکھو اگر محبوب کو ایک ہزار روپیہ دو اور وہ لات مارے تو تمہارے دل میں بھی اس
 روپیہ کی قدر نہیں رہتی اور محبت مجازی میں جب یہ حالت ہے تو حقیقی کا کیا
 پوچھنا، اسی کو فرماتے ہیں

ترا عشق ہمچو خودے زاب در گل
 ز باید ہم صبر و آرام دل
 عجب داری از سالکان طریق
 کہ باشند در بحر معنی غریق
 رتیرا عشق یونہی پانی مٹی سے ہے اس لئے تمام صبر اور دل کا آرام جاتا رہتا
 ہے تجھ کو تعجب ہوگا کہ درویشی کے راستہ پر صحیح طور پر چلنے والے ہر وقت
 معنی کے دریا میں غرق رہتے ہیں

دیکھئے اگر کوئی محبوب اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیدے اور اس درمیان میں کھانے
 کا وقت آجائے اور محبوب کہے کہ اگر بھوک لگی ہے تو جا کر کھانا کھا لو۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے
 کہ عاشق اس وقت اٹھنے اور کھانا کھانے کو گوارا کر لے گا۔ ہرگز نہیں تو جب محبت
 کی یہ حالت ہوتی ہے تو شیخ کے فاقہ پر کیا تعجب ہے، وہ حضرت حق محبوب حقیقی سے
 معیت رکھتے ہیں۔ مولانا رحمہ اللہ کہتے ہیں

گفت معشوقے بعاشق کای فتا
 تو بہ غربت دیدہ بس شہر ہا
 پس کد امی شہرازا ہا خوشترست
 گفت آن شہرے کہ دروے دلبرست
 را یک معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ اے جوان تو نے سفر میں بہت سے شہر دیئے
 تو کونسا شہران میں سے تیرے نزدیک اچھا ہے اس نے جواب دیا کہ بس وہی شہر جس میں میرا

محبوب موجود ہے)

آگے مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ہر کجا دلبر بود خرم نشین فوقِ گردون ست نے قعرز میں

ہر کجا یوسف ارفے باشد چو ماہ جنتِ ست آں گر چہ باشد قعر چاہ

(جس جگہ محبوب خوشی سے رہتا ہو وہ تو آسمانوں سے بھی اونچا ہے زمین کے

گڑھے میں نہیں ہے جس کسی کی جگہ چاند کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام جیسے

چہرہ والا موجود ہو وہی جنت ہے اگر چہ وہ کنوئیں کی گہرائی ہی میں کیوں نہ ہو)

تو اگر محبوب کنوئیں کے اندر ہو تو وہ بھی جنت ہے۔ توجب محبوب مجازی کی معیت کی یہ حالت

ہوتی ہے تو محبوب حقیقی کی معیت اگر میسر ہو جائے تو کیا حالت ہوگی، غرض دنیا دار

آپ کو بے مزہ دنیا سکھلاتے ہیں اور ہم مزے دار دنیا سکھلاتے ہیں اور وہ وہی

دنیا ہے جو کہ دین کے ساتھ ہو کہ وہ نہایت لطیف اور مزیدار ہوتی ہے اور اگر

سمجھ میں نہیں آتا تو ضابطہ کا جواب وہی ہے کہ دنیا کا بتلانا ہی میرے ذمہ نہیں

ہے۔ یہ تو دنیا کے متعلق تھا۔ اب رہ گیا دین، سو اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے

پانچ جز ہیں۔ عقائد۔ دیانات۔ معاملات۔ معاشرت۔ اخلاق۔ ان میں

سے ہر جز کے اعتبار سے ہماری حالت تاگفتہ یہ ہے۔ عقائد میں توحید و رسالت

کے متعلق جو گڑبڑ کر رکھی ہے سبھی جانتے ہیں، کہیں تہنیتی فلسفہ کی وجہ سے اس پر اعتراض

کئے جاتے ہیں کہیں باطل تصوف کی وجہ سے شکوک گذرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو انبیاء

کے درجے سے متجاوز کر دیا ہے، انبیاء کو خدا کے درجے سے متجاوز بنا دیا ہے اور وہ

حالت ہے کہ جس شخص کو شریعت سے جتنا بعد ہے اُس کو خدا تعالیٰ سے اسی قدر

زیادہ مقرب کہا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فاسق اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگے

ہیں۔ دوسرا جز دیانات ہیں ان کے متعلق معلوم ہے کہ روزہ کتنے لوگ رکھتے

ہیں، زکوٰۃ کتنے ادا کرتے ہیں، حج کتنوں نے ادا کیا ہے۔ تیسرا جز معاملات کا

ہے ان کو لوگوں نے شریعت سے بالکل خارج ہی سمجھ رکھا ہے ان کے یہاں نہ

بیع المعدوم حرام ہے نہ معاملات سود حرام ہیں ان کا مطلق نظریہ ہے کہ جس طرح ہو سکے بہت سارے پیر سمیٹ لیا جائے کھانے میں گھی خوب زیادہ ہو، کسی کی زمین دبی ہے تو کچھ پرواہ نہیں۔ ڈگریاں سود سمیت کرائی جاتی ہیں تو کچھ غم نہیں۔ چوتھا جہز معاشرت ہے اس کی جو گت ہے سبھی واقف ہیں شادی غمی میں جس طرح جی چاہتا ہے کرتے ہیں نہ ان کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ فتویٰ لینے کی حاجت جو کچھ بیوی صاحبہ لے کہدیا وہ کر لیا گویا وہی شریعت کی مفتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جن کی سردار عورت ہوگی۔ علیٰ ہذا وضع کو دیکھئے تو اس کی یہ حالت ہے کہ صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر، داڑھی بالکل صاف سر پر وحشیوں کے سے بال بڑھے ہوئے۔ صاحبو! آج قوم قوم پکارا جاتا ہے لفظ قوم کی بڑی پرستش کی جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ آپ کو امتیاز قومی کی بھی پرواہ نہیں اگر آپ پر داڑھی کار کھنا فرض بھی نہ ہو تب بھی قومی شعار ہی سمجھ کر اس کو رکھنا چاہیے تھا آخر قومی شعار بھی تو کوئی چیز ہے۔ کتنا افسوس ہے کہ مسلمان ہندوؤں کا شعار اختیار کریں اور ہندو مسلمانوں کا۔ میرے بھائی کے پاس دو شخص عہدہ دار آئے۔ ایک ان میں سے ہندو بہ شکل مسلمان تھا۔ ایک مسلمان بہ شکل ہندو تھے مسلمان صاحب کے لئے گھر میں سے پان آیا خادم چونکہ دونوں سے ناواقف تھا اس لئے اس نے ہندو کے سامنے پان پیش کیا اس پر وہ دونوں ہنسے اس سے وہ خدمتگار سمجھا کہ مسلمان یہ ہیں جن کی داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ صاحبو! اگرچہ گناہ بہ حیثیت گناہ ہوتے تو سب ہی بڑے ہیں لیکن تاہم بعض گناہ ایسے ہیں کہ گو وہ ہم ہی کے درجے میں ہو لیکن انسان اس میں اپنی مجبوری اور عذر بیان کر سکتا ہے مثلاً رشوت کا لینا کہ اس کی جس قدر مجبوریاں بیان کی جاتی ہیں گو وہ سب وہمی ہیں لیکن تاہم ہیں تو یہ بھلا داڑھی منڈانے کی ناشائستہ حرکت میں کیا مجبوری ہے اس میں کونسا کام اٹکا ہے اگر کوئی صاحب کہیں کہ اس سے حسن بڑھتا ہے تو میں کہوں گا کہ بالکل غلط ہے ایک عمر کے دو آدمیوں کو پیش کیا جائے جن میں ایک کی داڑھی منڈی ہو اور دوسرے کے چہرے پر داڑھی ہو اس کے بعد موازنہ

کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس چہرے پر حسن بیستا ہے اور کس پر پچھتکار برستی ہے۔ بیٹھ
شریف میں آیا ہے کہ ایک جماعت فرشتوں کی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت یہی تسبیح پڑھتے
ہیں **مَنْ سُبِحَانَ مَنْ زَيْنَ الرَّجَالِ بِاللُّخَى وَالنِّسَاءِ بِالذَّوَابِ** رپاک ہے وہ ذات
جس نے مردوں کو داڑھی سے خوبصورتی دی اور عورتوں کو بالوں کی چوٹی سے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ مرد کے لئے داڑھی کا ہونا زینت ہے اور اگر اس زینت کے رکھنے کی
ضرورت نہیں تو عورتوں کا سر بھی منڈانا چاہیے۔ غرض داڑھی منڈانے کی وجہ
حسن و جمال تو نہیں ہو سکتا۔

کلکتہ میں ایک لمحد نے مولانا شہید دہلوی رحمۃ اللہ سے کہا تھا کہ غور کرنے سے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا خلاف فطرت ہے کیونکہ اگر فطرت کے موافق ہوتی تو ماں کے پیٹ سے
پیدا ہونے کے وقت بھی ہوتی۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اگر خلاف فطرت ہونے کی یہی وجہ
ہے تو دانت بھی خلاف فطرت ہیں ان کو بھی توڑ ڈالو کیونکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت
دانت بھی نہیں تھے۔ غرض داڑھی کو منڈانا نہایت لغو حرکت ہے اور میں نے اس وقت بالقہد
داڑھی کا تذکرہ نہیں کیا لیکن میں چونکہ اپنے عیوب و امراض کو بتلا رہا ہوں اسی ذیل میں
اس کا تذکرہ بھی آگیا۔ صا جو! واللہ بعض دفعہ داڑھی کے تذکرہ سے شرم آتی ہے
کہ شاید کسی کو ناگوار گزرے مگر منڈالے والوں کو اتنا حجاب بھی نہیں ہوتا۔ اور
اب تو غضب یہ ہے کہ بعض لوگ داڑھی منڈانی حلال بھی سمجھنے لگے ہیں اور جب
اس کی بابت ان سے گفتگو کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ قرآن میں اس کی حرمت دکھلائی
اور یہ سوال آج کل ایسا عام ہوا ہے کہ ہر شخص ہر بات کو قرآن سے مانگنے لگا ہے میں
اس سوال کا ایک فیصلہ کن جواب دیتا ہوں یہ کوئی لطیفہ نہ ہوگا بلکہ قابل غور جواب
ہوگا۔ لیکن اول ایک شرعی اور ایک تمدنی قاعدہ بیان کرتا ہوں۔ تمدنی قاعدہ یہ ہے کہ
اگر کوئی شخص عدالت میں ایک ہزار روپے کا دعویٰ پیش کرے اور اس کی شہادت میں دو شاہ
ایسے پیش کر دے جن میں مدعا علیہ کوئی نقص یا عیب نہ نکال سکے تو مدعا علیہ پر ڈگری
ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مدعا علیہ کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ ان گواہوں کو تسلیم نہ کرے

اور یہ ہے کہ میں تو دعویٰ کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتا جب تک کہ خود صاحب حج اور محسٹریٹ ضلع آکر گواہی نہ دیں اور اگر مدعا علیہ ایسا کرے تو عدالت اس کو کہے گی کہ دعویٰ کے اثبات کے لئے مطلق شاہد کی ضرورت ہے شاہدِ خاص کی ضرورت نہیں ہے پس یا تو ان گواہوں کو کلام کرو یا دعویٰ کو تسلیم کرو۔ یہ قاعدہ تمدنی ہے اور شرعی بھی۔ اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے چارہ دلائل میں قرآن، حدیث، اجماع، قیاس۔ تو گویا یہ شاہد ہیں احکام کے پس جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ *هَذَا أَحْكُمْ شَرْعِيًّا* تو مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان چاروں دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت ہے اور یہ دعویٰ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ کوئی ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کرے پس اسی شخص کی طرح اس کو بھی اکتیاً ہے کہ جس دلیل سے چاہے ثابت کر دے خواہ حدیث پڑھ دے خواہ امام ابوحنیفہ کا قول نقل کر دے۔ ان دونوں قاعدوں کے معلوم کرنے کے بعد اب اس سوال کا جواب سنئے وہ یہ ہے کہ ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہے اور حدیث بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے اگر یہ قرآن اس سے بڑا ہے تو قرآن سے دلیل کا طلب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص خاص محسٹریٹ کی گواہی پر ثبوت مدعا کا مدار رکھے۔ البتہ یہ حق ہر شخص کو حاصل ہے کہ اگر ممکن ہو حدیث میں کلام کرے لیکن اگر حدیث میں کلام نہ کر سکے تو آگے گنجائش باقی نہیں رہتی اور میں مجیبوں کو بھی کہتا ہوں کہ آپ بھی اتنی خوش اخلاقی نہ کیا کیجئے کہ جس کسی نے جس قید کے ساتھ کوئی بات پوچھی آپ اسی طرح جواب دینے کی فکر میں پڑ گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی بد اخلاق ہوتے ہیں، حالانکہ مولوی اس قدر خوش اخلاق ہوتے ہیں کہ ان کی خوش اخلاقی کی بدولت آپ خراب ہو گئے غرض قرآن شریف سے ڈاڑھی منڈانے کی حرمت کو تلاش کرنا اور حدیث وغیرہ کو حجت نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے اسی طرح مجیب صاحبوں سے عرض ہے کہ آپ جو اس کی حرمت کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ڈاڑھی منڈانے کی حرمت کو قرآن سے

ثابت کر بھی دیا تو ہر مسئلہ کو کہاں تک قرآن سے ثابت کیجئے گا۔ مثلاً مغرب کی تین رکعتیں وتر کا وجوب اور اس کی تین رکعتیں قرآن کی کس آیت سے ثابت کرو گے۔ رہے اخلاق اور یہ پانچواں جز ہے سو اس کی بابت سمجھی جانتے ہیں کہ اخلاق کی خرابی سے ہمارے علماء اور طلبہ بھی بہت ہی کم بچتے ہیں اکثر دیندار لوگوں کو اس کی تو فکر ہوتی ہے کہ دائرہ ہی بھی ہو۔ کھننے سے اوپر پا جا مہ بھی ہو لباس سارا شریعت کے موافق ہو لیکن اخلاق کو دیکھئے تو اس قدر خراب کہ گویا کبھی شریعت کی ہوا بھی نہیں لگی جس سے وہ حالت ہوتی ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پر حاصل و اندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید و از درونت ننگ میدار و بیزید
ر باہر سے تو ایسے جیسے کافر کی قبر سچی ہوئی ہوتی ہے اور اندر خدا کا غضب نازل
ہو رہا ہے باہر کی حالت تو ایسی بنا رکھی ہے کہ حضرت بایزید بسطامی جیسے بزرگ
پر بھی اعتراض کرنے لگے اور تیرے اندر کی حالت ایسی ہے کہ اس کو دیکھ کر
بیزید جیسے شخص کو بھی شرم آنے لگے

بہت لوگ ہماری پارسیا یا نہ صورت کو دیکھ کر دھوکہ میں آجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے خاص مقبولین میں ہیں حالانکہ ہم میں یہ چیز اخلاق کا جو کہ شوبہ دین سے ایک عظیم الشان شعبہ ہے ہم میں نشان تک نہیں ہوتا ہماری ساری حرکتیں تکلف پر مبنی اور سارے افعال بناوٹ سے ناشی ہوتے ہیں۔ تو یہ امراض ہم میں ہیں جن کا علاج نہایت ضروری ہے اور جن کی وجہ سے ہماری حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے، سو میں ان کا علاج بتلاتا ہوں۔ علاج ہر مرض کا دو قسم کا ہوتا ہے ایک علاج کلی اور ایک علاج جزئی۔ علاج جزئی تو اس کو کہتے ہیں کہ ہر ہر شکایت اور ہر ہر مرض کا فرداً فرداً علاج کیا جائے اور علاج کلی اس کو کہتے ہیں کہ تمام امراض کی جڑ یعنی ایک امر مشترک کا ازالہ کر دیا جائے کہ اس سے ہر شکایت خود بخود جاتی رہے شریعت میں پہلی قسم کے علاج بھی ہیں اور دوسری قسم کے بھی لیکن پہلی قسم کے علاج کی آج

لوگوں میں ہمت نہیں رہی البتہ پہلے لوگ اسی طرح کرتے تھے کہ ریا عجیب، حسد، کبر، بغض وغیرہ سب کا علاج علیحدہ علیحدہ کرتے تھے اور معالج کے لئے یہی سہل بھی ہے گو مریض کے لئے اس میں دشواری ہے مثلاً اگر ایک شخص سر سے پیر تک بیماریوں میں مبتلا ہو اس کیلئے بہت اچھا یہ ہے کہ کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا جائے کہ اسی ایک نسخے سے سب مرض جاتے رہیں مگر یہ معالج کو نہایت دشوار ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے قربان جانیئے کہ اس نے ایسا علاج بتلا دیا کہ ایک ہی علاج میں ہر مرض سے رہائی ہو جاتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض شکایتوں میں اصل مرض ایک ہوتا ہے اور باقی سب اعراض ہوتے ہیں جو کہ اس مرض سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے شکایت کی کہ مجھے نیند نہیں آتی اُس نے کہا بڑھاپے کے سبب۔ پھر اُس نے کہا کہ میرے سر میں درد بھی رہتا ہے۔ طبیب بولا کہ یہ بھی بڑھاپے کے سبب، اسی طرح اس نے بہت سی شکایتیں بتلائیں اور طبیب نے سب کا یہی جواب دیا کہ یہ سب بڑھاپے کی بدولت ہے تو اصل مرض اس شکایت میں بڑھاپا تھا اور باقی سب اسی کے اعراض تھے۔ ایک اور نظیر لیجئے۔ رات کے وقت اپنے چراغ گل کر دیا اور چوہے چھپوند، چھپکلی وغیرہ نکلنے شروع ہوئے تو بظاہر یہ بہت سے موذیوں کا ہجوم ہے کہ فرداً فرداً ہر ایک کا دفع کرنا دشوار ہے لیکن سب ان سب کا صرف ایک چیز ہے یعنی ظلمت جب اس کو دور کر دیا جائیگا تو یہ سارے موذی خود بخود دور ہو جائیں گے۔ اسی طرح شریعتِ مطہرہ کی خوبی یہ ہے کہ اس نے تمام شکایتوں میں سے اصل مرض کو منتخب کر کے بتلا دیا اور اس کی تدبیر بتلا دی کہ اصل مرض ہم میں دو ہیں علی سبیل منع الخلو یعنی کبھی تو وہ دونوں ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہوتا ہے دوسرا نہیں ہوتا لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس میں سے ایک بھی نہ ہو میں اس کو ذرا مفصل اس لئے بیان کرتا ہوں کہ ہماری حالت بہت کچھ محتاج اصلاح ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ ہم نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ ہماری اصلاح ممکن ہی نہیں کیونکہ اصلاح اس وقت ہو کہ ہم ساری دنیا کو آگ لگا دیں بیوی کو چھوڑیں

بات یہ ہے کہ مولوی ہونے سے مراد مقتدا ہوتا ہے اور مقتدا ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس شخص میں حق پرستی ہو نفس پرستی نہ ہو طمع اور للچ اس میں نہ ہو کہ اپنی طمع کی وجہ سے مسئلے کو بدل دے۔ علماء بنی اسرائیل میں یہی بات تھی کہ جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے، اسی کی نسبت کہتے ہیں یہ

بے ادب را علم و فن آموختن دادن تیغ ست دست راہزن

ربری فطرت والے شخص کو علم اور فن سکھانا ایسا ہے جیسے ڈاکو کے

ہاتھ میں تلوار دیدی جائے

اور یہ مشاہدہ ہے کہ طمع میں بہت طبائع مبتلا ہیں جب یہ ہے تو فرض کیجئے کہ ایک شخص میں طمع اور نفس پرستی ہے اور اس کو مقتدا بنا دیا گیا تو وہ کیا کرے گا۔ ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح قوم کے قوم کو تباہ کرے گا اور اپنی طرف سے تراش کر مسئلے لکھے گا۔ میں نے ایک شخص کا فتوے دیکھا ہے کہ اس نے ایک ہزار روپیہ لے کر سامس سے نکاح حلال کر دیا تھا۔ دہلی کے ایک بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کو ایک مرتبہ حریر پہننے کی طرف میلان ہوا۔ بعض تجوڑا مولویوں نے اس کی حلت کا فتویٰ دیدیا اور بہت سے وجوہ حلت کے لکھ دیئے بادشاہ نے کہا کہ اگر ملا جیوں بھی دستخط کر دیں تو میں پہن لوں گا، ملا جی کے پاس استفسار کیا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ میں دہلی آکر جواب دوں گا۔ اور جامع مسجد میں جواب دوں گا۔ چنانچہ آپ دہلی تشریف لائے اور جامع مسجد میں ممبر پر جا کر بعد نقل سوال و جواب کے استحلال معصیت کی بنا پر بطور زجر کے فرمایا کہ ”مفتی دستفتی ہر دو کا فرند“ رفتوے کو پوچھنے والا اور فتویٰ دینے والا دونوں کافر ہیں) بادشاہ یہ سن کر نہایت غضبناک ہوا اور اس نے قتل کا حکم دیا یا بادشاہ کے ایک فرزند کو جو زجر ہوئی تو دوڑے ہوئے ملا جی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے قتل کی تدابیر ہو رہی ہیں۔ ملا جی نے جو سنا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ کیا میں نے ایسا

قصور کیا ہے اور فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ کہ میں بھی ہتھیار باندھ لوں کیونکہ
الوضوء سلاح المؤمن (وضو مؤمن کا ہتھیار ہے) حقیقت میں ان حضرات کو تنہا
نہ سمجھنا چاہیے۔ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۷

بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات باورد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

دہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا تو یہ بھی بدلہ ملنے کی جگہ ہے جو بھی

عاشقانِ الہی کے ساتھ الجھتا ہے خود نقصان اٹھاتا ہے

حدیث شریف میں ہے من عادى لى وليا فقد اذنته بالحرب شہزاد نے
جو آپ کے جلال کی حالت دیکھی تو دوڑا ہوا باپ کے پاس گیا اور کہا آپ کیا
غضب کرتے ہیں، ملاجی آپ کے مقابلہ کے لئے وضو کر رہے اور سلاح وضو درست
کر رہے ہیں سچ رہے ہیں، بادشاہ یہ سن کر تھرا گیا اور کہا کہ اب کیا کروں میں تو
حکم دے چکا ہوں۔ شہزادے نے کہا کہ سب کے سامنے میرے ہاتھ ایک خلعت بھجودیا
جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تب ملاجی کا غصہ فرو ہوا۔ اس قسم کے لوگ البتہ مقتدا
ہونے کے قابل ہیں اور ایسے بہت لوگ گذرے ہیں۔ بر خلاف ان طماع لوگوں کے کہ
یہ بجز افساد کے اور کیا کریں گے۔ چنانچہ ایک ایسے ہی بزرگوار کا قصہ ہے اور میں نے
ان کو دیکھا بھی ہے کہ ان سے ایک عورت نے جس کا دوسرے شخص سے تعلق تھا کہا کہ
میں اپنے شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور وہ مجھے طلاق نہیں دیتا انہوں نے
کہا کہ تو کافر ہو جا (نعوذ باللہ) اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔ فرمائیے جب
ایسے لوگ مقتدا ہوں گے تو قوم کی کیا حالت ہوگی۔ اور عجب نہیں کہ ایسے لوگوں
کی وجہ سے ان کے پڑھانے والوں سے بھی باز پرس ہو جبکہ ان کو قرآن سے معلوم ہو
کہ یہ ایسے ہوں گے اور یہی وجہ تھی کہ سلف صالحین انتخاب کر کے پڑھاتے
تھے ہر کس و ناکس کو علم دین مقتدا بیت کے درجہ تک نہ سکھاتے تھے اس
مقام پر شاید متکبرین خوش ہوں کہ ہم کہا کرتے تھے کہ جلا ہے تیلیوں کو نہ پڑھایا
جلئے وہی بات ثابت ہوگئی سو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ حضرات سلف صالحین کا

انتخابِ انساب سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ملکات سے ہوتا تھا یعنی جس شخص میں ملکاتِ فاضلہ دیکھتے تھے ان کو علمِ دین کی تعلیم کامل دیتے تھے اور جس شخص میں ملکاتِ ردیہ دیکھتے تھے اس کو بقدر ضرورت سکھا کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی رائے دیتے تھے اگرچہ پہلا کسی ادنیٰ اور معمولی گھرانے کا ہو اور دوسرا کسی عالی خاندان کا اور اگر آپ کو ان جلاہے تیلیوں سے اس قدر عار آتی ہے تو ان کی جنت میں بھی نہ جائے گا بلکہ فرعون و ہامان کے ساتھ چلے جائے گا کیونکہ وہ بہت بڑے لوگوں میں تھے۔ صاحبِ انساب کا علو اور تسقل غیر اختیاری ہے اور ملکات کا مقصدنا پر چلنا اختیاری ہے اور غیر اختیاری امور میں عزت و ذلت نہیں ہوا کرتی، عزت و ذلت کا مدار اختیاری افعال ہوا کرتے ہیں اسی وجہ سے قیامت میں ان انسا کا اعتداد نہ ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے فَلَا انْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَ لَا یَتَسَاءَلُونَ (پس قیامت کے روز نسب کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور نہ اس کے متعلق سوال ہوگا) پھر یہ کہ شریف تو بڑے ہیں نہیں اور اسافل کو بڑھنے نہ دیں کیسا ظلم ہے۔ خدائی مذہب کا نشراور اشیروع تو ضرور ہونے والا ہے اور اس کیلئے ہر زمانے میں غیب سے سامان ہوتا رہا ہے جس وقت تک شرفاء علم کی طرف متوجہ رہے خدا تعالیٰ ان میں بڑے بڑے لوگ پیدا کرتا رہا جن سے دین کی اشاعت ہوئی جب انہوں نے تقاعد کیا اور علمِ دین کی طرف سے روگردانی کی خدا تعالیٰ نے یہ دولت دوسری قوموں کو دیدی۔ غرض انساب کو دیکھنے اخلاق کو دیکھنا چاہیے میں اہلِ مدارس کو یہ رائے دیتا ہوں کہ وہ اپنی ضابطہ پری اور کارروائی دکھانے کی غرض سے بدطینت لوگوں کو داخل نہ کریں کثرت و قلت تعداد طلبہ کی ذرا پروا نہ کیا کریں بلکہ جس شخص کی حالت مقتدا یت کے مناسب نہ دیکھیں اس کو فوراً مدرسے سے خارج کر دیں۔ میں جب کانپور میں تھا تو ایک مرتبہ تقریباً آٹھ طالب علموں کو جو کہ قریب بفرارغ مدرسہ سے خارج کر دیا تھا اہل مدرسہ نے بہت کچھ کہا سنا کہ ان کے نکلنے سے مدرسہ کی کارگزاری میں بڑی کمی واقع ہوگی اور اس سال کارروائی بالکل دکھلائی

تباہ کئے گی۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو کارروائی دکھانے کا تو اس قدر خیال ہے اور اس کا خیال نہیں کہ یہ لوگ مقتدائے دین ہوں گے لوگ ان کی پیروی کریں گے اور حالت ان کی یہ ہے کہ بجز گمراہ کرنے کے اور کیا ان سے ہو سکے گا تب ان لوگوں کی سمجھ میں آیا غرض آپ لوگ اس کا ہرگز اندیشہ نہ کریں کہ ہم سب کو مولوی بنانے کی فکر میں ہیں کیونکہ ہم بہت سوں کو مولوی بنانا جائز بھی نہیں سمجھتے اور وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے

زباں میکند مرد تفسیر داں کہ علم و ادب میفروشد بتاں

(تفسیر کا جاننے والا ایسا شخص جو علم ادب کو روٹی کے بدلہ نہ بیچتا ہے (دین کو)

سخت نقصان پہنچاتا ہے)

آج کل جو علماء کا گروہ بدنام ہے یہ انہی طماعوں کی بدولت۔ واللہ اگر علماء آج دست کش ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بجد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے متکبرین ان کے سامنے تسلیم خم کریں۔ بلکہ علماء کے لئے تو یہ مناسب ہے کہ اگر کوئی دنیا دار ان کے سامنے کوئی چیز پیش بھی کرے تو لینے سے انکار کر دیں صاحبو! علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہئے تھی حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید ہو جاتا ہے اور جسے اس کی سہی ہے کہ ان طماعوں کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہونگے صاحبو! استغفار و آزادی میں علماء کا تو یہ مذہب ہونا چاہیے کہ

ای دل آں بہ کہ خراب ازنی گلگون باشی بے زرد گنج بہ صد حسنت قاروں باشی

در رہ منزل لیلی کہ خطر با ست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

راے دل بہتر بات یہ ہے کہ عشق کی شراب میں مست ہو کر بغیر زرا اور قارون کے

خزانہ زندگی بسر کرے۔ لیلیٰ تک پہنچنے کے لئے راستہ میں جان کو بہت سے خطرات

ہیں لیکن آگے قدم بڑھانے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مجنوں ہو جائے

یعنی وہ حالت ہونی چاہئے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگا دو۔ اگر تم ان امرا کے

دروازے پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے تو ایسے لوگوں کا وجود

ہوتے ہوئے ہم تعلیمِ کامل کو غام نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ تعلیم بقدر ضرورت غام ہوئی ضروری ہے اور تعلیمِ کامل کا بدل ایک دوسری چیز ہے یعنی اہل اللہ کی صحبت کہ اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ تعلیمِ کامل کے بعد بھی اس کی ضرورت ہے۔ دیکھئے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ وہ بالکل بھی پڑھے نہ تھے۔ اور اسی حالت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نَحْنُ أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسَبُ (ہماری جماعت ایسے ان پڑھوں کی جماعت ہے جو نہ لکھنے سے تعلق رکھیں نہ حساب سے) لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور معیت حاصل تھی وہی بالکل کافی ہوگئی یہ تو دینی پہلو سے گفتگو تھی۔ اب میں تمدنی پہلو سے صحبت کی ضرورت اور بدون صحبت کے تعلیمِ کامل کے مفاسد بتلاتا ہوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اجتماع اور تمدن کے تمام مصالحِ علی وجہ الکمال امن و امان سے اس وقت پورے ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگوں کی زندگی میں تہایتِ سادگی اور معاشرت میں بالکل بے تکلفی ہو۔ بناوٹ اور چالاکی کے ساتھ تمام مصالح کا پورا ہونا ممکن نہیں نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اگر علمِ کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر جاہل ہو اور تربیت نہ ہو تب بھی یہی حالت ہوتی ہے اور مصالحِ تمدن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ مصالحِ تمدن کا پورا ہونا ضروری اور وہ علی وجہ الکمال بدون سادگی اور امن و امان کے پورے ہو نہیں سکتے۔ اور سادگی بدون تربیت کے حاصل نہیں ہوتی اور تربیت بغیر علم بقدر ضرورت کے ممکن نہیں تو تربیت کے لئے علم بقدر ضرورت حاصل ہونا ضروری اور سادگی کے لئے تربیت ضروری اور مصالحِ تمدن کے پورا ہونے کے لئے سادگی زندگی ضروری لہذا مصالحِ تمدن کے لئے علم بقدر ضرورت اور تربیت ضروری ہے اور چونکہ علم بدون تربیت مورثِ عیاری ہے اور عیاری مصالحِ تمدن کے لئے مضر ہے لہذا علمِ کامل بدون تربیت کے مضر ہے اور چونکہ ہر شخص سامانِ تربیت کا حاصل نہیں کرتا لہذا ہر شخص کو

علم کامل پڑھانا مفید نہیں بلکہ مضر ہے لیکن اس پر ناخواندہ لوگ خوش نہ ہوں کہ ہماری اُمیت ایک درجہ میں مطلوب ہوگئی۔ پس اچھا ہوا کہ ہم نے علم حاصل نہ کیا بات یہ ہے کہ آپ کی اُمیت تو حد سے بہت زیادہ گذری ہوئی ہے کہ صحبت سے بھی محروم ہو۔ لہذا یہ مطلوب نہیں ہو سکتی تو یا تعلیم کامل مع صحبت ہو یا نثری صحبت ہو کیونکہ نثری تعلیم کافی نہیں اور نثری صحبت کافی ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وہ یہ کہ جس کے پاس جائے اس کو اپنے دنیوی قصوں میں مشغول نہ کرے اور اپنے تمام امراضِ باطن کو بلا کم و کاست اس کے سامنے پیش کر دے اور وہ جو کچھ کہے اس پر کار بند رہے۔ ہم نے ایسا ایک آدمی بھی نہیں دیکھا کہ پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں لیکن دین کی خدمت کرتے ہیں پس نرا علم۔ شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے لیکن پھر بھی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے کہ وہ ان سب کے لئے مرکز ہو۔ یعنی سب تو پورے عالم نہ ہوں مگر چند لوگ ایسے ہوں کہ ضرورت کے وقت یہ لوگ ان کی طرف رجوع کر سکیں۔ حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک تو ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو کہ علماء کہلائیں۔ دوسرے یہ ضرورت ہے کہ ہر شخص بقدر ضرورت عمل عالم ہو۔ تیسرے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص کو اہل اللہ کی صحبت حاصل ہو اب میں ہر ایک کی تدبیر بتلاتا ہوں۔ سوا دل کی تدبیر تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ بچے ایسے انتخاب کئے جائیں جو کہ ذکی اور ذہین ہوں۔ طبیعت میں سلامتی ہو۔ اور ان کو باقاعدہ تعلیم دی جائے اور ان کے لئے ہر شہر میں ایک ابتدائی مدرسہ ہو مثلاً اس بستی میں ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا جائے کہ اس میں شرح و قایہ نور اللہ تا تک تعلیم دی جائے اور یہاں تک پڑھ لینے کے بعد ان کو کسی بڑے مدرسہ میں بھیجا یا جائے کہ وہاں ان کی درسیات پوری ہو جائیں۔ اس کی فکر ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے بالخصوص امرار پر اس کا حق زیادہ ہے کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے۔ اور ان چھوٹے مدرسوں کو کسی بڑے مدرسہ سے وابستہ کیا جائے کہ وہاں کی سہراں

لوگوں کے لئے حجت ہو اور وہ مدرسہ ان سب مدارس کے لئے دارالعلوم کے طور پر ہو۔ پھر ایسے لوگوں کے فتوے اور تعلیمات پوری طرح قابل اطمینان ہوں گے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو لوگ وعظ کہنے کے لئے آئیں ان کی نسبت بھی تحقیق کر لیں کہ وہ کسی مدرسہ کے سند یافتہ بھی ہیں چونکہ آج کل کے واعظوں سے نفع کے بجائے بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ میں نے دیوبند میں ایک واعظ صاحب کو وعظ کہتے سنا اول اس نے یہ آیت پڑھی ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ اس کے بعد ترجمہ اس آیت کا کیا کہ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم تالا لگا کر نماز جمعہ کو جایا کرو یہ خرابی کی تَعْلَمُونَ کی یعنی تالا موند۔ اس زمانے میں مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ زندہ تھے، اس واعظ کو بہت ڈانٹا۔ اور ایک واعظ کانپور میں آئے تھے جامع العلوم میں انہوں نے وعظ کہا یہ آیت پڑھی وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ؕ اور ترجمہ کیا کہ جنت میں ایک تخت ہوگا جس کا ایک ایک پایہ ایک ایک ہزار کوس کا ہوگا اور طرہ یہ کیا کہ کوس کی تفسیر بھی کی کہ بڑے کوس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ایسے واعظ بھی دیکھے ہیں کہ وہ وعظ کہتے ہیں اور لوگوں سے معلوم ہوا ہوا کہ شراب پیتے ہیں۔ آج کل مقتدا بننا بھی ایسا سستا ہو گیا ہے کہ جس کا جی چاہے وہی مقتدا بن جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ کسی ایک بڑی جگہ اور مرکزی جماعت سے وابستہ نہیں اس لئے سب خود مختار ہیں لہذا بہت ضروری ہے کہ سب کے سب کسی ایسی جگہ اور ایسی جماعت سے وابستہ ہوں کہ ان کا ہر فعل وہاں کی اجازت اور سند کے بعد ہو۔ بدون خاص اہتمام کے یہ جماعت علماء کی قائم نہیں ہو سکتی اس لئے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے مگر اس کا تمام تر اہتمام لوگوں پر نہ رکھو کیونکہ اس میں بعض کام ایسے بھی ہوں گے کہ اس کو مولوی نہ کر سکتے ہیں نہ ان کے لئے مناسب ہے۔ مثلاً مدارس قائم کرنے کے لئے چندہ کرنے کی ضرورت ہوگی سو علماء کو مناسب نہیں کہ وہ چندہ کی تحریک میں حصہ لیں اس سے بڑی خرابی یہ ہے کہ غام لوگ ان کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی اولاد کو پڑھایا تو وہ بھی

یہی مانگنے کا کام کریں گے پس مولوی پڑھانے کا کام کریں اور رئیس چنڈو وصول کریں کیونکہ ان پر یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ خود کھا جائیں گے۔ دوسرے جب مولوی پڑھانے کا کام کرتے ہیں تو کھانے کمانے کے کام بھی ان ہی کے سر کیوں ڈالے جائیں۔ آج کل عام مولویوں کو بھانڈا کا ہاتھی سمجھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اکبر نے کسی بھانڈا کو خوش ہو کر ایک ہاتھی دیدیا تھا۔ بھانڈا نے ہاتھی تو لے لیا لیکن اس کو خیال ہوا کہ میں غریب آدمی اس ہاتھی کو کھلاؤں گا کہاں سے اس کی تو چارہ خوراکوں میں میرا سارا گھر بھی ختم ہو جائے گا، آخر اس کو معلوم ہوا کہ آج اکبر کی سواری فلاں طرف سے فلاں وقت گزرے گی جب وہ وقت آیا تو اپنے ہاتھی کے گلے میں ایک ڈھول ڈال کر اسی طرف اس کو چھوڑ دیا۔ اکبر کی سواری جب گزری تو اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک ہاتھی چلا آ رہا ہے اور گلے میں ڈھول پڑا ہوا ہے غور کیا تو معلوم ہوا کہ خاصہ کا ہاتھی ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ ہاتھی اس حالت میں کیوں پھرتا ہے۔ لوگوں نے کہا حضور نے اپنے بھانڈا کو یہ ہاتھی دیدیا تھا۔ اکبر نے بھانڈا کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے ہاتھی کو اس حالت میں کیوں چھوڑا ہے کہنے لگا کہ حضور نے مجھے ہاتھی تو عنایت فرمایا مگر میرے پاس کھلانے پلانے کو کیا دھرا تھا آخر یہ سمجھ میں آیا کہ جو میرا پیشہ ہے وہی اس کو بھی سکھلاؤں اس لئے میں نے گلے میں ڈھول ڈال کر چھوڑ دیا کہ مانگو اور کھاؤ۔ اکبر کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اس نے ایک گانوں بھی انعام میں دیا۔ تو لوگوں نے مولویوں کے لئے بھی یہی تجویز کر رکھا ہے کہ کام بھی کرو اور مانگو اور کھاؤ بھی۔ صاحبو! ان کو کیا غرض پڑی ہے خدا تعالیٰ نے ان کو دولت علم کی دی ہے ان کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ تم سے بھیک مانگیں۔ اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ آپ کو کامل توکل کرنا چاہیے۔ نیز مولویوں کے مانگنے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگ ان پر یہ اعتراض کریں گے کہ یہ لوگ دوسروں سے

تو مانگتے ہیں لیکن خود کبھی نہیں دیتے اور جو محرک نہ دے اس کی تحریک میں شبہات پیدا ہوتے ہیں اور دوسرا اگر دوسروں سے بچا پس مانگیں گے تو کم سے کم ہمیں تو خود بھی دیں گے۔ اس لئے ان پر اعتراض کرنے کا کسی کو موقع نہیں۔ تو یہ طریقہ ہے کام کرنے کا اس طور پر مدرسے کا قائم ہونا نہایت ضروری ہے بالخصوص اس شہر میں کہ یہاں کے لوگوں کو دین کی طرف بہت ہی کم رغبت ہے سراسر دنیا ہی میں کھپے ہوئے ہیں اور زیادہ تر وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو علماء کی صحبت بہت ہی کم ہے جس کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے کہ خود علماء کو یہاں بلاؤ

۷ اگرچہ لوگوں کا یہ اعتراض نظر بر واقع صحیح نہیں کیونکہ اول تو مولویوں کے یا اس قدر سرمایہ کہاں ہوتا ہے کہ وہ چندے دیں، دوسرے وہ باوجود سرمایہ نہ ہونے کے بہت زیادہ دیتے ہیں۔ میں بطور مشق نمونہ انہ خروارے چند مثال پیش کرتا ہوں۔

اول حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے زمانہ قیام کانپور میں مدرسہ کی آمدنی میں قلت دیکھ کر اپنی تنخواہ ایک قلم چھوڑ دی تھی جو کہ فہرہ روپیہ ماہوار تھی۔

دوسرے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سلمہ مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم للوگے روپیہ ماہوار پاتے ہیں اہل مدرسہ نے بہت کوشش کی کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے لیکن مولانا نے صاف انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میرے لئے یہی بہت کافی ہیں۔

سوم حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب سلمہ مدرس اول مدرسہ دیوبند دارالعلوم فہرہ روپیہ ماہوار پاتے ہیں اہل مدرسہ نے مولانا سلمہ کی ترقی کرنی چاہی لیکن اپنے منظور نہیں فرمایا۔

چہارم مولانا مولوی عنایت الہی صاحب سلمہ ہتم مدرسہ سہارنپور ۲۵۰ روپیہ ماہوار پاتے ہیں اراکین مدرسہ کے کہنے پر اپنے اس تنخواہ سے زیادہ لینے سے بالکل انکار کر دیا۔

میرے خیال میں آج کوئی شخص دنیا داروں میں اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا کہ کسی نے اپنے باب ترقی کو بالکل سد و دگر دیا ہو یا اپنی پوری تنخواہ محکمے کے حوالہ کر دی ہو اور یہ بلا بعض وجوہ متعارف چندہ دینے سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں سید

اور ان سے فیض حاصل کرو۔ عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرۂ زمین منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن بشرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے۔ اس کی صفت یہ ہو کہ لَا يَخَافُونَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّائِيَةً (وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی بُرا کہنے والے کے بُرا کہنے سے نہیں ڈرتے) اور اس کے لئے کم از کم بیس پچیس روپیہ ماہوار کا انتظام کر دو آج کل لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عالم تو بہت بڑا ہو لیکن دس بارہ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ دینے پڑیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک عالم کی طلب میں ایک خط آیا تھا جس میں ان عالم کے لئے بہت سی شرطیں لکھی تھیں کہ وہ ایسے ہوں اور ایسے ہوں اور کل دس روپیہ تنخواہ لکھی تھی۔ مولانا فریلنے لگے کہ بھلے مانسوفی و صنف ایک روپیہ تو رکھا ہوتا۔ صاحبو! خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو وسعت دی ہے کچھ مشکل نہیں کہ بیس پچیس روپے ماہوار کا ایک مولوی کے لئے انتظام کر دیں۔ عمائد شہر اگر اس پر متوجہ ہو جائیں تو بہت آسانی سے سب کچھ ہو سکتا ہے یہ تو بقارِ علماء کی صورت تھی۔ دوسرے کام یعنی عمل کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ مدرسہ میں جو عالم ہوں ان سے مسائل دریافت کر کے اور حلت و حرمت کو معلوم کر کے ان کے فتوے کے موافق عمل کیا جائے اور جس وقت تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو اس وقت تک یہ سمجھئے کہ کسی ذی علم کو وعظ کے لئے نوکر رکھ لیجئے اس کا کام یہ ہو کہ محلوں میں جا کر وعظ کہے اور ترغیب و ترہیب اور احکامِ شرع کو اس میں بیان کرے۔ آپ اس طریق پر عمل کر کے دیکھئے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک سال میں کتنی حالت درست ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کیجئے کہ ہر محلے کے لوگوں کو ہفتے بھر میں ایک دفعہ کسی جگہ جمع کر کے ایک آدمی مسائل کی کتاب لے کر ان کو مسائل سنا دیا کریں اور جو لوگ خود پڑھے لکھے ہیں وہ مسائل کی کتابیں خرید کر اپنے پاس رکھ لیں اور روزانہ ان کو دیکھا کریں اور جہاں شبہ رہے کسی عالم سے حل کر لیں بغرض اس کو عمر بھر کا

شغل رکھیں اور عورتوں کے لئے یہ کریں کہ جو بڑھی لکھی ہیں وہ تو یہ کریں کہ کتابیں خرید کر ان کو سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور جو بچے پڑھی ہیں وہ پڑھی لکھی عورتوں سے لیا کریں۔ رہی تیسری چیز یعنی صحبت کہ بدون اس کے نہ اعلیٰ درجے کی تعلیم کافی ہے اور نہ ادنیٰ درجے کی اور اسی لئے علماء طلباء سب کے ذمہ اس کا اہتمام ضروری ہے۔ پہلے زمانے میں جو سب لوگ اچھے ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سب اس صحبت کا اہتمام رکھتے تھے۔ اس وقت یہ حالت ہے کہ تعلیم کا اہتمام تو کسی قدر ہے بھی کہ اُس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاتا ہے اور بہت سا وقت اس کو دیا جاتا ہے مگر صحبت کے لئے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا واللہ اگر صحبت کی طرف ذرا بھی توجہ کرتے تو مسلمان ساری تباہیوں سے بچ جاتے اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو وہ اب امتحان کر کے دیکھے اور خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب کرے میں ان شاء اللہ کچھ برس کے بعد دکھلاؤں گا کہ سب کے اقوال افعال اعمال کس قدر درست ہوئے اس وقت شائستگی کے عام ہونے سے یہ حالت ہوگی کہ

بہشت آجنا کہ آزارے نباشد کسے را باکے کا سے نباشد

(جنت ایسی جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں اور کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں)

کارے نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کارِ موزی نہ ہوگا اور اس لئے دنیا جنت کی مثل ہو جائے گی اور راز اس کا یہ ہے کہ علم سے نیک باتیں معلوم ہوں گی اور صحبت سے اخلاقِ رزقیلہ دور ہوں گی اور یہی دو چیزیں جہل اور بد خلقی ساری خرابیوں کی جڑ ہیں کیونکہ مثلاً اگر کسی شخص میں تکبر ہو اور اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا تکبر بھی اعتراف اور قبولِ حق کی اجازت نہ دے گا بلکہ وہ اپنی غلطی پر مصر ہوگا اور ہزاروں آدمی اس غلطی سے گمراہ ہوں گے۔ اور جب تکبر کی اصلاح ہو جائے گی تو یہ بات نہ رہے گی اور اثر اس کا یہ ہوگا کہ ہر غلطی کو تسلیم کر لے گا۔ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں تشریف

فرماتھے کہ ایک شخص نے عشاء کے وقت پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا مستفتی کے جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے یہ مسئلہ یوں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو اور مستفتی کو تلاش کرنا شروع کیا، لوگوں نے عرض کیا اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے آپ آرام فرمائیے ہم صبح ہونے پر اس کو بتلا دیں گے، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے گھر میں سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اس وقت مسئلہ غلط بتلایا تھا۔ تمہارے آنے کے بعد ایک شخص نے صحیح مسئلہ ہم کو بتلایا اور وہ اس طرح ہے، جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آکر آرام فرمایا۔ تو اس بے چینی کا سبب کیا فرا علم تھا ہرگز نہیں یہ صرف حال کا اثر تھا جو صحبت سے عطا ہوا تھا اسی کو کہتے ہیں ۷

قال را بگذار مردِ حال شو پیش مردِ کاملے پا مال شو
 ربائیں بنانا چھوڑ دو اپنے اندر کیفیت پیدا کرنے والے نو اور کسی کامل
 درجے کے بزرگ کے پاس رہ کر اپنے آپ کو مٹا دو
 بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدا ہو جاتے ہیں ان کے اخلاق نہایت
 خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے کے قبل بڑے ہو جاتے
 ہیں کسی نے خوب کہا ہے ۷

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خیر شوی تاراہ میں نیاشی کے راہبر شوی
 در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزی پدر شوی
 اے بے خبر تو کوشش کر کے معلومات حاصل کر جب تک تو خود راستہ نہ جائے گا راستہ
 بنانے والا کیسے بتے گا جہاں حقیقتوں کا علم سکھایا جاتا ہو وہاں عشق کا ادب
 سکھانے والے کے سامنے پیش ہو جاتا اور وہاں پیارے بیٹے بکوشش
 کرتے رہو کسی دن باپ ہی بن جاوے گا

تو پسر بننے سے پہلے پدر بن جانا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔ اس لئے سخت
 ضرورت ہے کہ اول چھوٹا بن کر اخلاق کی درستی کی جائے کہ اس سے اعمال کی بھی

درستی ہو جائے گی اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے وہ تو کم از کم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں لیکن اس طرح کہ اپنا تمام کچا چمٹھا ان کے سامنے پیش کر دے اور پھر جس طرح وہ کہیں اس طرح عمل کریں اور اگر وہ ذکر و شغل تجویز کر دیں تو ذکر و شغل میں مصروف ہو جائے اگر وہ اس سے منع کر کے کسی دوسرے کام میں لگا دیں اس میں لگ جائے اور ان کے ساتھ محبت بڑھائے اور ان کی حالت کو دیکھتا رہے کہ کسی چیز کے لئے کے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں اس کا اثر یہ ہوگا کہ تخلق اخلاق اللہ ہو جائیگا اور پھر اس کی ذات سے سراسر نفع ہی پہونچے گا اور جن لوگوں کو فراغ نہیں ہے وہ یہ کریں کہ وقتاً فوقتاً جب ان کو دو چار یوم کی مہلت ہو کرے اس وقت کسی بزرگ کے پاس رہ آیا کریں اور اپنی اولاد کے لئے یہ کر و کر روزمرہ جیسا ہر کام کیلئے نظام الاوقات ہے ایسا ہی اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر دو کہ فلاں مسجد میں فلاں بزرگ کے پاس جا کر کچھ دیر بیٹھا کرے۔ صاحبو! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ فٹ بال کے لئے وقت ہو اور درستی اخلاق کے لئے وقت نہ نکل سکے اور اگر اس شہر میں کوئی ایسا شخص نہ ہو تو چھٹی کے زمانہ میں کسی بزرگ کی خدمت میں بھیجا کر دو۔ اس زمانے میں تو ان کو کوئی کام بھی نہیں ہوتا، کبھی دن رات مارے مارے پھرتے ہیں۔ نہ نماز کے نہ روزے کے ماں باپ خوش ہیں کہ ہم نماز کے بہت پابند ہیں، حالانکہ ان کو یہ خیر نہیں کہ قیامت میں وہ اولاد کے سبب ان کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے **كُلُّكُمْ دَاخٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئَلٌ** عَنْ رَعِيَّتِهِ رَمَّ فِي هَرَاكٍ شَخْصٍ ذَمَّ دَارَهُ وَرَمَّ سَبَّ سَابَّ سَابَّ مَاتَحْتِ كَعِ

متعلق قیامت میں سوال ہوگا)

آج کل لوگ اپنی اولاد کی تربیت ایسی کرتے ہیں جیسا کہ قصائی گائے کی تربیت کیا کرتا ہے کہ اس کو کھلاتا ہے پلاتا ہے حتیٰ کہ وہ خوب موٹی تانری ہو جاتی ہے لیکن غرض اور مال اس کا یہ ہوتا ہے کہ اس کے گلے پر چھری پھیری

جاتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی اولاد کو خوب زریب و زینت تعیش میں پرورش کرتے ہیں اور انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لقمہ جہنم ہوتے ہیں اور ان کی بدولت مری کی بھی گردن تاپنی جاتی ہے کیونکہ اس تعیش کی بدولت اولاد کو نہ نماز کی خیر ہوتی ہے اور نہ روزے کی۔ بعض نامعقول تو حد سے اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کو اسلام کی کسی بات کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ ایک نوجوان کی نسبت میں نے سنا ہے کہ وہ بیرسٹی پاس کر کے آرہے تھے ان کے باپ نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ میرا لڑکا لندن سے آرہا ہے تمہارے شہر سے اس کا گذر ہوگا اگر تم اسٹیشن پر اس سے مل لو تو بہتر ہوتا کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کے لکھنے کے موافق یہ مکتوب الیہ اسٹیشن پر گئے اور جا کر ان بیرسٹر صاحب سے ملے اس وقت بیرسٹر صاحب کھانا کھا رہے تھے چونکہ رمضان شریف تھے اس لئے ان کو تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ رمضان شریف ہے آپ نے روزہ نہیں رکھا۔ صاحبزادے پوچھتے ہیں کہ رمضان کیا چیز ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رمضان ایک مہینہ کا نام ہے کہنے لگا جنوری، فروری، مارچ ان میں تو رمضان کہیں آیا نہیں۔ آخر اس کی یہ حالت دیکھ کر ان کو سخت صدمہ ہوا اور سمجھے کہ منبع الکفر کا مسخ شدہ ہے اس کی حالت میں تغیر آنا ناممکن اور انالشر پڑھ کر چلے آئے۔ اب آپ غور کیجئے کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں مسلمان خواتین کی گودوں کے پرورش کئے ہوئے ہیں اور آنغوش جہنم میں دیئے جا رہے ہیں۔

صاحبو! اگر یہی رنگ رہا تو عجب نہیں کہ بچا اس برس کے بعد یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہنا بھی تنگ و عار سمجھیں۔ اتنا اثر تو اب بھی آگیا ہے کہ اسلامی نام پسند نہیں ہے آپ غوش ہیں کہ ہم نے بی۔ اے کر دیا۔ ایم۔ اے کر دیا حالانکہ آپ نے جہنم کی پکڑ پٹی پر چھوڑ دیا ہے اور آنکھوں پر ایسے چشم بند چڑھائے ہیں کہ شاہراہ جنت نظر ہی نہ آسکے۔

صاحبو! آپ کہتے ہیں کہ مولوی انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں، واللہ ہم منع نہیں کرتے۔ خدا کے لئے ان کا دین تو حشر اب نہ ہونے دو اور اس کا

طریقہ یہی ہے کہ ان کو اہل اللہ کی صحبت حاصل ہو خیر اگرچہ مہینے روزخ میں جانے کا کام کریں گے تو چھ مہینے جنت میں جانے کے کام بھی تو کر لیں گے یاد رکھو کہ اہل اللہ کی صحبت وہ اکسیر ہے کہ

گر تو سنگ خارہ مر مر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
(اگرچہ تو سنگ خارہ اور مر مر جیسا سخت دل بھی ہو جب کسی صاحب دل کے پاس پہنچے گا گوہر کی سی قدر و قیمت پائے گا)
اور کہتے ہیں

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیرکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد طاعت است
دھوڑی سی دیر اللہ والوں کے ساتھ بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھنٹہ کی بھی حاصل ہو جائے تو سو سال کے زہد و طاعت سے بڑھ کر ہے)

صاحبو! صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائیگا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اگرچہ کسی وقت نماز و روزے میں کوتاہی ہو جائے اگرچہ یہ بات میرے منہ سے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز و روزے کو خفیف سمجھ جائے مگر مقصود میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ - وہ حالت ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹادیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں - ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ کہی ہے کہتا ہے کہ

میاں مٹھو جو ذکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گر بہ موت نے جو آ دابا کچھ نہ بولے سوائے ٹٹے ٹٹے

اس میں سے مسئلہ ہجری تاریخ موت نکلتی ہے یہ تاریخ اگرچہ ہے تو مسخرہ پن لیکن

غور کیا جائے تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلا دیا کہ جس تسلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا۔ مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن بھی ہو گا تب بھی آٹے وال ہی کا بھاؤ دل میں لے کر مرے گا جیسا اس وقت غالب حالت رہتی ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔ اور صاحبو! اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے۔ خدا کے لئے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر لگاؤ۔ اب میں اپنے بیان کو ایک ضروری بات پر ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ صحبت کے لئے جس شخص کو تجویز کیا جائے وہ کیسا ہو اور اس کے صاحب کمال ہونے کی علامتیں کیا ہیں سو علامتیں اس کی یہ ہیں کہ ایک تو بقدر ضرورت علم دین بہانتا ہو۔ دوسرے شریعت پر پوری طرح کار بند ہو۔ تیسرے اس میں یہ بات ہو کہ جس امر کو خود نہ جانتا ہو علماء سے رجوع کرتا ہو۔ علماء سے اس کو وحشت نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ اس میں روک ٹوک کی عادت ہو۔ مریدین اور متعلقین کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔ چھٹے یہ کہ اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔ ساتویں یہ کہ اس کی طرف صلحاء اور دین کے سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ بڑی علامت ہے کمال کی۔ جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں وہ مقبول ہے اور کامل ہے۔ اس کے پاس جائے اور اس کی صحبت سے مستفیض ہو جائے اور اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اس سے بیعت ہو جائیں کیونکہ پیری مریدی کی حقیقت مقصود ہے اور وہ یہی ہے جو مذکور ہوئی اس کی صورت مقصود نہیں ہے جیسے آج کل کہ وہ محض رسم کے طور پر رہ گئی ہے جیسے کہ بعض جگہ نکاح ایک رسم سمجھ کر کیا جاتا ہے گو عین ہی ہو۔ ایسے ہی بطور رسم کے مرید بھی ہوتے ہیں۔ ہاں اگر قلب میں نہایت تقاضا پیدا ہو تو مرید ہونے میں بھی مضائقہ نہیں لیکن مرید ہونے کے لئے سخت جانچ کی ضرورت ہے، ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

یہ سات علامتیں جو اوپر مذکور ہوئیں ضرور دیکھ لے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ان کو دو لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔
فرماتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی ست
کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست
(مردوں کا کام روشنی اور گرمی اور کمینوں کا کام بہانے بنانا
اور بے حیائی ہے)

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ

اے بسا ابلیس آدم روی ہست
پس بہر دستی نباید داد دست

بہت سے لوگ جو آدمی کے جیسی صورت تو رکھتے ہیں مگر دراصل شیطان ہیں اس لئے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔ البتہ صحبت کے کچھ آداب بھی ہیں بدون ان کے صحبت نافع نہیں، منجملہ ان آداب صحبت کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جا کر دنیا کی باتیں نہ بتائیے جیسے کہ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بھی دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار کے واقعات ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نیز حتی الوسع بزرگوں کو تعویذ گتوں کی تکلیف بھی نہ دینی چاہیے ان حضرات سے تعویذ گتے لینا ایسا ہے جیسا کہ سنا کے پاس کھرپا یا کہاڑی بنوانا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ میں ہاتھ لیتا ہے وہ الشرمیاں کا نعوذ بالشہر شتہ دار ہو جاتا ہے کہ جو کام بھی اس سے کہا جائے وہ الشرمیاں اسے ضرور پورا کر دیتا ہے حالانکہ ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے کہ بجز عرض کے ذرا کچھ حاصل دے سکے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا مقدمہ

ہے، مولانا نے فرمایا کہ دعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ دعا کرانے نہیں آیا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں، یوں کہہ دیجئے کہ میں نے یہ کام پورا کر دیا۔ مولانا خوش ہوئے۔ جیلی بھیت میں ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کچھ عرض کیا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے اس نے سنا نہیں ایک شخص اور بیٹھے تھے انہوں نے حکایت کے طور پر اس سے کہا کہ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا وہ بزرگ سخت برہم ہوئے اور کہا مجھ کو کیا خبر کہ فضل کرے گا یا نہ کرے گا۔ تم نے اپنی طرف سے گا کیسے بڑھا دیا۔

اسی طرح تعویذوں کی فرمائشیں بھی ان حضرات کے مذاق کے بالکل خلاف ہے۔ جن نے عمر بھر طالب علمی اور اللہ اللہ کیا ہو وہ کیا جانے کہ تعویذ کیا ہوتے ہیں اور ان کو کس طرح لکھا جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ تعویذ بھی دنیا سے نرلے کاموں کے لئے۔

بیٹی سے ایک پہلو ان کا خط آیا کہ میری کشتی ہونے والی ہے مجھے ایک تعویذ لکھ دو کہ میں جیت جاؤں میں نے لکھا کہ اگر تمہارا مقابل بھی کسی سے تعویذ لکھالے تو کیا ہوگا۔ پھر تعویذ تعویذ میں کشتی ہوگی۔ عجیب نہیں کہ لوگ چند روز میں مردوں کے بچے پیدا ہونے کے لئے بھی تعویذ ہی لکھو الیا کریں جس میں نکاح ہی کی ضرورت نہ رہے کیونکہ جب تعویذ میں ایسا اثر ہے کہ وہ ہر ایک چیز میں کام آسکتا ہے تو مردوں کے بچے پیدا ہونے میں بھی ضرور کام آنا چاہئے صاحبو! اہل اللہ کے پاس اللہ کا نام دریافت کرنے کے لئے جاؤ۔ خلاصہ اس سب تقریر کا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے اہل اللہ کی صحبت طویلہ کو بخوبی مزہ کرو۔ یہ تو مردوں اور تندرستوں کے لئے ہے۔ اور جو اپاہج ہوں یا عورتیں ہیں تو ان کے لئے صحبت کا بدلہ یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں یا سنا کریں، ان کے توکل صبر و شکر تقویٰ طہارت کی حکایتیں دیکھنا سنا یہی صحبت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے

صحبت کے متعلق تو کسی کا قول ہے۔

مقام امن دے بیغش و رفیق شفیق

گرت مدام میسر شود زبے توفیق

دامن کا تو مقام ہوا اور شراب بغیر کسی دھوکے کے ہوا اور سچا دوست موجود ہو

تو اگر یہ چیز ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے تو بڑی خوش قسمتی ہے

اور ان کے حکایات و ارشادات کے متعلق کسی کا شعر ہے کہ

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از حللست

صراحی می ناب و سفینہ غزلست

اس زمانہ میں وہ دوست جو بڑائی سے خالی ہو عمدہ شراب کی بھری

صراحی ہے اور غزل کی کشتی

مگر یہ وصیت کرتا ہوں کہ مثنوی اور دیوان حافظ یعنی علوم مکاشفہ اور اہل حال کا کلام نہ

دیکھیں کیونکہ اکثر اوقات ان کی بدولت ہلاک ہوتے ہیں۔ مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

نکتہ پاچوں تیغ فولادست تیز چوں نداری تو سپرواپس گریز

پیش این الماس بے اسپرمیا کز بریدن تیغ را نبود حیا

تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہوتے ہیں اگر تیرے پاس ڈھال

حفاظت کا سامان نہ ہو تو واپس ہو جا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت

جا کیونکہ تلوار کو کاٹنے وقت کسی کا لحاظ اور شرم نہیں ہوتا

اور جب اہل حال صادق کے کلام میں اس قدر احتمال مضرت ہے تو جو جاہل بے شرع

بدگام ہیں ان کا کلام تو کس درجہ مضر ہوگا۔ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

ظالم آں توے کہ چشماں دوختند

از سخنہا عالمے را سوختند

وہ لوگ کیسے ظالم ہیں جو آنکھیں بند کر کے اپنی باتوں سے دنیا کو جلا دیتے ہیں

اسی طرح جو لوگ محض بزرگوں کے کلاموں کی نقل بے سمجھے کیا کرتے ہیں ان کی تحریر و

تقریر سے بھی بہ وجہ اس کے کہ اصل سے بدلی ہوئی ہوتی ہے کچھ نفع نہیں ہوتا، ایسوں کی نسبت فرماتے ہیں ۵

حرف درویشاں بدزد و مرد دوں

تا بہ پیش جا ہلاں خواند فسوں

(نا سمجھ کہینے لوگ درویشوں کے الفاظ کو چہرہ کرنا واقف لوگوں

کے سامنے منتر کی طرح پڑھتے ہیں)

ہاں اجیار العلوم کا ترجمہ دیکھو اور بعینہ کا ترجمہ دیکھو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فائدہ ہوگا یہ بیان ختم ہو چکا اس بیان میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے وہ نسخہ بتلایا ہے کہ اس میں نہ معاش کا حرج ہے نہ کوئی نقصان ہے اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔

اس آیت میں اسی کے متعلق ارشاد ہے نَسَمِعُ میں تقلید اور تعقیب میں تحقیق کو ذکر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دوزخ سے بچنے کے دو طریق ہیں یا تقلید ہو یا تحقیق ہو۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل عطا فرمائیں یہ بھی دعا کیجئے کہ یہاں مدرسہ ہو جائے کہ اس کے بہانے سے پھر آنا ہو۔

—————

۵ اسی اربعین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تیس اصول جن کے بغیر زندگی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی بیان کئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ترجمہ کرا دیا ہے۔ نام اس کتاب کا مولانا تھانوی نے تبلیغ دین رکھا ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ تھانوی مسافر خانہ (ایم۔ اے جناح روڈ) بندر روڈ کراچی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(رواه البخاری)

دعوات عبدیت جلد پنجم

کا

تیسرا وعظ ملقب بہ

نسیان النفس

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحبہا نقوی

رحمۃ اللہ علیہ
ناشر: عبد المذان غفرلہ

مکتبہ تھانوی — دفتر الایقاع

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی
ایم۔ اے۔ جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد پنجم

کا

تیسرا وعظ ملقب بہ

نسیان النفس

اَیْنَ	مَتَى	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْ قَبِيضُ	أَلَمْ يَسْمَعُونَ	أَسْمَاتُ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنے ہوا	کیسے ہوا	کیا مضمون تھا	مَنْ قَبِيضُ	أَلَمْ يَسْمَعُونَ	متفرقات
مسجد تھا: بھون	۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۱ ہجری	گھنٹہ ۲	کر بھون	اپنے عیوب کو نہ دیکھ کر دوسروں کے عیوب دیکھنے پر ملامت کرنا	سولوی سعید احمد صاحب مرحوم	تقریباً ۱۰۰ آدمی	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ تَحْمِيدًا وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ
بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ أَمَّا بَعْدُ
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

آتَا مَرُودًا النَّاسَ بِالْبَرِّ وَتَنَسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

یہ ایک آیت ہے جس میں ظاہراً اہل علم کو خطاب اور ان کے ایک عمل پر ان کو عتاب کیا گیا ہے۔ یہ آیت اس معنی میں نہایت مشہور ہے اور اکثر لوگ اس سے یہی سمجھتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہے کہ غیر اہل علم اپنے کو بوجہ فقدانِ علم اس سے بری سمجھتے ہیں۔ لیکن ذرا غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر باز پرس کی گئی ہے اور جو امر اس باز پرس کی بنا ہے اس میں عوام الناس بھی بدرجہ اولیٰ شریک ہیں۔ اس آیت میں اول سے آخر تک غور کرنے سے عوام اور علماء سب کے لئے اس آیت کا عام ہونا بخوبی واضح ہو جائے گا اسی طرح قرآن کی دوسری وہ آیات بھی ہیں جن میں سے بعض میں بظاہر اہل علم کو خطاب معلوم ہوتا ہے جس کی بنا پر عوام الناس ان کے مضمون سے اپنے کو بالکل بری سمجھتے ہیں بلکہ بسا اوقات علماء کو کسی مضمون کی وجہ سے موردِ عتاب دیکھ کر اپنا عالم نہ ہونا غنیمت سمجھتے ہیں اور اپنے جہل پر فخر کرتے ہیں اور بعض میں عوام الناس کو خطاب معلوم ہوتا ہے ان سے اہل علم اپنے کو بری سمجھتے ہیں لیکن یہ تقسیم اسی وقت تک ہے جب تک کہ سرسری اور ظاہری نظر کی جائے ورنہ غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا کہ احکامِ شرعیہ عام ہیں ہر جاہل و عالم اس کا مخاطب ہے لہذا نہ کسی کو ناز کا موقع ہے اور نہ اعتقادِ برائت کی گنجائش ہے اور چونکہ یہ آیت بھی احکامِ شرعیہ میں سے ایک حکم سے اس لئے اس کا مضمون بھی سب کو عام ہے یہ مجمل تعین اس آیت کے مضمون کی۔

اب مجھے اس آیت سے جو بیان کرنا مقصود ہے اس کو مجملاً بیان کرتا ہوں اور تفصیل اس کی ان اشاراتِ تعلقہ پوری بیان میں ہوگی۔ لیکن اس کے لئے اول آیت کا ترجمہ کر دوں کہ آیت کا مدلول ظاہری معلوم ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ کیا تم دوسروں کو تو نیک اور بھلی باتوں کی فرمائش کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو (یعنی یہ کیا لغو حالت ہے) حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو (اور اس میں یہ لکھا ہے کہ عملِ قول کے مخالف ہونا مذموم ہے اور حکمِ خداوندی

کے بالکل خلاف کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ یہ مذموم ہے اور خدا کے نزدیک بُرا ہے یہ حاصل ہے آیت کے مدلول ظاہری کا۔ اس آیت کے متعلق ایک شبہ کو اہل علم کو ہوا اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ ضمناً بیان کر دیا جائے گا۔ اور ایک شبہ عوام الناس کو ہوا وہ یہ کہ انہوں نے صرف علماء ہی کو اس آیت کا مخاطب سمجھا اور اپنے کو بری سمجھا، اور سمجھا کہ صرف علماء پر ملامت ہے اور قرینہ اس شبہ کا یہ ہوا کہ عنوان ایسا اختیار کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب وہ شخص ہے جو کہ دوسرے کو امر یا نصیحت کرتا ہے اور یہ منصب صرف علماء کا ہے لہذا علماء ہی اس آیت کے مخاطب بھی ہوں گے۔ یہ عوام الناس کا شبہ ہے، اور اثر اس شبہ کا یہ ہوا کہ اپنے کو اس خطاب سے بالکل پاک سمجھا اور یہ بہت بڑی خرابی ہے اس واسطے کہ یہ سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی مریض جو کہ مرض مزمن میں مبتلا ہو اپنے کو اس مرض سے پاک سمجھنے لگے سو ظاہر ہے کہ ایسا مریض نہایت بد قسمت ہے اور اس کا مال نہایت بُرا ہے کیونکہ اگر یہ اپنے کو مریض سمجھتا تو اس کے معالجے اور ازالے کی فکر بھی کرتا، کسی طبیب سے رائے لیتا، اس کی تجویز پر عمل کرتا مضرات سے پرہیز کرتا۔ اور جبکہ وہ اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتا تو نہ کسی طبیب سے رجوع کرنے کو ضروری سمجھے گا نہ پرہیز کرے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ مرض میں ترقی ہوتی جائے گی اور اس سے پھر دوسرے امراض پیدا ہوں گے۔ ایک خرابی تو اپنے کو پاک سمجھنے کی یہ ہوئی۔ دوسرے جب عوام نے سمجھا کہ علماء کو اپنے عمل نہ کرنے اور دوسروں کے نصیحت کرنے پر عتاب ہوا ہے تو انہوں نے اپنے عالم نہ ہونے کو غنیمت جانا بلکہ بسا اوقات اپنے جاہل رہنے پر فخر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے تو جاہل ہی اچھے حالانکہ نہایت لغو فخر ہے اس کی حقیقت ان شاء اللہ تعالیٰ آگے معلوم ہوگی۔ آج کل ہم لوگوں کی کچھ ایسی عجیب حالت ہے کہ ہم کو نہ نقائص کی خیر نہ فخر و مباہات کی اسٹیج پر اطلاع جس چیز پر جی چاہا

فخر کرنے لگے جس چیز میں جی چاہا عیب نکال دیئے۔ چنانچہ بعض لوگوں کو ضبط ہوتا ہے کہ وہ اپنے غریب اور مفلوک الحال ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں اور امارت میں عیب نکالا کرتے ہیں، بھلا امیر آدمی اگر فخر کرے تو ایک حد تک بجا بھی ہے کیونکہ اس کے پاس سامانِ فخر موجود ہے غریب آدمی نہ جس کے کھانے کو ٹکڑا نہ پہننے کو لنگوٹا وہ کس چیز پر فخر کرے اور پھر لطف یہ کہ یہ فخر قولاً ہی نہیں بلکہ عمل میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی موقعِ تقرب و غیرہ کا ہوتا ہے تو ہم نے ان غرباء ہی کو زیادہ ایلٹھتے ہوئے دیکھا ہے ان ہی کو سب سے زیادہ نخرے اور ناز سو جھتے ہیں اور اس کی یہ بھی وجہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ شخص ہماری دعوت کا منتظر بیٹھا تھا۔ اسی طرح ان غرباء کا ایک اور مقولہ بھی مشہور ہے کہتے ہیں کہ میرا کوئی مال میں مست ہے کوئی کھال میں مست ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کھال میں مست ہونے کے کیا معنی ہیں لیکن خیر انہوں نے اتنا اقرار تو کیا کہ ہم میں عقل نہیں کیونکہ اپنے کو مست کہا اور مستی عقل کے خلاف ہوتی ہے اور اگر عقل ہوتی تو ایسی حرکت ہی کیوں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تین آدمیوں سے سخت بغض ہے۔ ایک وہ شخص کہ بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے کیونکہ جھوٹ بولنے کی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ جو بات سچ بولنے میں حاصل نہ ہو سکے اس کو اس ذریعہ سے حاصل کیا جائے اور یہ ضرورت اس شخص کو پیش آسکتی ہے جس کے مزاجم کوئی ایسی قوت موجود ہو جو کہ اس کے اور مقصود کے درمیان حائل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کوئی ایسا مزاجم پیش نہیں آیا لہذا اس کا جھوٹ بولنا خبیث باطن کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے وہ شخص کہ بڑھا ہو اور پھر زنا کرے کیونکہ زنا اول تو حرام ہے دوسرے بڑھے آدمی میں کوئی ایسا جوش بھی نہیں جس کی بنا پر کسی مرتبے میں اس کو معذور رکھا جاسکے اس لئے اس کا یہ فعل

بھی اس کے خبثِ باطن کی دلیل ہے۔ تیسرے وہ شخص جو کہ غریب ہو اور تکبر کرے گو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے شخص تیرے پاس کیا چیز ہے کہ جس پر تو تکبر کرتا ہے تو ایسے ہی جاہل کا فخر بھی بہت ہی بُرا ہے۔ بالخصوص جبکہ جہل پر فخر ہو یعنی جاہل آدمی کا دوسری اشیا پر فخر کرنا بھی زیبا نہیں لیکن صفتِ جہل پر فخر کرنا بہت ہی نازیبا ہے کیونکہ علم انسان کے لئے حیات ہے اور جہل موت اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اکثر امرارِ جو رو پیے پر فخر کرتے ہیں یہ بھی حقیقتِ ناشناسی کے سبب سے ہے کیونکہ جب ان میں علم نہیں تو گو یا فخر کی کوئی بات نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۷

النَّاسُ مِنْ جَمْعَةِ التَّمَثَالِ أَكْفَاءُ أَبُوهُنَّ إِذْ مَرَّ بِالْأُمَّ حَوَاءُ
مَا الْفَخْرُ إِلَّا لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَهْمُ عَلَى الْهُدَى لِمَنْ اسْتَهْدَى أَوْلَادُهُ

لوگ شکل و صورت میں تو سب ایک جیسے ہیں باپ ان کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں پھر ایک دوسرے پر فخر کیسا سوائے اہل علم کے کیونکہ وہ اہل ہدایت ہوتے ہیں اور طالبِ حق کی رہنمائی کرتے ہیں)

دنیا پر فخر کرنے والوں کی نادانی بیان کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ حسب و نسب کوئی فخر کی چیز نہیں کیونکہ تمام لوگ ایک آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں اور اسی کے حکم میں ہے مال پر فخر کرنا کیونکہ آگے جو عدت مذکور ہے مشترک ہے آگے کہتے ہیں کہ البتہ فخر اگر کریں تو علماء کر سکتے ہیں کیونکہ وہ خود راہِ راست پر ہیں اور دوسروں کے لئے دلیلِ راہ بنتے ہیں اور مال کو تو اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا نہ ہونا موجبِ فخر ہو سکتا ہے کیونکہ مال کی حالت سانپ کی سی ہے کہ اس کا ظاہر نہایت دلکش و لفریب چمکتا چمکتا ہے لیکن اس کے باطن میں مہلک نہر بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح مال اگرچہ ظاہر میں آسائش و آرائش و راحت

و آرام کا سبب ہے لیکن اس کا باطن تمام خرابیوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے تو مال پر فخر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس پر فخر کرنے لگے کہ میرے تمام جسم کو سانپ لپٹے ہوئے ہیں اگر کوئی اس پر فخر کرے تو ظاہر ہے کہ سب عقلاء اس کو احمق بتائیں گے اسی طرح مال پر فخر کرنے والے کو بھی احمق سمجھنا چاہیے۔ حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ۷

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجُبَّارِ فِيْنَا

لَسْنَا عِلْمٌ وَلَا عُدَاءٌ مَالٍ

فِيْنَا الْمَالِ يَفِيْنَا عَنْ قَرِيْبٍ

وَرَانِ الْعِلْمِ بَاقٍ لَا يَزَالُ

(اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے ہمیں بہت خوشی ہے کہ انہوں نے ہمیں علم دیا اور

دشمنوں کو مال اس لئے کہ مال بہت جلد فنا ہو جائیگا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا)

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ صاحبو! مال وہ چیز ہے کہ اکثر تو حالت ہی میں جاتا رہتا ہے ورنہ مرض الموت میں تو اس کا جاتا رہنا بالکل ہی یقینی ہے کیونکہ شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ مرض الموت میں دو تہائی مال سے مالک کا حق جاتا رہتا ہے اور وارثین کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں وصیت کرے یا اپنا مال کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ایک ثلث میں جاری ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس تین ہزار روپے ہو اور وہ ان تین ہزار کی وصیت کرے یا دو ہزار کی وصیت کرے تو یہ صرف ایک ہزار میں جاری ہوگی بقیہ دو ہزار ورنہ کو دیا جائے گا اور یہ ایک تہائی بھی اس کے آنسو پوچھنے کے لئے اس کو دیدیئے ورنہ وارثین کا حق کل مال کے متعلق ہو جاتا ہے چنانچہ اگر وصیت نہ کرے تو یہ ثلث بھی وارثوں کو ہی مل جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال جس کو ہم اپنا سمجھ رہے ہیں واقع میں ہمارا نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ایسوں کو پہنچ جاتا ہے کہ جن کو دینا گوارا بھی نہیں ہوتا نیز اس تنہائی پر جو کچھ اختیار رہتا ہے وہ مرنے کے قبل تک رہتا ہے اور مرنے کے بعد تو کچھ بھی اختیار نہیں رہتا۔ یعنی اگر کوئی کفن بھی نہ دے تو یہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لہذا

معلوم ہوا کہ مال بہت جلد جدا ہونے والا ہے۔ حتیٰ کہ قبر تک بھی ساتھ نہیں دیتا کیونکہ قبر میں صرف ایک کفن جاتا ہے مگر کفن سے مردے کو کیا فائدہ۔ غرض نہ قبر میں گیا نہ حشر میں گیا اس لئے کہ وہاں یہ حالت ہوگی کہ لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ یعنی قیامت کے دن خدا تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم ہمارے پاس بالکل تنہا آئے ہو کہ کوئی چیز بھی تمہارے ساتھ نہیں بالکل ایسے جیسا ہم نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا۔ یعنی یکہ و تنہا ہاں اگر زندگی میں کچھ فی سبیل اللہ دیدیا ہے تو وہ بجائے گا لیکن اس کا جانا کچھ مال ہونے پر موقوف نہیں کیونکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے خود مال تو جاتا نہیں بلکہ اس کا ثواب جاتا ہے جو کہ حشر میں کام آئے گا اور ثواب کا حصول مال پر موقوف نہیں بلکہ اس کا دارنیت پر ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص لاکھوں روپیہ فی سبیل اللہ خرچ کرے اور نیت درست نہ ہو تو اس کو کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا اور اگر ایک پیسہ بھی پاس نہ ہو اور یہ نیت ہو کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو مال دیں تو ہم خوب نیک کاموں میں صرف کریں تو ثواب کامل مل جائے گا۔ برضلاف علم کے کہ جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے اس کو نہ رفیق کی ضرورت نہ مولس کی ضرورت وہ ہر وقت خوش اور مطمئن ہے بلکہ اس کی خوشی اور اطمینان کی یہ حالت ہے کہ کسی بادشاہ کو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں بادشاہ کو سب سے اول اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ مجھے زہرہ دیدیں مار نہ ڈالیں ایسے متعدد واقعات ہیں کہ خود بادشاہ کے حرم سرانے اس کو زہر دیا اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے مگر محفوظ بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علم کے ثمرات اس کے بھی کہیں زیادہ ہیں ہاں جن لوگوں کو علم نہیں ہے ان کو تعجب ہو تو تعجب نہیں مگر علم سے مراد یہ نہیں کہ قال دراصل قول بود جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِيَدِهِ فِي النَّاسِ رَجَمٌ نَعْمٌ لِّمَنْ هُوَ عَلِيمٌ كَوَاحِدٍ لِّمَنْ هُوَ لَمِيمٌ۔ اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

موحد چہ بر پای ریزی زرش

ہمین ست بنیاد توحید و بس

امید و ہراسش نباشد ز کس

(موجد کے پر پر خواہ تم سونا بکیر دو یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھو وہ
 نہ کسی سے خوف کھاتا اور نہ کسی سے امید وابستہ کرتا ہے اور توحید کی بنیاد
 بھی ہی ہے)

اگر چاروں طرف سے اس کو تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہر اس
 نہیں ہوتا ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تھے
 دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے اترے۔ اتفاق
 سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کوئی اس وقت قریب نہ تھا
 آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے اسی
 وقت آپ کے ایک دشمن کو خبر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تنہا فلا درخت کے
 نیچے سو رہے ہیں۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً وہاں آیا آکر دیکھا
 تو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا سو رہے تھے اور تلوار درخت پر
 لٹک رہی تھی اس نے اول دے پانوں آکر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اس
 کو نہایت آہستگی سے پیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا جب بالکل
 تیار ہو گیا تو آپ کو بیدار کیا اور پوچھا مَنْ يُعْصِمُكَ مِنْتِي اس وقت آپ کو
 مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپ نے اس کی یہ ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں
 فرمائی اور اس کے سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ اللہ یعنی
 مجھے اللہ بچائے گا۔ بھلا کوئی ایسا کر تو دکھلاوے۔ بدون خدا کے تعلق کے
 کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ تو علم اس کا نام ہے ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب
 جانتا ہے۔ اس ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ وہ لرزنے لگا اور تلوار چھوٹ کر زمین
 پر گر گئی آپ نے فوراً پیک کر تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اب تجھ کو مجھ سے کون
 بچائے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت کو دیکھ کر نہایت گھبرایا
 اور کہنے لگا کہ مجھے آپ ہی بچائیں گے آخر آپ نے اس پر کرم فرمایا اور اس کی گستاخی
 کو معاف فرما کر اس کو چھوڑ دیا۔ تو یہ ہے علم اور اس کا اثر جس کو کہتے ہیں کہ

موجدِ چہ بر پائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
 امید و ہراسش نباشد ز کس ہمیں سرت بنیاد توحید و بس
 اور لازماً اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ عَسَى
 اَنْ تَكُنْ هُوَ شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِسَا اوقات ایک چیز ظاہراً بُری مگر اہم ہوتی ہے لیکن
 فی نفسہ وہ اچھی ہوتی ہے، اس لئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور
 کفارہٴ عیثات ہو رہا ہے نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں اَنْ
 کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں اس میں ہمیں رکھیں چنانچہ
 اسی کو مصیبت کے موقع پر فرماتے ہیں وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ اِذَا اَصَابَتْهُمُ
 مُصِيبَةٌ قَالُوا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَا جِعُونَ ہ آپ ان ماہر لوگوں کو جو مصیبت پڑنے
 پر کہتے ہیں کہ میں اللہ ہی کا ہوں اور مجھے اسی کے پاس لوٹ جانا ہے خوشخبری دے دیجئے، مگر افسوس
 ہے کہ ہم لوگوں نے اب اس آیت کو موت ہی کے موقع کے لئے خاص کر لیا ہے ایک
 بڑھیا کا واقعہ ہے کہ اس کا بچہ اکثر مصیبت کے موقع پر اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ دیا کرتا تھا
 ایک دن وہ بڑھیا کہنے لگی کہ بچے خیر مانگ کس کو مارنیکا ارادہ ہے۔ اسی طرح سورۃ
 یٰسین کہ اس کو مصیبت کے آسان کرنے کے لئے پڑھا جاتا ہے لیکن اب عام طور
 سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سورۃ یٰسین صرف نزع کے وقت پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ
 آج دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کو جائے اور اس کی تکلیف
 دیکھ کر سورۃ یٰسین پڑھنے لگے تو اس پر کیسی ملامت اور لعنت ہوتی ہے حالانکہ
 نزع کے وقت بھی سورۃ یٰسین کو اس واسطے پڑھا جاتا ہے کہ اس کی برکت سے
 مشکل آسان ہو اگر حیات ہے تو اچھا ہو جائے اور اگر موت آگئی ہے تو اس کی
 برکت سے آسانی سے خاتمہ ہو جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ شب
 کے وقت گھر میں چراغ گل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّا لِلّٰهِ
 وَاِنَّا اِلَيْهِ رَا جِعُونَ ہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے لگیں کہ حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی کوئی مصیبت ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

گو یہ معلوم تھا کہ اِنَّا لِلّٰہِ مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے لیکن ان کو اس واقعہ کے مصیبت ہونے میں تامل تھا کیونکہ ظاہر یہ واقعہ ایک معمولی بات تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات مومن کو ناگوار ہو وہ مصیبت ہے اور چراغ کے گل ہونے سے جبکہ قصد نہ ہونا گھاری ہوتی ہے لہذا یہ بھی مصیبت ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ خدا نے اپنے بندوں کو ثواب عطا کرنے کے لیے معمولی معمولی طریقے رکھے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

ع ، رحمت حق بہتانہ می جوید

اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک بہانہ ڈھونڈتی ہے

اور اس سے بڑھ کر لیجئے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز جیب میں رکھ کر بھول جائے اور ادھر ادھر اس کو تلاش کرے تو اس تلاش کرنا میں جو ہریشانی اس کو ہوگی خدا تعالیٰ اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے اور کفارہ سیئات فرمائیں گے۔ بالکل ایسی حالت ہے کہ جیسے ہمارا چاہتا ہے کہ اس کے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ گرنے پڑنے پر بھی ہم کو پیارا آتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ بھی ہم کو ہر فعل پر ثواب عطا فرماتے ہیں مَا لَمْ یُکُنْ مَعْصِیَةً وَعِندًا (جبکہ وہ کسی گناہ اور دشمنی کی بنا پر نہ ہو) تو اِنَّا لِلّٰہِ جو سکھایا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے سے تخیفِ حزن ہو کیونکہ جب اس کو پڑھیگا تو اس مضمون کی یاد تازہ ہوگی کہ ہم خدا کی ملک ہیں وہ ہمارے مالک ہیں اور مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے مملوک میں جو چاہے تصرف کرے لہذا خدا تعالیٰ کو بھی اختیار ہے کہ ہم میں جو چاہیں تصرف کریں اور اس کا مخفف حزن ہونا ظاہر ہے دوسرے اس خیال کے تازہ ہونے سے خدا تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کی بدولت سنت سے سخت مصیبت بھی ہلکی ہو جاتی ہے

ع۔ از محبت تلخہا شیریں بود

(محبت کے سبب تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں)

دیکھئے جن لوگوں کو مردوں یا بازاری عورتوں سے تعلق ہو جاتا ہے وہ ان کے پیچھے کیا کیا مصیبتیں برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ جو تیاں بھی مارے تو ان میں لطف آتا ہے اور فخر کرتا ہے شہو ہے کہ ایک شخص بیوی پر توجہ نہ کرتا اور کسی بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا تھا بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بازاری بچھ سے زیادہ حسین ہو لیکن تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ بالکل کالی بھنگ ہے سخت تعجب ہوا اور اب وہ اس فکر میں لگی کہ آخر اس میلان کا سبب کیا ہے چھابین سے معلوم ہوا کہ جب یہ شخص اُس کے پاس جاتا ہے تو دور ہی سے دیکھ کر اس کو بُرا بھلا کہنا شروع کرتی ہے اور خوب جوتیوں سے خبر لیتی ہے۔ کہنے لگی کہ کبھی مشکل کام ہے آج سے میں بھی یہی وتیرہ اختیار کروں گی چنانچہ جب شوہر آیا تو اس نے دروازے ہی سے اس کی خبر لی یعنی شروع کی اور خوب جوتیوں سے پٹیا کہنے لگا کہ بس اب میں کہیں نہیں جاؤں گا آج تک تجھ میں یہ کسرتھی سوا اب وہ پوری ہو گئی اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اگر محبت میں اگر محبوب کی طرف سے کوئی مصیبت بھی آئے تو وہ موجب فرح ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ یہ محبت مجازی کیا ہوتی ہے اس محبت کی حقیقت یہ ہے کہ

عشقیہائے کز پتے رنگے بود عشق بنود عاقبت ننگے بود

وہ عشق جو نفظ اچھے رنگ اور خوبصورتی کے باعث ہو وہ عشق نہیں ہوتا

بلکہ آخرت کی بربادی ہوتی ہے)

البتہ خدا تعالیٰ سے جو محبت ہو وہ قابل اعتبار ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ

عشق با مردہ بنا شد پا ندار عشق با با حئی و باقیہوم دار

مرنے والوں کے ساتھ عشق پائدار نہیں ہو سکتا عشق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ

پیدا کرو جس کی صفت زندہ اور باقی رہنے والا ہے)

تیسرے اس معرفت سے یہ معلوم ہو گا کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے اور

کوئی محبِ محبوب کو تکلیف نہیں دیا کرتا لہذا ہم پر جو ظاہراً تکلیف آتی ہے یہی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کسی بچے کے ذہن میں جس نے اس کو بجد تکلیف دے رکھی ہو یا آئندہ تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو منتشر لگواتے ہیں کہ وہ ظاہراً تو تکلیف ہوتی ہے لیکن واقع میں کامل راحت کا سامان ہوتا ہے اس تکلیف کی وہ حالت ہوتی ہے کہ

طفل می لرزد ز بیش احتیاج مادہ مشفق ازالِ غم شاد کام
 کہ بچہ تو ڈرتا ہے لرزتا ہے اور ماں خوش ہو رہی ہے حتیٰ کہ نشتر لگانے والے کو انعام دیتے ہیں سو اگر کوئی آجنبی تعجب کرنے لگے اور کہے کہ یہ انعام کس بات کا دیا ہے اس شخص نے تو تکلیف پہنچائی ہے اس کو تو سزا دینی چاہیے تو ماں باپ کہیں گے کہ احمق یہ تکلیف نہیں یہ عین راحت ہے کیونکہ یہی تکلیف ہے جس کی بدولت لڑکے کی زندگی کی امید ہو گئی ورنہ یہ ذہن بڑھتا اور اس کا زہریلا مادہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا اور لڑکا ہلاک ہو جاتا۔ تو جب ماں باپ کا نشتر لگوانا اور اس کی تکلیف دنیا بوجہ ذریعہ راحت ہونیکے ناگوار نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنے بندوں سے ہے پھر اگر وہ فقر و فاقہ ڈالیں یا کسی اور مصیبت میں گرفتار کر دیں تو اس کو نشتر کے قائم مقام کیوں نہیں سمجھا جاتا تو علم سے یہ فائدے ہیں جو کہ مال سے نہیں ہو سکتے اور یہ فائدے تو دنیا میں ہوتے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایمان پر خاتمہ ہو اور یہ علم کی بدولت ہوتا ہے جاہل آدمی کا خاتمہ اکثر خراب ہوتا ہے لیکن جاہل سے مراد وہ ہے کہ نہ تو خود پڑھے اور نہ اہل علم سے ملے نہ کسی سے پوچھے تو ایسے شخص کے ایمان کا بھروسہ نہیں کیونکہ جب یہ شخص مرتا ہے تو شیطان اس کو یہ سمجھاتا ہے کہ تو اس وقت اپنی سب پیاری چیزوں سے چھوٹ رہا ہے اور خدا تعالیٰ تم کو ان چیزوں سے چھڑا رہے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے بغض ہو جاتا ہے اور کفر پر خاتمہ ہوتا ہے برخلاف اس کے

اگر علم ہو تو اس قسم کے اندیشے نہیں رہتے۔ لیکن عالم سے خاص وہی مراد نہیں جو عربی یا ہی پڑھا ہو بلکہ یا پڑھا ہو یا علماء کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل کر لیا ہو یا علماء سے پوچھ پوچھ کر قدر ضروری معلوم کر لیا ہو غرض علم ایسی نعمت ہے مگر آج کل دنیا کو ایسا مقصود بنا رکھا ہے کہ بہت لوگ علماء کو ترقی کا مانع سمجھتے ہیں اور ان کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور نماز میں بھی ان کی اکثر کسی وجہ سے ہوتی ہیں اور اگر وہ باء کی وجہ سے نہ بھی ہوں تب بھی چونکہ دل میں رچی ہوئی نہیں ہوتی اس لئے وہ کچھ بھی مفید نہیں ہوتی۔ ان کے پڑھنے کی بالکل وہ حالت ہوتی ہے جیسے کہ کسی نے ایک طوطے کو آلم تر کیف تک یاد کرا دیا تھا کہ وہ بے تکلف اس کو پڑھتا چلا جاتا تھا لیکن اگر اس پر بلی گرتی تو کیا اس وقت بھی اس کو کوئی سورۃ یاد رہ سکتی تھی کبھی نہیں اس لئے کہ اس کے دل میں کچھ بھی نہ تھا کسی نظریف نے ایک طوطے کے مرنے کی تاریخ لکھی ہے اگرچہ اس نے محض تمسخر کی بناء پر لکھی ہے لیکن بات نہایت گہری اور کام کی ہے۔ ۱۲۳ء میں کسی طوطے کا حادثہ ہوا تھا اس وقت یہ تاریخ لکھی گئی ہے لکھا ہے یہ

میاں بیٹھو جو ذاکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے

گر بہ موت لے جو آد ابا مضطرب ہو کے اور گہرا کے

چونچ میں لیکے پانی کی کھلیا کچھ نہ بولے سوائے ٹٹے ٹٹے

ٹ کے عددیت کی برابر ہیں تو تین ٹ کے عدد ۱۲ سو ہوئے اور تین ٹی کے عدد ۳۰ کل ۱۲۳ ہوئے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ چونکہ طوطے کے محض زبان پر ذکر حق تھا اور دل میں اس کا کچھ اثر نہ تھا اسلئے اس مصیبت کے وقت کچھ بھی یاد نہ آیا اور ٹان ٹان کر کے غامت ہو گیا۔ یاد رکھو اگر محبت دین کی دل میں نہیں ہے تو یہ سب لفاظ ہئے کہ اوپر سے نہایت مکلف اور خوشنما لیکن اندر سے بالکل سادہ۔ مشہور ہے کہ ایک میراثی کسی سے پاس لفاظ لے کر آیا دیکھا کہ اوپر سے بالکل سادہ ہے سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ حضور نہایت جلدی میں خط دیا، لکھنے کا موقع نہیں

مکتوب الیہ کو خیال ہوا کہ اندر مضمون ہوگا کھول کر دیکھا تو خط بھی بالکل سادہ۔ پوچھا کہ بھائی اس کا کیا سبب کہنے لگا حضور میں عرض کر چکا ہوں کہ بہت ہی جلدی میں خط دیا ہے لکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہم لوگوں میں اکثر کی تو بعینہ یہی حالت ہے کہ اندر باہر دونوں جانب سے محض کورے۔ اور جو لوگ کچھ ہیں بھی تو محض ظاہر ہی مکلف ہے اندر خاک بھی نہیں۔ حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ چاہے لغافہ باہر سے زیادہ مکلف نہ ہو لیکن اندر مضمون سے پتہ ہو۔ اسی طرح ہم اگر بہت سی نقلیں نہ پڑھیں بہت ذکر و شغل نہ کریں صوفیہ کی صورت نہ بنائیں تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن دل محبت الہی سے بھرا ہوا ہونا چاہیے۔ اور علم حقیقی یہی ہے جس سے دولتِ محبت دل میں ہو اسی علم کو حضرت علیؑ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

رضینا قسمة الحبب ارفینا لنا علمٌ وللجہال مال

رہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے راضی اور بہت خوش ہیں جو جارے اندر جاری

فرمائی کہ ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو مال،

تو فخر کی چیز اگر ہو سکتی ہے تو یہ علم ہو سکتا ہے نہ کہ جہل مگر آج وہ حالت ہے کہ جہل پر بھی فخر کیا جاتا ہے کوئی ان سے پوچھے کہ بھائی تم کس طرح اچھے اور قابل فخر ہو گئے بلکہ عالم اگر بد عمل بھی ہے تو وہ تم سے بدرجہا اچھا ہے کیونکہ وہ مریض ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو نسخہ بھی معلوم ہے۔ جب دوا توجہ کرے گا علاج کر لے گا اور تم سراپا مرض ہو لیکن نہ مرض کی خبر نہ نسخہ پورا اطلاع۔ غرض کسی حال میں جہل کوئی فخر کی چیز نہیں۔ مگر بعض جہال اس بناء پر فخر کرتے ہیں کہ اہل علم کے متعلق وعیدوں سے بری ہیں حالانکہ اول تو اہل علم کے متعلق جو وعیدیں ہیں ان میں علم سے خاص اصطلاحی مولویت ہی نہیں بلکہ مطلقاً ماننا مراد ہے سو ایسا علم تقویراً بہت ہر شخص کو ہوتا ہے دوسرے اگر علم نہ بھی ہو تب بھی الزام سے بری نہیں ہو سکتے کیونکہ علم نہ ہونے کا الزام اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ علم عمل کا موقوف الیہ ہے اور موقوف علیہ زیادہ مہتمم بالشان اور باعتبار اہتمام کے زیادہ افضل ہوا کرتا ہے اب میں اس کو بیان کرتا ہوں کہ آیت کے خفا

سے چلا کیوں پاک نہیں ہو سکتے اور اس کے سمجھنے کے لئے الزام کی حقیقت پر غور کرنیکی
 ضرورت ہے جس کو میں اس آیت سے استنباط کرتا ہوں لیکن یہ استنباط قیاس و ظن
 نہیں ہے بلکہ دلائلِ النص سے ثابت ہوتا ہے جو کہ قیاس قطعی ہے۔ حاصل اس الزام کا جو کہ
 آیت میں مقصود ہے اور جو کہ عالم جاہل سب میں پایا جاتا ہے اور جو کہ نہایت زہرا
 مرض ہے یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے بلکہ دوسرے کے عیوب کو دیکھا کرتے
 ہیں ہم شب و روز دوسروں کا تذکرہ کرتے ہیں ان کے عیب نکالتے ہیں لیکن ہمیں
 دیکھتے کہ ہم میں کیا کیا عیوب موجود ہیں اور یہ عیوب دوسروں کے عیوب سے بڑھ
 ہیں یا نہیں کیونکہ امر کرنا لوگوں کو نیک کام کا موقوف اس پر ہے کہ دوسروں کی
 کوتاہیوں پر نظر نہ پھر اس کے ساتھ نسیان نفس کو طرا کر دیکھا جائے تو حاصل یہ
 نکلیگا کہ تم دوسروں کے عیوب کو تو دیکھتے ہو اور اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے یہ مرض
 ایسا چاہے کہ اکثر مواقع پر اس کا زبان سے بھی اظہار ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی امراض
 وبائیہ پھیلنے ہیں تو اکثر کو تو اس کا احساس بھی نہیں کہ ان مصائب میں معاصی کا کچھ
 دخل ہے بلکہ اس کو ہول کے فساد کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کا تو ذہن بھی یہاں تک
 نہیں پہنچتا کہ گناہوں کو بھی اس میں کوئی دخل ہے حالانکہ یہ ان کی سنت غلطی ہے ہم
 ان سے سوال کرتے ہیں کہ آخر ہوا میں فساد کیوں آیا اگر کہا جائے کہ شدت گرمی یا
 سردی کے سبب ایسا ہوا تو میں کہوں گا کہ گرمی یا سردی میں اس قدر شدت کیوں ہوئی
 لیکن یہ خطاب جس کا اتہا آگے خدا کی مشیت پر ہو گا مسلمانوں ہی سے ہے بلکہ ان سے
 نہیں اگرچہ ہمارے پاس جواب ان کے اعتراضات کے موجود ہیں اللہ کا شکر ہے
 کہ ہم ان کے جواب دینے سے بھی عاجز نہیں مگر یہ اس کا موقع نہیں ہے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں با ناقد ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست
 غرض مسلمان عوام اس جس چیز کو بھی سبب بتلائیں گے ہم اسی کی بابت پوچھیں گے کہ
 آخر یہ کیوں ہوا کسی حد پر پہنچ کر ان کو یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ خدا کے حکم سے
 ہوا اس وقت کہیں گے کہ اس کا کیا سبب کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت یہ حکم

کیوں فرمایا جس سے یہ مصیبت پیدا ہوگئی اور پھر خود ہی قرآن سے ہم جواب میں کہیں گے کہ سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم سے گناہوں کے سبب ناراض ہوئے اور مصیبت بھی
 مَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَكَيفَؤُا۟ عَن كَثِيرٍ مِّنْهُنَّ
 تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوتوں کی بدولت پہنچتی ہے اور بہت سی
 باتوں سے رد گزر بھی فرماتے ہیں اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو پھانسی دیدی
 جائے اور اس کی موت کا سبب پوچھا جائے تو ظاہر میں ہر شخص یہی کہیگا کہ
 پھانسی کی رسی گلے میں اٹک گئی اس سے مرگیا مگر ایک عقلمند اس پر بس نہ کریگا بلکہ
 وہ پوچھیگا کہ رسی کیوں گلے میں لٹکی اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ایک شخص نے
 لٹکا دی تو وہ پوچھیگا کہ اس نے کیوں لٹکانی اس پر کہا جائے گا کہ حاکم نے اس کو
 حکم کیا تھا تو علت اخیر حاکم کا حکم نکلا۔ لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ حاکم نے ایسا
 حکم کیوں دیا اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس شخص نے کسی کو قتل کیا تھا یا ڈکیتی
 کا مرتکب ہوا تھا اس جواب کے بعد پھانسی پر لٹکنے کا اصلی سبب کھل جاتا ہے تو
 ایسے ہی وبادعد کے حکم سے آئی لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہمارے جرائم کے سبب سے ہوا
 اسی کو فرماتے ہیں فَلَمَّا اسْفُوتَا اسْتَقَمْنَا مِنْهُمُ رَجِبَہِمْ اِن لُّوْکُوْنَ لَعَدُوًّا رِیَا
 تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا، جزاء الاعمال میرا ایک رسالہ ہے اس میں اس بحث کو مبسوط
 لکھا گیا ہے اور بجز اللہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ہم کو جو کچھ ابتلاء ہوتا ہے ہمارے اعمال
 کے سبب ہوتا ہے تو عوام الناس کا مبلغ پر تو محض اسبابِ طبیعیہ ہیں لیکن جو قدرے
 فہیم اور دیندار ہیں وہ اگر ان سبب امراض کو خدا تعالیٰ کے حکم سے مانتے ہیں اور
 یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہوں کے سبب سے یہ حکم ہوا لیکن ہمیشہ دوسروں کے گناہوں کو
 شمار کرتے ہیں او پاس کا ذکر تھا کہ دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے
 اکثر لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ لوگوں کو زنا اور قمار میں مبتلا دیکھ کر کہا کرتے ہیں
 کہ اسی سبب سے تو قحط ٹوٹ رہا ہے۔ مگر کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس نے اپنے اعمال
 کو اس کا سبب بتلایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اس کی ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ

سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی فرمایا کہ قحط کے دور ہونے کی سولے ٹاس کے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ مجھ کو شہر سے نکال دو کیوں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ محض زبان سے کہنے پر بس کیا ہو بلکہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ ایک بزرگ کہتے تھے کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ میرے گناہوں کے سبب یہ سب لوگ ہلاک نہ ہو جائیں یہی امراض ہیں جن کا علاج بزرگوں نے کیا ہے کہتے ہیں۔

یکے آنکھ بر غیر بد بین مباحش دوم آنکھ بر خویش خود بین مباحش

دایک تو یہ غیر کو ملامت سمجھو احد دوسرے یہ کہ خود کو سب سے بہتر سمجھو

یہاں رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے

بدن پر سانپ پھولپٹا رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے لیکن اپنے سانپ اور پھول کی بخر

نہیں لیتا جو کوئی دم میں تھک کر فنا کئے ڈالتے ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں

کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تھکے

کا تذکرہ کر رہے ہیں حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں

کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ اور دوسرے کے عیب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ

اور بے ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی ضرورت شرعی نہ ہو اور ایسے افعال جو

شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں حدیث میں ان کے ترک

کا امر ہے اور بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام فرمایا ہے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا

ہے کہ وہ کسی شخص کے مکان پر گئے اور دروازے پر جا کر آواز دی گھر میں سے جواب

آیا کہ وہ نہیں ہیں انہوں نے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں جواب آیا کہ معلوم نہیں لکھا ہے کہ

اپنے اس سوال پر کہ کہاں گئے ہیں تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایک لایعنی

سوال کیوں کیا۔ مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد مولانا فرید الدین صاحب کی نسبت سنہ ۱۸۷۰ء ہی کم بولتے تھے اور بلا کسی شدید ضرورت کے نگاہ کبھی اوپر نہ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ اگر ان سے کوئی بات پوچھتا تو زبان سے جواب دیتے لیکن منہ نہ اٹھاتے تھے صرف اس لئے کہ بلا ضرورت کیوں نگاہ کو صرف کیا جائے۔ نیز قرآن میں حکم بھی ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيُحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ طآپ مونیوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر چلا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، دوسری جگہ ارشاد ہے الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُوًا يَعْنِي غَاصِبِينَ أَبْصَارَهُمْ رجبو لوگ زمین پر اپنی نگاہیں جھکا کر چلتے ہیں۔

اہل لطائف نے لکھا ہے کہ شیطان نے بنی آدم کو پہکانے کی چار سمتیں بیان کی ہیں ثُمَّ لَا يَتَّبِعُهُمُ بَينَ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ دپہر یقیناً میں ان کے آگے پیچھے دائیں اور بائیں چاروں طرف سے آؤں گا اور دو سمتوں کو بیان نہیں کیا یعنی فوق اور تحت اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سمتیں محفوظ ہیں لیکن اوپر سے مراد دہلی کے چاندنی چوک کا کوٹھا نہیں ہے بلکہ آسمان مراد ہے لیکن ہر وقت اوپر دیکھنا بہت دشوار تھا اس لئے سب سے اہم سمت تحت ہے باقی چار سمتیں قدام۔ خلف۔ یمین۔ شمال۔ ان کی یہ حالت ہے کہ ان کی طرف دیکھنے میں اکثر انسان فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی سبب سے بعض اکابر نے یہاں تک، کیل ہے کہ شہر کو چھوڑ کر جنگل میں بو دو باشس اختیار کر لی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ

بزرگے دیدم اندر کوہ سائے نشستہ از جہاں در کنج غارے

چرا گفتم ہر شہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل بر کشائی

بگفت آنجا پر یرویان نغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

زمین نے ایک بزرگ کو ایک جنگل میں دیکھا کہ وہ دنیا کو چھوڑ کر ایک غار کے

گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ شہر میں کیوں نہیں آتے کہ کم از کم

ایک نر تو لوگوں کے دلوں سے گرے ہیں گھولیں یعنی لوگ آپ کے فیضِ محبت سے فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے ہوا ب دیا وہاں پری رو اپنے دام میں پھانس لیتے ہیں اس لئے

کہ جب کیچڑ زیادہ ہو جاتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے)

اسی حالت کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

ناہد نداشت تابِ جمالِ پر پرچساں کبچے گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

دزدانہ بری رُخِ والوں کے جمال کی تاب نہیں رکھتا تو تنہائی اختیار کر لیتا ہے اور خوفِ خدا

کا بہانہ ڈھونڈ لیتا ہے

بہر حال ایسا ہوتا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ ان چاروں سمتوں کی جانب

دیکھنا بہت کم کر دیا جائے اور اوپر کے دیکھنے میں گرنے کا اندیشہ ہے جیسا کہ

پہلے بیان ہوا پس تجربہ عقل نقل سب سے معلوم ہو گیا کہ حفاظت اور امن کی

سمت سمت تحت ہے۔ اور جب نر لوگوں نے لا یعنی امور سے اس قدر پرہیز کیا

ہے اور حدیث نے بھی مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَوَدَّةَ تَوَكُّدًا مَا لَا يُجِنِّي دَانَانَ كَا

اچھا اسلام یہ ہے کہ وہ بے فائدہ اور فضول قول و عمل ترک کرے، کا حکم کیا ہے اس لئے

تفتیشِ عیوب کے گناہ ہونے میں یہ قید لگائی ہے کہ بی ضرورت ہوا اور دوسروں کی

عیب جوئی اگر گستاہ بھی نہ ہوتی تو لا یعنی تو ضرورتھی اس

سے بچنا بھی ضروری ہے تو جبکہ وہ گناہ بھی ہے تو اس سے بچنا بدرجہ اولیٰ ضروری

ہے بعض احمقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تمام وقت فضولیات ہی میں

برباد کرتے ہیں مثلاً اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہ رضی اللہ

عنه کے معاملے میں آپ کی کیا تحقیق ہے کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ تجھ کو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی کیا پٹری تو اپنا معاملہ درست کر۔ مولانا محمد نعیم صاحب

لکھنوی فرنگی محلی کے پاس ایک رنگریز آیا کہنے لگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں

آپ کی کیا تحقیق ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میاں تم جا کر پٹریے رنگرہب تمہارے پاس

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ آئیگا تو لینے سے انکار کر دینا اور کہہ دینا کہ میں نے اسکی

تحقیق کی تھی مگر مجھے کسی نے بتلائی نہیں ایک اور صاحب ایک مولوی صاحب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی بابت دریافت کرتے ہوئے آئے کہ وہ ایماندار تھے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ تم کو نماز کے فرائض معلوم ہیں یا نہیں کہنے لگا کہ نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ غضب کی بات ہے کہ نماز جس کا سوال سب سے اول قیامت میں ہوگا اس کے وہ فرائض جن سے دن میں پانچ مرتبہ کام پڑتا ہے اور جن کے معلوم نہ ہونے سے احتمال ہے کہ وہ فوت ہو جائیں تو نماز ہی نہ ہو ان کی تم کو خبر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان جس کی بابت یقیناً ہم سے نہ قیامت میں سوال ہوگا نہ دنیا کا کوئی کام اس علم پر موقوف اس کی تحقیق کی جاتی ہے۔ صاحبو! اگر کوئی بُرا ہے تو تم کو کیا غرض اور اچھا ہے تو تم کو کیا مطلب تمہیں اپنی اچھائی بُرائی کی فکر ہونی چاہیے۔ باقی شخص کی خبر رکھنا یا اس کا خیال ہونا یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے یا اس کے بندے کا کام ہے جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو کہ اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر علم حالات اصلاح ممکن نہیں ہے اور اسی وجہ سے میں نے بلا ضرورت کی قید لگا دی تھی۔ اس لئے کہ مثلاً حاکم و قذح جب تک تفتیش حالات نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکیگا مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی نہ سنے آخراً آپ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لیگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے لیکن چونکہ جانتے تھے کہ خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز غصہ نہ آئیگا اس لئے ایک شخص نے جرأت کر کے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین ہم لوگوں نے صرف ایک

لٹا دیا لیکن آپ نے تین گناہ کئے ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں
 چلے آئے حالانکہ قرآن شریف میں صاف حکم ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَنَا غَيْرَ مَبْرُورِينَ
 حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَكَلِمَاتُ عَلِيِّ أَهْلِهَا د بلا اجازت اپنے گھر کے علاوہ کسی کے گھر میں
 مت جاؤ اور جب جاؤ تو پہلے گھر والوں کو سلام کرو دو سرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا
 اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے لَا تَجَسَّسُوا تیسرا یہ کہ آپ مکان کی پشت
 پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے لَيْسَ الْبِرَّ بِأَنْ تَأْتُوا
 الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ
 کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کر لو۔ آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت
 سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا آج کے مدعیان آزادی
 میں کہ بہانہ کی طرح نہ نماز کے نہ روزے کے کھایا اور ہوا پرستی میں عمر گزار دی
 صاحبو! اللہ یہ آزادی نہیں یہ نفس کی شرارت اور اتباع ہوا اور مطلق
 العنافی ہے اور یہ آزادی سائڈ کی سی آزادی ہے کہ جس کیفیت میں چاہا مت
 مارو یا جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کر لیا تو کہا کوئی آزاد صاحب سائڈ صاحب کو
 پسند کرتے ہیں اگر اس کا جواب نعم ہے تو آج سے آپ بھی ہماری طرف سے یہ لقب
 لیجئے اور اگر لا میں جواب ہے تو پھر ذرا مہربانی کر کے اپنے اور سائڈ میں کچھ فرق بتلائیے
 اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگرال ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت
 ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے۔ یا شوہر ہو کر اس کو بھی بیوی کے حالات
 کی تفتیش کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے متعلق اس کی اصلاح ہے یا کوئی شخص مصلح
 قوم ہو کہ اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت
 ہے ورنہ وہ غلط کچھ بھی نہ کر سیکے گا مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش
 سے مقصود اصلاح ہو اور اگر تحقیق کے لئے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت
 نہوگی کیونکہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ (اعمال کا دار و مدار صرف نیت پر ہے) اس
 استثناء کے بعد جو لوگ وہ گئے وہ دیکھ لیں کہ عیب جوئی اور عیب گوئی سے ان کا

کیا مقصود ہوتا ہے آیا یہ کہ اس شخص میں سے یہ عیب جانا رہے یا محض بدنام کرنا اگر پہلا امر مقصود ہے تو کیا وجہ کہ کبھی اس کے اسرار کیوں نہیں پائے گئے کیا کبھی کسی شخص نے صاحبِ عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہم لوگوں کی مجالس میں سات دن تمام مخلوق کی غیبیں شکایتیں ہوتی ہیں کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے کچھ بھی نہیں تو یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے جس کی برائی اور پر بیان ہو چکی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کبھی شیطان کو بھی برانہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر مجبُوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے شیخ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئی چو بگذشت بر عارف جنگ جوئے
گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پر تو اسختے
دیک خصلت بہلول نے کیا اچھا کہا تھا جب وہ ایک عارف سے ملا جو ہر وقت
لوگوں سے جھگڑا تلاش کیا کرتا تھا کہ اگر یہ مدعی دوست کو پہچانتا تو ہر وقت
دشمنوں سے جھگڑا نہ تلاش کیا کرتا

دیکھو اگر کسی کا محبوب بغل میں بیٹھا باتیں کر رہا ہو اس حالت میں ایک شخص آکر اس عاشق کو ماں کی ٹٹری ہونی گالی دے تو کیا عاشق کی طبیعت اس کو گوارا کریگی کہ محبوب کو چھوڑ کر دشمن کے انتقام لینے کے ورپے ہو جائے اور اگر اس نے ایسا کیا تو کہا جائے گا کہ اس کا عشق نہایت خام اور ناتمام ہے اسی طرح سمجھدار لوگ ایسے موقع پر سمجھ جاتے ہیں کہ شیطان جو ہمارا دشمن ہے وہ اس شخص کو بہلا کر لایا ہے کہ اس کو دوسری طرف مشغول کر کے بہکائے اس لئے وہ پر و ابھی نہیں کرتے اور محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جتنی اس میں کمی ہوتی ہے اسی قدر ان میں کمی بھی ہوتی ہے

ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ بزرگوں کی شان اور ان کے حالات کس طرح مختلف ہوتے ہیں انہوں نے جواب دیا فلاں مسجد میں تین بزرگ بیٹھے ہیں ان کے پاس جاؤ معلوم ہو جائے گا کہ بزرگوں کے حالات میں کیا فرق ہے چنانچہ وہ شخص گیا اور جا کر دیکھا کہ کوئی بے ادب آیا اور ان بزرگوں میں سے اول ایک کے ایک چپت رسید کیا انہوں نے اٹھ کر اتنے ہی زور سے ایک چپت اس کے بھی مار دیا اور پھر بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اس کے بعد وہ دوسرے بزرگ کی طرف متوجہ ہوا اور ایک چپت ان کے بھی مار دیا وہ بولے بھی نہیں اور اپنے کام میں لگے رہے اس کے بعد تیسرے کی طرف متوجہ ہوا اور ایک چپت ان کے مارا انہوں نے اُٹھ کر فوراً اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو دبانا اور پیار کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ تمہارے ہاتھ میں بہت چوٹ لگی ہوگی یہاں سے یہ تماشا دیکھ کر ان بزرگ کے پاس گیا اور تمام ماجرا بیان کیا کہنے لگے کہ بس اتنا ہی فرق ان تینوں کی حالات اور شان میں بھی ہے۔ تو دیکھ لیجئے کہ جو غیر صابر تھے اور انتقام لئے بغیر نہ رہ سکے وہ بھی لایعنی کے مرتکب نہیں ہوئے یعنی مارنے والے سے یہ سوال تک بھی نہیں کیا کہ تو نے ایسی حرکت کیوں کی بلا جَزَاءَ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّمَّا تَعْمَلُ پر عمل کر کے ایک چپت خود بھی اس کو مار دیا پھر اپنے کام میں لگ گئے آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیا قیامت قائم ہوتی ہے بلکہ بلا وجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں۔ میرے ایک دوست مولوی اسحق علی صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ چلا جا رہا تھا سامنے سے ایک شخص نظر پڑے مجھے خیال ہوا کہ یہ میرے ملنے والوں میں سے کوئی شخص ہیں اس خیال کی بنا پر میں نے نہایت تپاک سے ان کو سلام کیا قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرے صاحب ہیں اپنے دھوکہ کھانے پر میرے منہ سے لاجول نکل گئی بس وہ شخص سر ہو گیا کہ تم نے مجھ کو شیطان سمجھا اس لئے لاجول پڑھی۔ اب یہ کتنا ہی سمجھاتے ہیں خوشامد کرتے ہیں وہ مانتا ہی نہیں بڑی دوزخ ان کے پیچھے پیچھے چلا آئے شاید کسی گلی میں نظر بچا کر گھس کر جلدی سے نکل گئے جب پیچھا چھٹا غرض یہ حالت ہے

ہم لوگوں کے دیداروں کی حالانکہ پہلے لوگوں نے اس قدر احتیاط کی ہے کہ فضول باتوں سے بھی بچے ہیں ایک خرابی اور مسرت عیب جوئی اور عیب گوئی میں یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جا رہی ہے اس کو خبر نہ ہو اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برانہ کہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں علاوہ تیس بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ علاوہ تیس بعض اوقات پشت پاشت تک چلتی ہیں اور بناء ان کی محض ذرا سی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا۔ حالانکہ اگر کہہ بھی دیا تو کیا عزت میں فرق آگیا ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے چند مرید ساتھ تھے راستے میں ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص بڑا ٹھگ ہے ایک مرید کو اس پر بہت غصہ آیا اور اس شخص کے مارنے کو چلا۔ پیر صاحب نے روکا اور گھر پر لے گئے اور بہت سے لفظ جو ان کے نام آئے ہوئے تھے اس کے سامنے ڈال دیئے ان لفافوں میں بڑے بڑے القاب و آداب لکھے ہوئے تھے کسی میں قبل کونین کعبہ دارین کسی میں رہنمائے جہاں وغیرہ وغیرہ اور فرمایا کہ بھائی میں نہ تو اس قدر بڑا ہوں جتنا اس شخص نے ظاہر کیا اور نہ اس قدر اچھا ہوں جتنا ان لوگوں نے لکھا پس اگر خلاف واقع کہنے کی وجہ سے اس شخص پر غصہ آیا تو ان لوگوں پر بھی تو غصہ آنا چاہیے اور ان کا منہ بھی تو بند کرنا چاہیے جو کہ جنید عصر اور فرید وقت لکھتے ہیں۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کو ایک شخص نے آکر بڑا بھلا کہنا شروع کیا مولانا چونکہ بڑے مرتبے کے شخص تھے طالب علموں کو سخت غصہ آیا اور اس کے مارنے کو اٹھے مولانا نے فرمایا کہ بھائی سب باتیں تو جھوٹ نہیں کہتا کچھ تو سچ بھی ہے تم اسی کو دیکھو۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے بڑا کہا تو آپ سے اس کو بد یہ بھیجا اور امام صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ آپ کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی غیبت میں زیادہ مصلحت ہے تاکہ میری نیکیاں میری ماں ہی کے پاس رہیں غیروں کے پاس تو نہ جائیں حضرت۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے یا فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے عقلمند ہیں ہم لوگوں کی نیکیاں تو وہ لے لیتے ہیں یعنی چونکہ ہم ان کی بابت کسی کچھ کہہ دیتے ہیں، اور وہ اپنی نیکیاں کسی کو نہیں دیتے (یعنی چونکہ وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے) صاحبو! غور کرو کہ ایک یہ اسلاف ہیں جن کے وہ حالات ہیں ایک ہم اخلاف ہیں کہ جن کے یہ حالات ہیں خوب کہا ہے۔

مشیدم کہ مروان راہ خدا دل دشمنان ہم نکر دزد تنگ
ترا کے میسر شود این مقام کہ با دوستانت خلافت و جنگ
دین نے سنا ہے کہ خدا کے بندے دشمنوں کے دل کو بھی کبھی نہیں دکھاتے تمہیں
یہ مقام کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ تم دو عتوں سے بھی ہر وقت جھگڑتے
رہتے ہو۔

آجکل بڑے زور سے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں اتفاق رہے اس کے لئے تقریریں ہوتی ہیں اخباروں میں تحریریں مضامین بھیجے جاتے ہیں جلسے کئے جلتے ہیں لیکن جو نا اتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نا اتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا جس کو چاہا کہہ دیا۔ یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں اور پھر غضب یہ کہ بیچیا کبھی تھکتی بھی نہیں۔ دوسرے اعضا مثلاً سر، آنکھ، کان ہاتھ پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت بھی تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اسی لئے حدیث حد میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کر کے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بھی بگڑ جائیں گے۔ غرض عیب گوئی اور عیب جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اسمیں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف فراغت ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا یعنی ذکر اللہ کو

کرتے نہیں اس لئے دن رات کے چوبیس گھنٹے پورے ہونے کی اس کے سوا کوئی تریکیا نہیں کہ چند ایسے ہی ایسوں کا مجمع ہو اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے جائیں بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام فارغین سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج گنجفہ نرد وغیرہ میں مشغول ہو کر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اسلئے ان کو سوائے مجلس آرائی اور عیب گوئی کے اکثر اور کوئی مشغل ہی نہیں ملتا۔ لیکن اس سے میرا یہ مقصود نہیں کہ عیب جوئی سے بچنے کے لئے شطرنج یا گنجفہ کی اجازت دیتا ہوں ہرگز نہیں۔ ان دونوں کی حالت بول و براز کی سی ہے کہ براز بول سے زیادہ خراب اور بول براز سے زیادہ دوسرے شطرنج وغیرہ میں اکثر اس قدر اہماک ہوتا ہے کہ اس کی بدولت تمام دنیا و دین کے کاروبار چھوٹ جاتے ہیں میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک شخص شطرنج کھیل رہے تھے اور ان کا لڑکا بیمار پڑا ہوا تھا اتنا مشغل میں کسی نے آکر اطلاع کی کہ لڑکے کی حالت بہت خراب ہے کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور پھر شطرنج میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر میں پھر کسی نے آکر کہا کہ وہ مر رہا ہے کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور یہ کہہ کر پھر مشغول ہو گئے اس کے بعد کسی نے آکر کہا کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں یہ سوال و جواب سب کچھ ہو گیا لیکن ان کو اٹھنے کی توفیق نہ ہوئی جب شطرنج کی بازی ختم ہوئی تو آپ کی آنکھیں کھلیں اور ہوش آیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا فرمائیے جس کھیل کا انجام یہ ہوا اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے سوا اجازت مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ عوام تو مرتع گنا ہوں میں مشغول ہو کر غیبت سے بعض اوقات بچ بھی جاتے ہیں مگر مدعیانِ دینداری ظاہری تقدس کے پردے میں اس سے بڑھ کر گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں پس اس بنا پر ہماری وہ حالت ہے

از بروں چوں گور کا فر چل و اندروں تہر خدائے عز و جل

از بروں طعنہ زنی بر بائزید و از درونت ننگ میدار دیزید

دعا ہر تو کا فر کی طرح آراستہ و بی آراستہ اور اندر اور تھلے کا قبر نازل ہوتا ہے
 ماہر کی حالت اسکا بنا رکھی ہے کہ حضرت باہر بڑی بڑی جیسے بزرگ پر ہی اعتراض کرنے لگے
 اور اندر کی حالت ایسی ہے کہ اس کو دیکھ کر بڑیہ کو بھی شرم آنے لگی۔

صرف وضع کی درستی اور ظاہر کی آراستگی کا نام آج کل دینداری رکھ لیا ہے باقی
 اعمال و اخلاق وہ چاہتے کیسے بھی ہوں اور عوام کی حالت پر ایک اعتبار سے اس سے
 بھی زیادہ افسوس ہے کہ ان کا ظاہر بھی درست نہیں دینداروں میں اگر ایک کمی
 ہے تو ان میں دو ہیں اور یاد رکھو کہ ظاہر کی درستی بھی بیکار نہیں ہے اس کا بھی
 باطن پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے حضرت موسیٰؑ جب ساحران فرعون کے مقابلے
 کے لئے تشریف لے گئے تو مقابلے کے بعد ساحر تو سب مسلمان ہو گئے تھے لیکن فرعون
 نہیں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ سے اس کا سبب پوچھا ارشاد ہوا کہ لے
 موسیٰؑ ساحران فرعون اس وقت تمہارا لباس پہن کر آئے تھے ہماری رحمت نے گوارا
 نہ کیا کہ تمہارے ہم لباس دوزخ میں جائیں اس لئے ہم نے ان کو ایمان کی توفیق
 دیدی اور فرعون محروم رہا پس خلاصہ یہ نکلا کہ ظاہر کی درستی بھی اچھی چیز ہے
 مگر محض اس کی درستی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ باطن کو بھی درست
 و آراستہ بنانے کی فکر ہونی چاہیے۔ اور جو لوگ مقتدا ہیں وہ اس کی زیادہ فکر
 کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع
 الخلائق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے سینکڑوں
 آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے اور یہ
 اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج
 بھی کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو
 یوں کہتا تھا حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو لیس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ
 بیچیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ حضرت میر درد دہلویؒ کو سماع سننے سے کچھ رغبت
 تھی ان کی نسبت حضرت میرزا منہر جان جانا سے آکر کسی نے کہا کہ حضرت میر درد
 سماع سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا بیمار ہے

مرزا صاحب کے اس مقولے سے اکثر جاہلوں نے یہ سمجھا کہ میرزا صاحب حس پرست تھے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط اور بہتان ہے اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافت مزاج کے بد صورت آدمی کو دیکھ نہ سکتے تھے اور مرزا صاحب کے بچپن کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ یعنی مرزا صاحب کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں آپ کسی بد صورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے حالانکہ اس وقت آپ کو خوب صورتی بد صورتی کا ادراک بھی نہ تھا لیکن لطافتِ روح کے باعث آپ کو بد صورت آدمی سے اسی وقت تکلیف ہوتی تھی اور اس کا اثر بڑے ہو کر بھی تھا۔ غرض اس قسم کے حضرات ایسے لوگوں کا منہ اسی وقت بند کر دیتے ہیں اور جو لوگ احتیاط نہیں کرتے وہ ان آنے والوں کی بدولت اکثر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ

ہر کہ عیب دگراں سپیں تو آورد و شمر و بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد
(جو شخص تمہارے سامنے اگر دوسروں کے عیب پیش کر کے شمار کر اٹلے یعنی زیادہ

تمہارے عیب کو بھی دوسروں کے سامنے جا کر گناہے گا)

اس لئے میں نے کہا تھا کہ مقتدا لوگ باستثناء ممتاز عین و متقین کے زیادہ

اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہے وہ مرض اب میں اس مضمون کا مدلول آیت ہونا ظاہر کرتا ہوں۔ مگر اس کے لئے چند مقدموں کی ضرورت ہے اول اُن کو سمجھ لیا جائے اس کے بعد بہ آسانی یہ سمجھ میں آجائے گا۔

اول مقدمہ یہ ہے کہ نیک بات بتلانا ہر وقت طاعت ہے خواہ عمل کے

یا نکرے اور یہی وہ غلطی ہے جو کہ اس آیت کے غلط سمجھنے کی بدولت علماء

کو ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض نے وعظ و تلقین کو بالکل ہی ترک کر دیا

اور جب ان سے سبب پوچھا گیا تو یہ جواب دیا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے

أَنَا مُرَدُّونَ النَّاسِ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ

اور اس جواب کے بعد اپنے کو بالکل بڑی الذمہ سمجھ لیا مگر یہ دھوکہ ہے اور سبب
 اس دھوکہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود
 عمل نہ کرو تو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو حالانکہ یہ مقدمہ بالکل غلط ہے۔
 کیونکہ امر بالمعروف طاعت ہے اور اس طاعت کی شرائط میں یہ شرط
 کہیں نہیں کہ اگر خود بھی عمل کرے تو طاعت ہوگی ورنہ نہیں ہاں اپنا عمل نہ کرنا
 ایک مستقل گناہ ہے جو کہ قابل ترک ہے لیکن امر بالمعروف کے ساتھ اس کو
 شرطیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں اور یہ کسی حدیث سے یا کسی مجتہد کے قول سے
 ثابت نہیں کہ اگر گناہ سے نہ بچے تو دوسری طاعت بھی طاعت نہ ہوگی اور
 اگر اس کو مانا جائے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے إِنَّ الْحَسَنَاتِ
 يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے بارے
 میں ہے جو کہ نیکی بھی کرتا ہے لیکن گناہ میں بھی مبتلا ہے تو اگر گناہ کرنا دوسری طاعت
 کے طاعت نہ ہونے کا موجب ہو تو اس کفارہ سیئات کی کوئی صورت ہی
 نہ رہے گی اور مضمون آیت کے بالکل خلاف لازم آتا ہے البتہ اگر کسی ایسے گناہ
 کا مرتکب ہو جو کہ مفوت طاعت ہے تو بیشک پھر طاعت طاعت نہ رہے گی اور
 ایسا نہ ہونے کی صورت میں طاعت اپنی حالت پر رہے گی اگرچہ معصیت کرنے
 سے گناہ بھی ہوگا ہاں اتنا اثر ضرور ہوگا کہ گناہ کی وجہ سے طاعت کی برکت
 کم ہو جائے گی سو یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے
 وقت مستقل طور پر بیان کروں گا فرمایا کہ بہتر ہوا اگر مجھے اس کے متعلق یاد دلایا
 جائے کیونکہ بعض لوگوں کو اس مسئلے کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے گناہ کرنے
 میں بہت بے پروائی ہو گئی ہے اور یوں سمجھتے ہیں کہ گناہ کو طاعت کے عدم
 میں کچھ بھی علاقہ نہیں حالانکہ عدم برکت کا علاقہ ہے مگر اس وقت یہ بیان
 کرنا ہے کہ گناہ کرنے سے طاعت منعدم نہ ہو جائیگی اور دلیل اس کی یہ آیت ہے
 کہ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (بلاشبہ نیکیاں بلائیوں کو ختم کر دیتی ہیں)

جب اس کی بناء الگ ہوئی تو یہ سمجھنا کہ اگر وعظ کہوں گا تو گنہگار ہوں گا غلطی پر مبنی ہے پس امر بالمعروف و طاعت ہوا اور اس کا طاعت ہونا گناہ نہ کرنے پر موقوف نہ ہوا بلکہ آیت میں ملامت اس پر ہے کہ تم خود کیوں عمل نہیں کرتے۔ اور وعظ کے چھوڑ دینے سے تو دوسرا جرم قائم ہو گیا یعنی نہ خود عمل کریں اور نہ باوجود معلوم ہونے کے دوسروں کو بتلائیں یہ ہے علماء کی اس غلطی کا کشف۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب ایک شخص امر بالمعروف کرتا ہے جو کہ طاعت ہے اور طاعت مُزِيل ہوتی ہے معصیت کی تو اس کا اقتضایہ ہو سکتا تھا کہ یہ کفارہ ہو جاتا نسیانِ نفس بمعنی ترکِ عمل کا مگر اس طاعت کے ہوتے ہوئے بھی اس کا یہ نسیان اس امر بالمعروف سے ہوا تو جہاں امر بالمعروف بھی نہ ہو نری بد عملی ہی ہو جس میں عیب جوئی بھی داخل ہے وہ تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی ضرور ہوگی۔ خلاصہ یہ ہو گا کہ اے شخص جو کہ اپنی حالت کو بھول رہا ہے جبکہ تیری حالت ایک معصیت اور ایک طاعت کے مجموعہ پر بھی محل ملامت ہے تو جب طاعت ایک بھی نہ ہو بلکہ دونوں امر معصیت ہوں تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی اور دو معصیتیں اس طرح ہوئیں کہ بد عملی تو اپنی حالت پر رہی جس کو تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اور امر بالمعروف کے بجائے دوسرے کی عیب جوئی ہو گئی۔ تو اس حالت میں تو بدرجہ اتم ملامت ہوئی چاہئے پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس میں ملامت کی بناء بد عملی و عیب جوئی ہے علماء کو، یہی خطاب نہیں بلکہ جبلاء کو بھی ہے کیونکہ اس کا ارتکاب وہ بھی کرتے ہیں بلکہ جبلاء کو زیادہ سخت خطاب ہے اور علماء کو بلکہ کیونکہ ان کے پاس ایک نیکی تو ہے امر بالمعروف اور جبلاء کے پاس تو ایک بھی نہیں اب اس کو غور کیجئے اور جبہل پر اپنے فخر کو دیکھئے کہ اس کی بدولت تعزیماتِ الہیہ کی ایک دفعہ اور بڑھ گئی۔ مقصود اس سب سے یہ ہے کہ ہماری جو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ ہم دوسروں کی عیب جوئی کیا کرتے ہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنی فکر میں لگنا چاہیے۔

صاحبوں! اپنے جرائم کیا کچھ کم ہیں کہ ہم دوسروں کی فکر کریں۔ اور یہ جو میں نے کہا تھا کہ اصلاح قوم کے لئے تفتیش حالات جائز ہے اس کے کچھ آداب بھی ہیں ان کو معلوم کر لینا ضروری ہے سو ایک ادب تو اس کا یہ ہے کہ اصلاح کسی شخص کی مجمع عام میں نہ کی جائے کیونکہ اس سے دوسرے کو شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کا اثر یہ ہے کہ نصیحت کرنے والے سے بغض ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اس امر کو ترک کرنے کے بجائے اس میں اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ میری رسوائی تو ہو ہی گئی پھر میں کیوں چھوڑوں اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ یا تو خود اس کو خلوت میں لے جا کر اس سے کہہ دے یا اگر اس سے نہ کہہ سکے تو کسی ایسے شخص سے کہہ دے جو کہ اس کی اصلاح کر سکے لیکن اس کے دشمن سے نہ کہے کیونکہ دشمن سے کہنے میں اصلاح تو ہو نہیں سکتی ہاں تذلیل ہوگی۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ نرمی سے کہے تحقیر اور طعن کے طور پر نہ کہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر مجمع میں عام خطاب سے کہے تو ایسے پتے نہ دے کہ مجمع عام میں اس کی رسوائی ہو مجھے یہ امر بہت پیش آتا ہے یعنی یہ فرمایش کی جاتی ہے کہ فلاں شخص سو دلیت ہے ذرا وعظ میں اس کی خبر لیجئے گا یا فلاں شخص نے حقوق دبا رکھے ہیں ذرا اس کے متعلق فرما دیجئے گا لیکن میں بھلا انسان فرمائشوں پر کبھی عمل نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ طریق اصلاح بجائے مفید ہونے کے مضر ہے سننے والے قرائن سے سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں کو کہا جا رہا ہے اور اس سے مجمع عام میں اس کو شرمندگی ہوتی ہے جس کا نتیجہ بغض و عداوت ہے اور اس کے سبب اپنے فعل کی اور زیادہ چپ ہو جاتی ہے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان لوگوں کی اصلاح کرنی منظور ہے تو اول ان سے میل جول پیدا کیا جائے جب خوب بے تکلفی ہو جائے تو وقتاً فوقتاً نرمی سے ان کو سمجھایا جائے اور خدا تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کی جائے اور جو تند بیر ہو مفید ثابت ہوں ان کو عمل میں لایا جائے غرض وہ برتاؤ کیا جائے جو کہ اپنی اولاد سے لیا جاتا ہے کہ اگر ان کی شکایت کسی دوسرے سے کی جائے تو اپنے دوستوں سے کی جائے گی جو کہ اس کی اصلاح کر سکیں یا بزرگوں سے کی جائے گی کہ وہ اس کے لئے دعا کریں علیٰ ہذا

جن سے درستی کی امید ہوگی اُن ہی سے کہا جائے گا اور جہاں یہ بات نہ ہوگی وہاں زبان پر بھی اپنی اولاد کے عیوب کو نہ لایا جائے گا۔ یہ مثال بحدِ اشد ایسی عمدہ ہے کہ اس کے پیش نظر رکھنے کے بعد اصلاح کے تمام آداب معلوم ہو جائیں گے۔ یعنی جس مسلمان کی اصلاح کرنی چاہو یہ غور کر لو کہ اگر یہ حالت ہماری اولاد کی ہوتی تو ہم کیا برتاؤ اس کے ساتھ کرتے بسن جو برتاؤ اس کے ساتھ طبیعت بخونہ کرے وہی برتاؤ اس غیر کے ساتھ بھی کرو اور میں اس حدیث کے کہ **الْمُسْلِمُ مِزَاقُ** **الْمُسْلِمِ** دیکھنا دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہوتا ہے۔ یہی معنی بیان کیا کرتا ہوں یعنی جس طرح آئینہ کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے عیوب چہرہ کو تم سے چھپاتا نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح مسلمان کو بھی ہونا چاہیے کہ کسی مسلمان کے عیوب کو اس سے چھپائے نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہ کرے نیز یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ آئینہ کی طرح بالکل صاف باطن رہنا چاہیے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

کفرست در طریقت ماکینہ داشتن آئینے ماست بستہ چوں آئینہ داشتن

دہم سے مذہب میں بغض دیکھنے دل میں رکھنا کفر ہے۔ ہمارا دستور یہ ہے کہ دل کو

آئینے کی طرح صاف و شفاف رکھا جائے۔

یہ شعر اس مقام پر بہت زیادہ چسپاں تو نہیں ہے لیکن لفظ آئینہ کی مناسبت سے پڑھ دیا گیا ہے کہ آئینہ کی شان صفائی ہوتی ہے اور اوپر جو وجہ شبہ یا دو کیگی ہے وہ بھی صفائی کی فرد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب کسی کے عیوب پر مطلع ہو تو اس کو اطلاع کر دو اور اگر یہ کارگرنہ ہو تو خدا تعالیٰ سے دعا کرو۔ غرض دوسرے کی عیب جوئی و عیب گوئی ان مصالح سے تو جائز ہے اور اگر یہ مصالح نہ ہوں تو باستثناء ایک موقع کے بالکل حرام ہے اور وہ موقع یہ ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی عیب گوئی کرے کیونکہ مظلوم کو ظالم پر غصہ ہوتا ہے اور وہ غصہ حق ہوتا ہے پس شریعت نے مظلوم کو اجازت دیدی ہے کہ وہ اپنے غصے کو نکال

سبحان اللہ شریعتِ اسلام کی تعلیم بھی عجیب پاکیزہ تعلیم ہے کہ کسی ایک قابلِ رعایت پہلو کو بھی نہیں چھوڑا۔ مجھے تو اسلام کی تعلیم دیکھ دیکھ کر یہ شعر یاد آیا کرتا ہے کہ
 ارفق تبا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کوشمہ امین دل می کشد کہ جا اینجا ست
 دسر کی مانگ سے لے کر پاؤں تک جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں ایک مجبورہ سامنے آتا ہے اور
 وہ مجبورہ دل کو کھینچے چلا جا رہے کہ اصل دیکھنے کی جگہ تو یہی ہے

دیکھیے مظلوم چونکہ اپنے جائز غصے کو نکالتا ہے اور یہ طبعی امر ہے کہ اس کے ضبط سے کلفت ہوتی ہے تو اس کو اجازت دیدیگی نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ جب اس مظلوم کی غیبت سے لوگوں کو ظالم کے ظلم کی حالت معلوم ہوگی تو وہ اپنے بچانے کی فکر کر لیں گے بلکہ بعض بزرگوں نے تو ایک مضمیر مصلحت سے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مظلوم کو چاہیے کہ اگر اس کو باطنی قرائن سے معلوم ہو جائے کہ میرے صبر کرنے سے ظالم پر ضرور قہر نازل ہوگا (کیونکہ بعض شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ خالص ہوتا ہے) تو اپنی زبان سے کچھ تھوڑا ضرور ظالم کو کہہ لیا کرے کیونکہ اس کی خاموشی سے اندیشہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب دنیا ہی میں ظالم پر ٹوٹے۔ اور بعض بزرگوں کے کلام سے جو نہ کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے وہ اس بناء پر کہ صبر ایک نیک عمل ہے اس کے کرنے سے مظلوم کو زیادہ ثواب ملیگا۔ لیکن جنہوں نے کچھ کہنے کی اجازت دی اور اس کو افضل بتلایا انہوں نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بندے کو دوزخ کا عذاب نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے قہر سے محفوظ رہے شاید کسی طالب علم کو شبہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے قہر سے محفوظ رہنے کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ مظلوم معاف کر دے تو سمجھنا چاہیے کہ بعض لوگوں کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ معاف بھی کر دیں تو خدا تعالیٰ اپنا حق کہ ان کے بندے کو سنا یا تھا معاف نہیں فرماتے ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو کچھ یہودہ کہا ان بزرگ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ اس کے ایک دھول مار۔ وہ دلا متاقلہ ہوا فوراً وہ شخص زمین پر گرا اور مر گیا انہوں نے

اپنے مرید سے کہا کہ تم نے دیہ کی اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اور فرمایا کہ جب اس نے مجھے برا بھلا کہا تو میں نے دیکھا کہ تہر خداوندی اس پر نازل ہوا چاہتا ہے اسلئے میں نے چاہا تھا کہ میں خود ہی اس کو کچھ کہہ لوں تاکہ تہر خداوندی اس پر نہ پڑے لیکن تم نے دیر کی آخر یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ اور یہی راز ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں کڑوی دوا ڈالی گئی اور آپ کے منع فرمانے پر لوگوں نے نہیں مانا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوش آجانے کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے منہ میں دوا ڈالی ہے ان سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوئے عباسؓ کے کہ وہ شریک رلئے نہ تھے تاکہ مکافات ہو جائے اور یہ لوگ تہر خداوندی میں مبتلا نہ ہوں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اکثر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے تھے کسی نے اسکا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی اکثر حرکات سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میری تکلیف کی وجہ سے لوگ وبال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور میں نے ہر چند خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میری وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوتی حافظ فرماتے ہیں

سبب تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات بادروکشاں ہر کہ در واقفاد برافاد اور سے بیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد تا دلی صاحب دلی نامد بدرو

دہم نے اسی بدلا دینے جلنے ولے جہاں میں تجربہ کیا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ والوں کے ساتھ الجھ گیا وہ خود مبتلائے غضب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم کو ہوا نہیں کیا مگر اس وقت جب کسی صاحب دل کا دل دکھایا

تو چونکہ بعض کے معاف کرنے سے بھی پورا معاف نہیں ہوتا اسلئے وہاں کچھ کہہ لینا ہی مصلحت ہے غرض مظلوم کو اظہارِ ظلم کی بدون کسی مصلحت کے بھی اجازت ہے اگر وبال کے ٹل جانے یا ہلکا ہو جانے کی نیت ہو تو وہ مستحسن ہے لیکن غیر مظلوم کو مسالحہ سابقہ کے بغیر اجازت نہ ہوگی۔ اب میں اپنے بیان کو بقیہ آیت کا ترجمہ کر کے ختم کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں وَآتُمْ تَشْكُونَ الْكِتَابَ یعنی بادِ جو دیکہ تم

کتاب اللہ کو پڑھتے ہو اور اس کے احکام تم کو معلوم ہیں۔ شاید بعض لوگ اس ترجمے کو سنکر خوش ہوں کہ یہ تمام خطاب تو اون لوگوں کے لئے ہے جو کہ کتاب کو پڑھتے ہیں ہم چونکہ پڑھے ہوئے نہیں اس لئے ہم مخاطب نہیں ہیں لیکن یہ خوشی صحیح نہیں کیونکہ آگے یہ بھی ارشاد ہے **أَفَلَا تَعْقِلُونَ** یعنی کیا تم سمجھتے نہیں ہو جس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا جس طرح نقلی ہے عقلی بھی ہے۔ یعنی عقل بھی اس کے قبح کا فتویٰ دیتی ہے ہر حال اس آیت سے بدالالت مطابقی اس پر وعید ہوئی کہ اوروں کو سمجھاؤ اور خود عمل نہ کرو اور بدالالت التزامی و بدالالت النص یہ ثابت ہوا کہ اوروں کی بُرائی کے درپے ہونا اور اپنی برائیوں کو فراموش کرنا بُرا ہے ضرورت اس کی ہے کہ ہر وقت اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر ہو اور اس کے معالجے کی فکر کی جائے اور جس میں اپنی فکر کافی نہ ہو اس میں دوسرے ماہر سے رجوع کرو شرم و حجاب کی وجہ سے اپنے امراض کو معالج سے چھپایا نہ جائے کیونکہ اظہارِ مرض کے بغیر علاج ممکن نہیں۔ یہ بیان ختم ہوا۔ چونکہ اس مرض میں اکثر لوگ مبتلا تھے اس لئے اس لئے اس کا بیان کرنا ضروری سمجھا گیا سو بجز اللہ کافی گفتگو اس پر ہو گئی۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ ہم کو فہم صحیح اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین تمت بالخیر

قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

دعواتِ عبیدیت جلد پنجم

کا

چوتھا و عظیم ملقب بہ

تعلیم البیان

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ مولانا محمد اشرف علی صاحبہا نوی رحمتہ اللہ علیہ

ناشر

محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ کھانا نوی دفتر الایقان

مسافر خانہ بند روڈ کراچی

دَعَوَاتِ عَبْدِیَّتِ جلدِ چہم

کا

چوتھا و عظم ملقب بہ

تعلیم البیان

اَیْنَ	مَتٰی	کَم	کِیْفَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَعْمِرُونَ	اَشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بھیج کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
مدرسہ	۱۱ رجب	۱۔ گفٹہ	کھڑے	طلبہ تک مجلس مشفقہ کا افتتاح کیا تھا	مولوی	اندانہ	سب
املاؤ العلوم	۱۳۳۰ھ	۲۱ مشرف	ہو کر	اس لئے آفرید کے طریقہ کے	سعید احمد	۳۰ یا	طلبہ ہی
تفانہ بھون	ہجری -	۷ ۷ ۷	۷ ۷ ۷	متعلق بیان کیا گیا تھا۔	صاحب	۲۵-۲۵ آدی	تھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَرِئَاسَاتِهِ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِكَ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَيَبَارِكُ وَسَلِّمْ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی

الَّذِينَ عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ حَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ رَحْمَنُ نے قرآن کی تعلیم دی اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے انسان کو بڑانا سکھایا۔ یہ معلوم ہے کہ اس وقت ایک خاص مبارک مجلس کا افتتاح ہے جس کی غرض صرف یہ ہے کہ طلبہ کو بیان کرنا کی عادت ڈالی جائے تاکہ وہ غایتِ علم میں قاصر نہ رہیں اور ان کا پڑھا لکھا ان ہی تک محدود نہ رہے دوسروں کو بھی پہنچا سکیں اور اسی کے متعلق بیان کرنے کی غرض سے اس وقت یہ آیت تلاوت کی گئی ہے میں نے اپنے بیان کے لئے پہلے سے یہی آیت تجویز کی تھی مگر حسن اتفاق سے قاری صاحب نے بھی یہی رکوع سنایا۔ قاری صاحب کے شروع کرتے ہی مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ توافق تجویزوں کا انشاء اللہ اس مجلس کے مقبول ہونے کی علامت ہے حدیث شریف میں شب قدر کی بابت ارشاد ہے کہ چومکہ چند خواب متفق ہیں کہ اس عشرے میں قدر ہے اس لئے گمان غالب اسی کی موافق ہے اس سے عرفاء نے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ چند قلوب کا واردات مجتمع ہو جانا دلیل ظنی اس وارد کے صحیح ہونے کی ہوتی ہے اور ہر چند کہ ہم کیا اور ہمارے واردات کیا لیکن چھوٹی باتوں میں چھوٹے واردات کا بھی ہم وہی اثر کہیں گے جو کہ بڑی باتوں میں بڑے واردات کا اثر ہونا ہے تو اس وقت میرے اور قاری صاحب کے دل میں یہ آنا کہ اس آیت کی تلاوت کی جائے اور ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں کم از کم بحد اللہ اسلام تو ضرور ہے اور ہماری مجلس چھوٹی ہی سی مجلس ہے قرینہ اس کا ہے کہ یہ مجلس انشاء اللہ لا طائل نہیں ہے بلکہ امید ہے کہ مقبول ہوگی لیکن صرف اس قرینہ پر اکتفا و اعتماد نہ کرنا چاہیے بلکہ اس کی مقبولیت کے لئے تدبیر بھی کی جائے جو کہ اتباع سنت ہے اور اس کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہیے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ ختم بیان پر ہوگی دعائیں یہ بھی ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ اس کو با ثمر کریں اور اس میں سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت ہو اور حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو۔ بڑی چیز ہر امر میں دُعا ہے باقی سب دل شکن

قرائن درجہ فال میں ہیں جو کہ مبشر ہوتی ہیں اور سب سے اوتی درجہ بشارت کا ہوتا ہے اور اس کے بعد تدبیر کا مرتبہ ہے اور سب سے اعلیٰ مرتبہ وُعاء کا ہے جو تدبیر کے ساتھ ہو۔ گویا ہر امر میں کامیابی کے لئے علت تامہ کا جزو اخیر وُعاء ہے سو وُعاء کو بھی جلبِ منفعت میں بہت بڑا دخل ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب میں مقصود عرض کرتا ہوں۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے ان چھوٹی سی آیتوں میں اپنے خاص افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ جو سرِ رحمت ہے اور پھر اپنے اسم مبارک کو بھی عنوانِ رحمت ہی سے ذکر فرمایا اور اس آیت میں تین رحمتوں کا ذکر ہے اور تینوں بڑی رحمتیں ہیں اور ہر ایک کو اگرچہ ہی سے شروع کیا ہے کیونکہ الرحمن مبتداء ہے اور اس کے بعد خبر ہیں تو گویا عبارت یوں ہے الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ الرَّحْمٰنُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ الرَّحْمٰنُ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں نعمتوں کا منشاء خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی حاکم کسی سے کہے کہ مہربان حاکم نے تم کو عہدہ دیا۔ مہربان حاکم نے تمہاری ترقی کی۔ مہربان حاکم نے تم کو افسر بنایا۔ اس سے ہر اہل زبان سمجھ سکتے ہیں کہ منشاء ان تمام عنایتوں کا مہربان ہے پس اسی طرح ان سب نعمتوں کا منشاء بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اور پھر رحمت بھی عظیمہ کیونکہ حملن مبالغہ کا صیغہ ہے تو ترجمہ کا حاصل یہ ہوا کہ جس ذات کو بڑی رحمت ہے اس نے قرآن کی تعلیم دی یہ تو پہلی نعمت کا بیان ہے دوسری نعمت یہ کہ اُس نے انسان کو پیدا کیا اور تیسری نعمت یہ کہ اس نے انسان کو بیان کرنا سکھلایا۔ ان تینوں نعمتوں میں اس وقت کی غرض کے مناسب تیسرا جملہ ہے مگر چونکہ ان دو نعمتوں کی تقدیم پر طرح ذکر میں ہے اسی طرح وہ دونوں وجود میں بھی اس تیسری نعمت پر مقدم ہیں خواہ وجود حسی ہو یا وجود معنوی اس لئے ان کے دو جملوں کی بھی تلاوت کی گئی چنانچہ ایک مقام کا تقدم اور دخل تو ظاہر ہے۔ یعنی خلق الانسان کہ اس کو تو تکویناً دخل ہے اور یہ شرط تکوینی ہے کیونکہ جب تک انسان پیدا نہ ہو اس وقت

تک تعلیمِ بیان ہو ہی نہیں سکتی تو تعلیم و تعلم موقوف ہے وجود پر اور وجود موقوف ہے ایجا و پرا اور اسی سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اگر پیدا نہوتے تو بیان نہ کر سکتے۔ لیکن اس کے مستقلاً ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اس پر متنبہ فرماتا ہے کہ جو نعمت کسی دوسری نعمت کا وسیلہ ہو وہ ایک درجے میں مستقل اور مقصود بھی ہے اس کو محض واسطہ ہی نہ سمجھا جائے یعنی بعض نعمتیں چونکہ وسیلہ ہوتی ہیں اس واسطے ان کی طرف اکثر توجہ نہیں ہوا کرتی اس لئے مستقلاً ذکر کرنے سے گویا یہ ارشاد فرمادیا کہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی قابلِ مستقل ذکر اور توجہ کے ہے صرف علمِ البیان ہی نعمت نہیں پس اگر یہ نعمت تکوین مذکور نہ ہوتی تو اس کی مقصودیت پر لفظاً تنبیہ نہ ہوتی اور ذکر کرنے میں تنبیہ ہو گئی کہ یہ مستقلاً بھی نعمت ہے اور ظاہر یہی ہے کیونکہ پیدا کرنا صرف واسطہ تعلیمِ بیان ہی نہیں بلکہ اس میں اور بھی تو مصالح ہیں۔ بہر حال اس پر تو توقف تکوینی ہے اور بہت ظاہر ہے۔ رہا دوسری شرط کا تقدم وہ بہت غامض ہے حتیٰ کہ اہل علم بھی بعض اوقات اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ شرط علم القرآن ہے کہ اس پر توقف شرعی ہے یعنی بیان کا وجود اگرچہ بدون قرآن کے جیسا ہو گیا لیکن وجود صحیح قابلِ اعتبار تعلیمِ قرآن کے بعد ہو گا کیونکہ اگر بیان میں تعلیمات قرآنیہ کا لحاظ نہیں تو وہ بیان اور تقریر شرعاً باطل اور کالعدم ہے جیسا آج کل اکثروں نے قرآن کی تعلیم کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ عوام الناس کو تو بہت ہی دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر امور میں حدود شرعیہ سے متجاوز ہو گئے ہیں اور ان کی ذرا رعایت نہیں کرتے مگر ہم اسی طرح طلبہ کو بھی اپنے اقوال و افعال میں جادہ شریعت بہت زیادہ بڑھا ہوا پاتے ہیں اور قرآن کی تعلیم کو انہوں نے بھی بہت زیادہ چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل تحقیق طلبہ کو ایسے جلسوں اور انجمنوں کی اجازت دیتے ہوئے کھٹکتے ہیں کیونکہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے

کہ یہ لوگ جلسوں کی کارروائی میں متجاوز عن الشرع نہ ہو جائیں۔

چنانچہ میں اس وقت بعض نوجوان عربی طلبہ کو بھی دیکھتا ہوں کہ وہ ان مجالس میں بھی شریعت کی بہت سی باتیں چھوڑ جانے میں چنانچہ کبھی خلاف تحقیق مضامین بیان کرتے ہیں کہیں طرز بیان مقلدان یورپ کا اختیار کرتے ہیں اور ستم یہ ہے کہ ان کے بزرگ و اساتذہ بھی ان کو اس طرز سے نہیں روکتے بلکہ ان کے سرمایہ تقریر میں اس کو معین اور قوت پیدا کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اور سبب اس کا یہ ہے کہ علم کی نوکمی ہو گئی ہے اسلئے تبلیغ کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ کھری چیز پاس نہیں ہے اور جس کے پاس کھری چیز ہوگی اس کو تبلیغ کی ضرورت کیوں ہوگی پس اس کی غیر مبلغ تقریر کو لفظی آب و تاب نہ رکھے مگر اس میں حسن باطنی ہوتا ہے اور مبلغ تقریر میں گو آب و تاب ظاہری ہوتی ہے مگر تدبیر و تفکر کے بعد وہ تمام رنگ اتر کر الفاظ ہی الفاظ رہ جاتے ہیں پس تفکر و تامل سے درنوں کا امتحان ہو جاتا ہے اسی مضمون کو حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

خوش بود گر محک تجربہ آید بیاں تاسیہ رویش و ہر کہ در غش باشد
 جینی بہتر یہ سے کہ بھے اور حرف کو تجربہ کی کسوٹی پر کس لیا جائے جس میں غش
 ہوگا وہ سیہ رو ہو جائیگا کیونکہ اس میں اگرچہ آب و تاب ہے لیکن کسوٹی کے پاس کہ
 سب مٹ جائیگی اور جو کھرا ہے وہ وہاں بھی اسی آب و تاب کے ساتھ رہیگا بلکہ
 اور دوفی رونق بڑھ جائیگی غرض جن کے پاس علمی سرمایہ ہے ان کو کسی قسم کی تبلیغ
 کی ضرورت نہیں اور جن کے پاس یہ نہیں وہ ہر طرح تبلیغ سے کام لیتے ہیں اور
 پھر بھی وہ حسن پیدا نہیں ہوتا اسی حسن کو حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

حسد چہ می بری اے مست نظم بر حافظ قبول خاطر حسن سخن خدا داد است
 دحاسد و حافظ کی نظم پر تم حسد کیوں کرتے ہو کلام کی اچھائی ادا اس کا قبول خاطر ہونا خدا داد است
 اثر سے دلفریبان تباقی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد
 دنیا تات اور پودوں کی دلفریبیاں دل بھاری ہیں مگر میرا محبوب جب اپنے حسن خدا داد سے

جلدہ آیا ہوا تو اس کے سامنے دل فریبیاں اور رنگینیاں مات ہیں)

ہم نے حضراتِ اہل حق کو دیکھا ہے کہ ان کے سادہ الفاظ میں وہ خوبی اور خوبی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے استعاروں میں نہیں ہوتی۔ یہ جتنی شستہ اور چست تقریریں کہلاتی ہیں ان کی خوبی محض نظر اول ہی تک ہے اور جس قدر زیادہ غور کرتے جائیں ان کا پوچ اور لچر اور محض مجموعہ الفاظ ہونا ظاہر ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہاں سرمایہ علم نہیں ہوتا۔ برخلاف اہل علم کے کہ ان کے سادہ الفاظ کی یہ حالت ہے کہ

یزیدك وجهه حسنا اذا ما زدتہ نظراً۔

میرے محبوب کو تم جس قدر زیادہ دیکھو گے اُس کا حسین چہرہ خود تمہارے حُسن میں اضافہ کرے گا مجھے ایک انسپکٹر ڈاکٹارہ جانتے تھے وہ طالبِ حق تھے اور طلبِ حق کا خاصہ ہے کہ اس میں حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ وہ ایک صاحب کی بابت کہ وہ اس دنیا میں جس کو آجکل اخیاری دنیا کہا جاتا ہے بہت مشہور ہیں کہتے تھے کہ مجھے ان کی معیت میں رہنے کا اور تقریریں سننے کا اتفاق ہوا ہے اور میں ان کی تقریریں سن کر سمجھا کرتا تھا کہ ان کی برابر کوئی محقق نہیں لیکن جب سے میں نے اہل حق کی تقاریر سنی کہ جن کو نہ لچر دنیا آتا ہے نہ وہ بڑے بڑے الفاظ بولتے ہیں اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اصل علم کیا چیز ہے اور کہتے تھے کہ غور کر کے اہل حق کی اور جدید طرز کے لوگوں کی تقریر میں جو فرق میں نے سمجھا وہ یہ ہے کہ جدید طرز کی تقریریں پہلی نظر میں تو نہایت رقیع اور موثر ہوتی ہیں اور حق انہیں میں منحصر معلوم ہوتا ہے لیکن جب ان میں غور کیا جائے تو ان کی حقیقت کھلتی جاتی ہے اور ان کا لچر اور کمزور اور خلاف واقع ہونا اور پرتلیح ہونا معلوم ہوتا جاتا ہے اور اہل حق کی تقریر نظر اول میں بے رنگ اور پھسکی معلوم ہوتی ہے لیکن جتنا ان میں غور کیا جائے تو ان کی قوت اور مطابق واقع ہونا معلوم ہوتا جاتا ہے اور قلب پر نہایت گہرا اثر ان کا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے تمام تلمیحات قلب سے دھل جاتی ہیں یہاں سے اس امر ارض کا جواب بھی نکل آیا جو آجکل کے علماء پر منجملہ دوسرے

اس کے واسطے کہ وہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان کو لکچر دنیا نہیں آتا وہ جو اب یہ ہے کہ جب ہمارے پاس قرآن و حدیث ہے اور اس کی تعلیمات کا سرمایہ موجود ہے تو ہم کو کسی ظاہری آب و تاب کی کیا ضرورت ہے خوب کہا ہے ۔

ز عشقِ ناتمام ما جمال یا مستغنی ست بآب و رنگ و خال و خط چہ عار و بی زیارا
 در دست کا جمال ہمارے ناتمام عشق سے مستغنی ہے اس لئے کہ جو چہرہ فی نفسہ حسین ہو

اسے عالی خواہ مخواہ زیبائش کی کیا ضرورت ۔

ہمیں لکچروں کا طرز سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ہم تو صاف کہتے ہیں کہ جو شخص لکچر کے طرز کو اختیار کرتا ہے وہ اول ہمارے دل میں ناپسندیدگی کا بیج بوتا ہے ہم کو تو وہی طرز پسند ہے جس کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ غنّ اُمَّةٍ اَقْبَبَةُ۔ اُمّیۃ کے معنی سادگی کے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل مرضی یہ ہے کہ آپ کی اُمّۃ نہایت سادہ رہے اسی لئے آپ نے لفظ سخن فرما کر ساری اُمّت کو شامل فرمایا یہی روح ہے اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ہر بات میں بالکل سادگی ہو اُمّیۃ ام کی طرف منسوب ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی ایسی رہے جیسے اہل کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد بچہ کی زندگی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی حرکت بھی تصنع اور بناوٹ کی نہیں ہوتی بلکہ ہر حرکت میں بیساختگی ہوتی ہے اور بچوں کی یہی صفت ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو ان سے محبت ہوتی ہے ورنہ طبعاً بچوں سے جو کہ نجاست کی پوٹ ہوتے ہیں بہت نفرت ہونی چاہیے تھی اور یہی بیساختگی ہے کہ جن بوڑھوں میں یہ پائی جاتی ہے آج ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے حسین پر جان فدا کرتے ہیں۔ تو اصلی مفہوم اُمّیۃ کا یہی بیساختگی ہے اور نہ لکھنا بڑھنا جو اُمّیۃ کا مشہور مفہوم یہ بھی اس کا ایک شعبہ ہے تو بیان میں بھی بناوٹ اور تکلف بالکل نہ ہونا چاہیے اور تبلیغ اور تبلیغ سے بالکل پاک ہونا چاہیے البتہ بیان میں سادگی کے ساتھ صفائی ہونی ضروری ہے لیکن اب یہ طرز بالکل چھوٹا جاتا ہے۔ ہم اہل علم کو دیکھتے ہیں کہ ان میں ایک تو رواج زبان کا طرز آتا جاتا ہے۔

حالانکہ قطع نظر شریعت کے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہماری مادری زبان اردو ہے اور اور اس کی کچھ خصوصیات ہیں جیسا کہ ہر زبان کے لئے کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں اب اس طرزِ جدید کو اختیار کر کے انگریزی کی خصوصیات کو زبان اردو میں سے لیگیا ہے اور وہ روز بروز زیادتی کے ساتھ آتی جاتی ہیں حالانکہ انگریزی کی خصوصیات اس میں بالکل نہیں کھپتیں ان کی بدولت زبان بالکل بھدی اور خراب ہوتی جاتی ہے ایسے لوگوں میں اس وقت ایک بڑی جماعت اپنے کو اردو کا حامی کہتی ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ لوگ اردو کے حامی ہیں کیونکہ ہر زبان میں ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک ہیئت۔ اور زبان ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے نہ کہ صرف مادہ کا۔ توجب زبان اردو کی ہیئت باقی نہ رہیگی تو وہ زبان اردو کیونکر رہے گی پس اگر ہم اردو کے حامی ہیں تو ہم کو چاہیے کہ ہم اس کی خصوصیات کو باقی رکھیں اور ہماری گفتگو ایسی ہو کہ اگر کوئی اجنبی سنے تو یہ سمجھے کہ ہم ایک حرف بھی انگریزی کا نہیں جانتے اور نہ انگریزی طرز سے ہم کو مناسبت ہے اور اس سے کبھی بڑا تعجب یہ ہے کہ اس وقت عربی خواں طلبہ کی تقریروں میں کثرت سے انگریزی الفاظ آنے لگے ہیں حالانکہ ان کی تقریر میں اگر دوسری زبان کے الفاظ آتے تو عربی کے الفاظ آتے کیونکہ اول تو یہ لوگ عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے عربی ہماری منہ سے زیادہ ہے اور اس اعتبار سے ان کی اصلی زبان وہی ہے اور اردو زبان تو بہت تھوڑے دنوں سے ہماری زبان ہوئی ہے ورنہ ہماری اصلی اور پدری زبان عربی ہی ہے کیونکہ ہمارے ابا و اجداد عرب ہی سے آئے ہیں اور ہندستان میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ مجھے اکثر اس کا افسوس ہوا کرتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اپنے نسب نامہ تک کو محفوظ رکھا لیکن زبان کی حفاظت نہ کی حالانکہ ان حضرات کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاں جہاں فتوحات حاصل کی ہیں اکثر ملک بھر میں ان کی زبان اختیار

کر لی ہے اور آج تک وہی زبان چلی جاتی ہے حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا کوئی اہتمام بھی نہ کیا ہوگا مثلاً مصری کو دیکھا جائے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بدلت تمام مصر کی زبان عربی ہے اگرچہ تمام مصر کا مذہب اسلام نہیں خیر اگر صحابہ کی سبکرت غیر صحابہ میں نہیں تھی اور اس لئے تمام مفتوح قوم نے ان کی زبان نہیں لی مگر کم از کم یہ تو اپنی زبان سنبھالتے لیکن تعجب ہے کہ ہندوستان میں اگر ہمارے ان بزرگوں نے اپنی زبان کو رواج دینا کجا سنبھالا بھی نہیں غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہمارے بزرگ اکثر جریدہ تشریف لائے ہیں اور یہیں یو دو باشس اختیار کر کے یہیں کی نو مسلم عورتوں سے نکاح کئے ہیں اسلئے اولاد پر زیادہ اثر ماں ہی کی زبان کا پڑا اور اسی سے یہ نئی زبان پیدا ہو گئی اور یہی مادری اثر ہے کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں آج تک تیجے وغیرہ کی رسمیں باقی ہیں۔ یعنی چونکہ ہندی عورتوں میں اپنے آباء و اجداد کی رسوم باقی تھی اسلئے جب وہ ایام آئے ہوں گے تو انہوں نے کہا ہوگا کہ ہم ایسے موقع بریوں کیا کرتے ہیں۔ ان حضرات نے بظاہر کوئی خرابی نہ دیکھ کر محض دلجوئی کے لئے تھڑا سا تغیر کر کے مثلاً بجائے اشوک کے سورہ فاتحہ کا پڑھنا و مثل ذلک اجازت دیدی ہوگی لیکن اس وقت یہ محض عارضی طور پر تھا اب لوگ اس کو فرض عین سمجھنے لگے اور اس لئے علماء نے منع کیا تو ان کو وہابی اور کیا کیا کہنے لگے۔ غرض اسی عارضی مادری اثر کی بدولت ہندوستان میں عربی بھی نہ چل سکی کیوں کہ ابا جان تو عربی بولتے ہونگے اور اماں جان ہندی اور بچہ زیادہ تر ماں ہی کے پاس رہتا ہے اسلئے کچھ عربی اور کچھ ہندی مل کر ایک مجرہ ہو گیا اور اگر گھر میں عربی ہوتی اور باہر اگر لوگوں سے ہندی سنتے تو دونوں زبانیں باقی رہتیں چنانچہ ہم بنگالیوں اور انگریزوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان بھی بولتے ہیں اور اردو بھی بولتے ہیں وجہ یہی ہے کہ اونکے گھروں میں وہی بنگلہ اور انگریزی بولی جاتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے چونکہ اس کا اہتمام نہیں کیا یا ہونہ سکا اس لئے ہماری زبان مرکب ہو گئی۔

مرکب ہونے پر یاد آیا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے کہ مغل نے مکہ معظمہ میں ایک ہوری
 عربی مرکب بچے کو دیکھا کہ رو رہا تھا کہ آنا بازار جاؤں غرض ماں کی ہندیت نے زبان کی
 عربیت کو ضائع کیا اور اصلی زبان برباد ہوئی۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو ماورسی زبان کو اصل
 سمجھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جب سب باپ سے ہے تو کیوں باپ کی زبان کو اپنی اصلی زبان
 نہ کہا جائے۔ غرض جب ہماری اصلی زبان عربی ہے تو اگر ہم کو اردو میں آمیزش ہی کرنا
 تھا تو اس بناء پر زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرتے کہ اردو زبان کو عربی کے تابع کر دیتے مگر تعجب
 یہ ہے کہ ہم نے انگریزی کے تابع کیا کہ جس کی بدولت اردو زبان قریب قریب اردو ہو
 ہی سے نکل گئی۔ اصل اردو زبان وہ ہے جیسے چار و رکش یا اردو معنی غالب کی اور اگر اس میں
 آمیزش ہو تو عربی کی آمیزش ہونا چاہیے کہ عربی کی آمیزش لطف کو دو بالا کر دیتی ہے۔ کچھ
 فارسی کی عبارت میں اگر کہیں ایک جملہ عربی کا آجائے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے گلفشانی ہو
 ہو خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زبان میں جو انگریزی کے خلط سے ایک جدت پیدا ہو گئی ہے وہ
 ضرور قابل ترک ہے اور اس جدید طرز میں علاوہ نقص مذکور کے ایک بڑا عیب یہ بھی ہے کہ
 کمبیس زیادہ ہو سکتی ہے اور پرانے طرز میں یہ بات نہیں ہے اور ایک شرعی پہلو سمیں یہ بھی ہے کہ
 اسکو اختیار کرنا ایک فاسق قوم کے مشابہ ہونا ہے اور یہ مشابہت خود حرام ہے حدیث شریف میں ہے مَنْ
 تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس نے کسی قوم کی سورت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے، کیونکہ تشبہ عام ہے لباس
 اور طرز سب چیزوں کو اور گو ممکن ہے کہ اس پر کوئی شخص مولویوں کو متعصب کہے لیکن ہم کو کسی
 اسلاف پر فاء نہیں کیونکہ ہم ایک موقع پر ان کے مسلم دلائل سے اسکا برا ہونا ثابت کر چکے ہیں باقی
 حدیث تو اپنے ماننے والوں کیلئے پڑھی ہے۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ حدیث آپ پر بھی حجت کیونکہ مسلمان
 تو آپ بھی ہیں غرض اسوقت تقریبات میں یہ تمام حرامیاں پیدا کی گئی ہیں جن سے سبب قواعد شرعیہ کے چھو
 دینے کے ان تقریروں کا وجود کا لہم سمجھا جائیگا پس ثابت ہو گیا کہ جس طرح بیان کا وجود حسی
 موقوف ہے خلق انسان پر کی طرح اسکا وجود شرعی موقوف ہے تعلیم قرآن پر اور یہی حاصل ہے
 ان آیات کا جن کی اسوقت تلاوت کی گئی اور چونکہ تقاریر میں آجکل یہ نقص عام طور سے پیدا

عہدہ اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مورد زمانہ جوڑا پھر مرد لے میں اُٹھے اس کو میوہ کیوں سمجھا جاتا
 ہے اسے بجز تشبہ کے کس قدر حرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ۱۳ منہ۔

ہو گیا ہے اسلئے یہ جی بھی پاتا تھا کہ طریقہ بیان کے متعلق ایسی آیت اختیار کیا مئے کہ قرآن ہی سے اس کی خرابیوں کا ناجائز ہونا بھی ثابت ہو جاتے سو بھلا اللہ یہ آیت ملی کہ اس تعلیم بیان کی شرط شرعی بھی مذکور ہے کہ قرآن سکھلایا کیونکہ فایت اس کی عمل ہے اور بیاہ میں اگر حدود شرع کا لحاظ نہ رہا تو قرآن پر عمل نہ ہوا کیونکہ عمل بالقرآن کے فوت ہونے کے معنی یہی شریعت کا فوت ہونا، کیونکہ قرآن مثل متن کے ہے اور سب علوم شریعہ اسی کی شرح ہیں اور اسی کی مدلول ہیں کوئی عبارت انص سے کوئی اشارہ یا اقتضاء سے کوئی جزئیہ کوئی کلیہ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ بال نوچنے والی وغیرہ کو لعنت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جس کو قرآن لعنت کرے میں اسکو کیوں نہ لعنت کروں کہنے لگی میں نے تو تمام قرآن پڑھا اس میں نوریہ نہیں ہے آپ نے فرمایا تو قرأتیہ کو جب تیہ یعنی اگر خیال کر کے پڑھتی تو اس میں ملتا کیونکہ ان افعال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور قرآن میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیں اسکو قبول کرنا اس طرح یہ احکام بھی مدلول قرآن ہو گئے تو دیکھیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو بھی قرآن ہی میں داخل فرماتے ہیں اور خود قرآن میں بھی ہے فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ه تَمْرَانِ عَلَيْنَا سِيْرُهُ رجب پہ پڑھا میں تو آپ پیچھے پیچھے پڑھتے رہتے اسکے بعد اس کے بیان کر لینے کی ذمہ داری تو ہمارے اہل بیت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے اجمال کو بیان فرمایا اور اگر کہیں حدیث میں بھی خفا رہا تو اسکو حضرات مجتہدین نے ظاہر فرما دیا حتی کہ اَلْعَلْتُ لَكُمْ دِنِي كُمْ پوری طرح ظاہر ہو گیا اور اس ظہور اکمال کے بعد چونکہ پھر کوئی حاجت باقی نہیں رہی بکفایت الہیہ چوتھی صدی کے بعد قوت اجتہاد یہ کا بھی خاتمہ ہو گیا کیونکہ اب اسکی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اسکو پیدا کر دیتے ہیں اور جب ضرورت پوری ہو چکی ہے وہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جب وہ پیدا ہو چکا تو ان کی پسلی حضرت حوا کو پیدا کیا جب ایک مرد و عورت ہو گئے تو وہ طریقہ بند کر دیا گیا اور زن و شو کے تعلق سے سب لوگ پیدا ہونے لگے۔ رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا وہ خرق

یعنی جو مس کے لئے پیشانی و نیر کے بال نوچدے تاکہ پیشانی فرخ معلوم ہو ۱۳۶ منہ

عادت کے طور پر رہے علیٰ ہذا اور امداد میں کبھی ایسا ہی ہوتا ہے چنانچہ میں نے اخبار میں ایک
 ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ بارش اسلئے کم ہوتی ہے کہ درخت کٹ کٹ کر کم
 رہ گئے ہیں تو بارش کثرت سے ہونے کی صورت یہ ہے کہ جہاں جہاں درخت کم ہیں بہت
 کثرت سے درخت لگائے جائیں۔ اس ڈاکٹر نے تو خلا جانے اسکی وجہ کیا سمجھی ہوگی لیکن
 راہ اس میں یہی ہے کہ جب درخت نہ رہے تو بارش کی زیادہ ضرورت نہ رہی اور جہاں درخت
 بکثرت ہیں وہاں بارش کی بھی ضرورت زیادہ ہوتی ہے رہی زراعت کی ضرورت اس کا
 کام ہزاروں سے نکلنے لگے ہیں تو بارش سے اس کا بھی کم تعلق ہو گیا غرض فلسفہ بھی اسکا
 اتنا ہے اور تم تو مانتے ہی ہیں *وَ اِنَّكُمْ مِّنْ نَّحْلِ مَّا سَا لْتُمُوْا* طرح جو کچھ تم نے مانگا ہم نے دیا
 بھی اسی طرف مشیر ہے تو اسی طرح جب تک حضرات مجتہدین کی ضرورت نہیں اجتہادی قوت
 پیدا ہوتی رہی اور جب یہ ضرورت پوری ہو چکی یہ قوت بھی ختم ہو گئی۔ علیٰ ہذا قوت حافظہ
 کی جس زمانے تک ضرورت تھی اسوقت تک علیٰ وجہ الکمال یہ قوت عطا ہوتی تھی حتیٰ کہ حضرت
 ابن عباس کو توشعر کا قصیدہ ایک دفعہ سن کر یاد ہو جاتا تھا۔ حضرت امام ترمذی علیہ الرحمۃ جب
 نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ آپ کو سفر کا اتفاق ہوا راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر اپنے اونٹ
 پر بیٹھے بیٹھے سر جھکا لیا۔ حال نے اس کا سبب پوچھا تو اپنے فرمایا کہ یہاں ایک درخت ہے
 اس میں ٹکڑے لگتی ہے۔ حال نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے آپ نے اونٹ کو وہیں رکوا دیا
 اور فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے تو میں آج سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا اور
 قریب کے گانوں میں اون بھکر دیانت کیا اکثر لوگوں نے وہاں درخت ہونے سے انکار کیا لیکن
 گانوں کے بعض بوڑھوں نے کہا کہ مدت گذری جب یہاں ایک درخت تھا اور تقریباً بار
 برس ہوئے کہ اس کو کاٹ دیا گیا ہے جب اسکی تصدیق ہو گئی تو آپ آگے بڑھے اسی طرح
 ابوداؤد میں قصہ ہے ایک راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے ایک حدیث سنی
 تھی مدت کے بعد مجھے خیال ہوا کہ اس کے حافطے کا امتحان کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اس
 غلط حدیث مجھ سے بیان کر دی ہو چنانچہ یہ راوی اس کے پاس گئے اور جا کر وہ حدیث
 پوچھی اس نے وہ حدیث بتلائی اور کہا کہ تم میرا امتحان کرتے ہو میرا حافظہ اس قدر قوی

کہ میں نے سترج کئے ہیں اور ہر سال نئے اونٹ پلٹ پرچ کیا اور مجھ کو یاد ہے کہ فلاں سال فلاں اونٹ پرچ کیا تھا۔ امام بخاری کسی مقام پر تشریف لیگے وہاں کے عالموں نے آپکا امتحان کرنا چاہا اور تسوحد شیش الٹ پلٹ کر کے آپ کے سامنے پڑھیں آپ ہر حدیث پر لَا اَعْرِفُ فرماتے رہے جب وہ لوگ ختم کر چکے تو آپ نے ان سب آحاد میں کو جو انھوں نے سنائی تھیں اسی طرح نقل فرمایا اور ساتھ ساتھ تصحیح کرتے گئے کہ اتنا حدیث الاول فہو کذا و اتنا الثانی فہو کذا۔ مگر جب حدیثیں مذکور ہو گئیں اور ضرورت اس قدر حافظہ کی نہ رہی تو قوت حافظہ کم ہونا شروع ہوئی غرض انقطاع اجتہاد بعد ظہور اکمال دین کے ہوا ہے اور اجتہاد سے اکمال کے ظہور کا یہی حاصل ہے کہ ان کا قیاس بھی مثل حدیث مبین قرآن و نیز مبین حدیث ہے پس مجتہدین کے قیاسات یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات یہ سب علوم قرآنیہ ہیں لہذا علم القرآن سے علم الشریعہ مراد ہو گا اور قرآن ترک شریعت کا ترک ہو گا اپرا استدلال کرنے کیلئے بھی زیادہ صاف ایک واقعہ یاد آ رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقدمہ کے متعلق فرمایا تھا اَقْضَىٰ تَبَيَّنًا بِكِتَابِ اللّٰهِ اور پھر وہ فیصلہ حدیث کے موافق تھا۔ خلاصہ سب کا یہ ہوا کہ قرآن کے موافق بیان وہ ہو گا جو کہ شریعت کے موافق ہو اور بیان میں تقریباً وہ تحریر و دونوں داخل ہیں چنانچہ اسی تعلق کے اعتبار سے قرآن شریف میں ایک مقام پر ارشاد ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَكْتُمُ یعنی بیان کبھی تو بالبیان ہوتا ہے اور کبھی باللسان یہ دونوں ہمیں بیان ہی کی ہیں۔ اور اس بیان کا نعمت ہونا منافع دنیوی کے اعتبار سے بھی ہے لیکن اس وقت ان کا ذکر نہیں اس وقت خاص منافع دین کا ذکر ہے جن کے اعتبار سے یہ بیان ایک بڑی نعمت دینیہ بھی ہے اور وہ یہ ہیں کہ آج ہم لوگوں میں جو علم موجود ہے کہ اسکی بدولت ہم خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں داخل ہو سکتے ہیں یہ نعمت بانیہ ہی کی بدولت ہے کیونکہ اگر ہمارے حضرات سلف صالحین علوم کو مبین و مدون نہ کر جاتے تو ہم کو کچھ بھی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح اگر ہم نفع متعدی کا ثواب حاصل کرنا چاہیں تو اسکی بھی یہی صورت ہے کہ ہم تحریر و تقریر میں پوری مہارت پیدا کریں اور علوم دینیہ دوسروں کو پہنچائیں ہم نے بعضے ایسے اہل علم بھی دیکھے ہیں کہ جن کو تحریر و

تقریر نہیں آتی سوان سے بہت کم لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر بہ نسبت تحریر کے تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ تحریر سے تو نفع خاص ہوتا ہے یعنی صرف طلبہ اور خواندہ لوگوں کو اور تقریر میں نفع عام ہے جن میں خاص بھی داخل ہیں تو نفع عام و خاص کے اعتبار سے زبان بیان کی دو صورتیں ہیں ایک درس جس کا نفع خاص طلبہ کو ہے اور ایک وعظ جس کا نفع عوام کو ہے اور ان دونوں کا اتنا ہی موقوف ہے کہ قوتِ بیانیہ بقدر ضرورت حاصل ہو پس ہمارے طلبہ کو اس وقت ان دونوں کی تکمیل اور مشق کی ضرورت ہوتی یعنی جب وعظ کہا جائے تو اس طرح کہا جائے کہ عوام الناس پورے طور پر سمجھ جائیں اور جب درس دیا جائے تو اس طرح کہ طلبہ مخاطبین اس کو خوب سمجھ لیں۔ پھر درسیا میں دو قسم کی کتابیں ہیں ایک تو محض آیات اور دوسری مقاصد۔ آیات کا خطاب تو بالکل ہی خاص ہوتا ہے کیونکہ اس کو محض طلبہ ہی پڑھتے اور سمجھتے ہیں اور مقاصد کا خطاب عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی یعنی قرآن و حدیث طلبہ کے سامنے بھی پیش کیا جاتا ہے اور عوام الناس کے سامنے بھی پس مشق میں بھی اس کی رعایت کی جائے یعنی جو لوگ صرف آیات میں مشغول ہونے لگے تو جیسے مشق میں صرف اس قسم کی تقریر کرائی جائے کہ وہ اول کتاب کی عبارت پڑھیں اور پھر اس کے مضامین کو حل کر دیں اس سے زیادہ توسیع نہ کریں۔ اس میں علاوہ صفائی تقریر کے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان کو پڑھانے کا طریقہ معلوم ہو گا۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ پڑھانے کا یہی تھا کہ وہ حضرات محض کتابوں کو حل فرمادیتے تھے اور زائد کچھ نہ بتلاتے تھے ہاں اگر کوئی بہت ہی ضروری بات ہوتی تو اس کو فرمادیتے تھے اور پڑھانے میں ایک اس امر کی بھی رعایت ضروری ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو تو اس کو صاف صاف کہہ دے

عہ کیونکہ ایسے مبتدیوں کو کوئی خاص مضمون دینے میں جس کو وہ بطور وعظ کے بیان کریں چند خرابیاں ہیں اول تو وہ ان مضامین کو بوجہ قلتِ معلومات صحیح بیان نہیں کر سکتے۔ سو اگر اصلاح کی جائے کہانہ تک کی جائے اگر نہ کی جائے تو وہ بھی جہل میں مبتلا رہیں گے اور سامعین بھی غلطی میں پڑیں گے دوسرے وہ اپنے اسباق کو چھوڑ کر شب و روز ان ہی مضامین کے جمع کرنے کی فکر میں رہیں گے تیسرے اگر ان کی کتابیں رہ گئیں تو مشاق ہونے کے سبب وہ وعظ کا پیشہ اختیار کریں گے اور جاہل و اعظ ہو کر خلق کو خراب کریں اور جس طرح ایسے متعدیوں کو تقریر میں توسیع مضر ہے ایسے ہی تحریر میں بھی جیسے اس وقت اس کی بھی عادت ہو گئی ہے کہ ایسے لوگ بھی اخباروں میں مضمون بھیجتے ہیں۔ ۱۳ - منہ

یہ طریقہ حضرت مولانا ملوک علی صاحب سے موروث چلا آتا ہے اس طریق میں یہ نفع ہے کہ طالب علم کو مدرس پر ہمیشہ وثوق رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ بتلایا جا رہا ہے سب صحیح ہے اور جہاں اس طریقے پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ بات کو بتایا جاتا ہے اور اکثر طالب علم ان کی بہت دھرمی کو سمجھ جاتے تو وہاں مصیبت ہوتی ہے جھک جھک میں سبق بھی خراب ہوتا ہے اور یہی بد خلقی طالب علم بھی سیکھتا ہے۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اس اقرارِ فعلی سے طالب علم بگڑ جاتا ہے حالانکہ محض لغویات سے وہ اور زیادہ سنور جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اسکو مدرس پر وثوق ہو جاتا ہے۔ غرض یہ ہے طرزِ درس تو تفسیر کے وقت بھی اسکا خیال رکھیں اور تحقیقات و زیادات کو بالکل حذف کریں کیونکہ یہ تقریریں صرف پڑمانیکا طریقہ بتلانے کیلئے کرائی جائیں گی طبیعت کی جو لائیاں دکھلانے کیلئے نہیں اور جو کس کے وقت ایسی فضولیات بیان کی جاتی ہیں وہ اس لئے بھی مفید نہیں کسی کو کبھی یا نہیں رہتی اور اضاعتہ وقت کا ضرر جدا جیسے مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم گنگوہی کہتے تھے کہ میں دہلی میں جب مدرس ہو کر گیا تو دلائی طالب علم میر سپر پور سے اور سلم شروع ہوتے ہیں ان کو چھپا کہ تم لوگ تحقیق سے پڑھو گے یا سیدھا سادہ کہنے لگے کہ ہم تو تحقیق سے پڑھیں گے میں رات کو بہتے حاشی اور شرح دیکھ کر صبح کو نہایت تحقیق سے پڑھایا جب دوسرا دن ہوا اور پھر میں یہی سوال کیا طالب نے پھر یہی کہا کہ ہم تو تحقیق سے پڑھیں گے میں نے کہا کہ اگر تحقیق سے پڑھو گے تو کل جو کچھ میں نے تم کو بتلایا تھا اسکا اعادہ کرو و تا کہ مجھے یہ اندازہ ہو کہ تم میں قابلیت تحقیق سے پڑھنے کی ہے یا نہیں سینکر کے سب میرا منہ تکیے لگے اور ایک سے بھی اعادہ نہ ہو سکا اسوقت میں نے کہا کہ سنو! تم نے باوجود یہ مجھ سے یہ تقریریں نہیں اور بیان نہ ہو سکا اور میں باوجود اس کے کہ استاز نے اس مقام پر ٹھیکو درس کی وقت یہ تقریریں نہیں بتلائیں اور میں بیان کریں آخر اس کا کیا سبب ہے معلوم ہوا کہ استعداد کی ضرورت ہے جو کتاب سے پیدا ہوتا ہے ان تقریروں کے کچھ نہیں ہوتا سو کتاب پڑھو تب وہ سمجھے اور حل کتاب پر کلمات کی غرض یہ ہے کہ مدرس کیلئے لکچر کا طرز بہت مضر ہے میں نے ایک طالب علم کو دیکھا کہ وہ ایک مبتدی کو میزان پڑھا ہے تھے اور اسکے خیلے میں الف لام تعریف کی قسمیں بیان کر رہے تھے میں نے کہا کہ مولوی صاحب! اس غریب کا کیوں راہ ہے ہو یہ ان سب مضامین کو جز میزان سمجھیکا اور کل سمجھ کر میزان ہی کو چھوڑ دیکھا میں نے اپنے پڑھانیکا طرز ہمیشہ یہی رکھا کہ نفس کتاب کو حل کر دیا اور زوائد بھی

بیان نہیں کئے اور عمل بھی اس طرز سے کہ بڑے بڑے مشکل مقامات بھی کبھی طالب علموں کو مشکل نہیں ظاہر ہوتے۔ صدائیں مشناتہ بالکریہ کی بحث ایک مشہور بحث ہے۔ کانپور میں ایک مولوی فضل حق طالب علم تھے صدیوں سے یہ مقام آیا ہے تو میں نے بلا اہتمام معمولی طور سے اس کی تقریر کر دی۔ تب انہوں نے اسکا پمپ جھجکا دیا تو میں نے یہ کہا کہ یہ ہی مقام ہے جو مشناتہ بالکریہ کے لقب سے مشہور ہے انکو پڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں آخر سالانہ امتحان میں تمہیں نے یہی مقام سوال میں یا مولوی فضل حق صاحب مرحوم نے اس مقام کی جو تقریر لکھی تھی دکر وہ اب تک مدرسہ جامع العلوم میں محفوظ ہے، ممتحنین بھی اُس پر شکر کرتے تھے بعض نے یہ کہا کہ تمہیں اس مقام کی تقریر ایسی کبھی نہیں دیکھی تو بڑی کوشش اسکی ہونی چاہیے کہ کتاب کو پانی گرنے پر یہ کہ اپنی فصیلت کا اظہار کرے۔ یہ تو تقریر آیات کا طرز ہے اب رہے مقاصد یعنی علوم دینیہ اور انکو چونکہ کبھی عوام کے سامنے بیان کرنا کی نوبت آتی ہے اور کبھی عوام کو خطاب ہوتا ہے اسلئے اسکے متعلق دونوں طرز کی مشق ہونی چاہیے اور اسکی دو وقتیں ہیں یا تو ہر جلسے میں نصف وقت طرز خاص اور نصف وقت طرز عام کیلئے رکھا جائے یا یہ کیا جائے کہ ایک روز میں طرز خاص کے موافق تقریر ہو اور دوسری باری میں طرز عام کے موافق تقریر ہو۔ اب بحمد اللہ سب ضروری باتیں اسکے متعلق ہو گئیں صرف یہ بات رہی کہ اس جلسے کا نام کیا رکھا جائے سو میرے خیال میں تعلیم البیان اسکا نام بہتر ہے آجکل لوگوں کو ایک یہ خیال بھی بہت بڑھا ہوا ہے کہ جب کوئی مسام شروع کریں تو اسکے لئے نام بھی کوئی نیا اور نرالا تجویز کریں۔ اسی خیال کی بدولت ندوہ کو ایک بڑی لغزش ہوئی یعنی نیا نام تلاش کرنے کی وجہ سے علماء کی مجلس کا نام ندوہ تجویز کیا گیا جو کہ اس الجہال عدو اللہ الجہل کی اس مجلس کا نام تھا جس کی بنیاد محض اسلئے قائم ہوئی تھی کہ سیدنا اشد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرور سانی اور آپ کے دین کی اشاعت روکنے کی تدابیر پر غور کیا جائے اور عجب نہیں کہ اسی نام کا اثر ہو کہ آج یہ پاکیزہ نورندے میں برس رہا ہے۔ اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ غرض بیان کے متعلق ایک حدیث بھی بیان کر دیجائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے من تعذر صوف الکلام لیسى به قلوب الناس بل يقبل الله منه صوتاً ولا عدلاً۔ دیکھئے اسوقت نہ کوئی اس قسم کی انجمن تھی نہ مجالس کا یہ طرز تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا انتظام بھی اسوقت فرمادیا کہ جو شخص کلام کے پیر پھیر اسلئے سیکھے کہ اسکے ذریعے سے لوگوں کے قلوب مسخر کر لیگا تو خدا تعالیٰ اس

سی نقل و فرض کو قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ حدیث فسادِ غرض پر متنبہ کے لئے بہت کافی ہے اور اس
 مَعْنَى الْبَيَانِ پر علم القرآن کو مقدم کرنیکی غرض اور زیادہ وضاحت سے ہوگئی جس کا اوپر بھی بیان
 ہوا ہے۔ میں ان طالب علموں کو چونکانا چاہتا ہوں جو آئیکل طرز جدید کو تقریر میں اختیار کرتے ہیں
 جس کی غرض زیادہ تر یہی ہے کہ جاہ اور وقعت اور قبول عام ہو اس لئے یہ کوشش ہوتی ہے کہ
 الفاظ پر شوکت ہوں بندشیں چست ہوں حالانکہ اس سے خاک بھی نہیں ہونا۔ اس قسم کی
 تقریروں کی ہستی صرف اتنی ہوتی ہے کہ جیسے مشہور ہے کہ ایک منہا رچوڑی کی پوٹ لے جاتا
 تھا ایک گنوار نے اس میں لاٹھی مار کر پوچھا کہ اس میں کیا ہے کہنے لگا کہ ایک اور مار دو تو کچھ بھی
 نہیں۔ برخلاف پرانی تقریروں کے کہ اگر اپنے پچاس چوٹیں بھی ماریں تو وہ اپنی اسی حالت
 پر قائم ہیں ان کی قوت میں ذرا بھی تزلزل نہیں ہوتا بلکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ بہت بیباکی اور آزادی سے تقریر کرنا بھی مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے الْحَيَاءُ
 وَالْحَي شَجَبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبِدَاعُ وَالْبَيَانُ شَجَبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ اس
 حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کو بداع کے مقابلے میں اور عی کو بیان کے
 مقابلے میں فرمایا ہے اور حیاء اور عی کو ایک ساتھ جمع کر کے ایمان کے شعبوں میں
 قرار دیا ہے اور بداع اور بیان کو نفاق کے شعبے قرار دیئے ہیں اس قرینے سے معلوم ہو
 کہ عی سے وہ عی مراد ہے جو کہ حیاء کی وجہ سے ہو اور حیاتی نفسہ عام ہے خواہ حیاء من الخلو
 ہو خواہ من الخالق مگر اس مقام پر مقصود حیاء من اللہ ہے یعنی ہر لفظ پر یہ سوچے کہ
 کہیں شریعت کے خلاف کوئی بات نہ نکل جائے اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے
 کہ جو بیان حد و شرعیہ سے متجاوز ہو وہ علم البیان میں داخل نہیں کیونکہ وہ
 بیان جس کا آیت میں ذکر ہے نعمت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور حدیث میں ایسے
 بیان کو جس کا منشاء بداع ہو نفاق میں داخل فرمایا ہے اور قرآن و حدیث
 میں نثار ض ہو نہیں سکتا پس معلوم ہوا کہ جو بیان مذموم ہے وہ نعمت نہیں
 لہذا ایسے بیان سے بچنے کی کوشش نہایت ضروری ہے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا
 کیجئے کہ وہ ہر امر میں اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین تمت بالخیر

قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَلَيْهِ سَلَّمَ بَلَّغْ عَنِّي قَوْلَ الْوَالِدِ

دَوَاةُ الْمُبْتَخَارِي

دَعَوَاتُ عِبَادِيَّتِ جَلِيدِ نَحِيمِ

پانچواں عظیم ملقب بہ

اَشَارَةُ الْمَحَبَّةِ

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد شرف علی صاحب خان نوی رحمت علیہ

ناشر

محمد عبد المنان عظیمی

مکتبہ تنہا نوی دفتر الابطال

مسافرخانہ بیٹہ ریسٹورنٹ کراچی نمبر

دعواتِ عربیہ جلد پنجم

کا
پانچواں و عظیم الملقب بہ

آثارُ المحبت

آئین	مَتَّ	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَرْخَبَطًا	الْمَتَّعُونَ	أَشْتَاتُ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا منعمون تھا	کسے لکھا	سامعین کی تمہینی تعداد	متفرقات
قصبہ کھنولی	۲۷ رجب	تقریباً	کھڑے ہو کر	موسیٰ کو محبت	مولوی سجاد احمد	غالباً ایک ہزار	تا خواندہ لوگ
مجد	۱۳۳۰ھ	۲ گھنٹہ	۶	الہی کی تکمیل کے	صاحب	آدمی ہونگے	زیادہ تھے۔
حلوشیاں	وقت شب	۶	۶	نئے پوری آقا	تھانوی مرحوم	۶	۶
				فروری ہے۔			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَآصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَالَّذِينَ اقْتَسَمُوا اَسْهَادُ حُبَّائِلَهُ ۝ (ایمان والے اللہ تعالیٰ سے بہت زبردست محبت رکھتے ہیں) یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون جس کے جاننے کی سب کو ضرورت ہے بیان فرمایا ہے اور چونکہ ضرورت مشترک ہے تمام مسلمانوں میں اور پھر ہر وقت کے اعتبار سے ضروری ہے لہذا یہ بیان بہت سے مضامین کے قائم مقام ہو گا جن کے لئے مختلف اوقات میں متعدد جلسوں کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ اس وقت یہاں بیان کرنے کا پہلا موقع ہے اور پھر خدا جلنے کب موقع ملے اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ایسا مضمون اختیار کیا جائے جو کہ جامع ہو چنانچہ یہ مضمون اسی قبیل کا ہے اور قرآن شریف میں اس قبیل کے اکثر مضامین ہیں نیز یہ بھی ارادہ ہے کہ نہایت سہل عنوان ملے اس کو بیان کیا جائے کیونکہ یہاں اکثر لوگوں کو یہ پہلا موقع وعظ سننے کا ہو گا اور دقیق مضامین سمجھنے کے لئے اکثر پہلے سے مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے خاص کر اسلئے بھی کہ اس وعظ میں عورتوں کا بھی مجمع ہے اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالا ہیں اسلئے دقیق مضامین کو بیان نہ کیا جائیگا بلکہ بہت سہل مضامین ہونگے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بلا تخصیص مسلمانوں کی ایک شان کو بیان فرمایا ہے اور ہر چند کہ عنوان کے اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہے لیکن غور سے معلوم ہو گا کہ مراد اس سے ایک انشاء ہے اور قرآن مجید میں جس قدر بھی جملہ خبریہ ہیں ان سے کوئی نہ کوئی انشاء ہی مراد ہے۔ بلکہ روزمرہ کے معاملات میں بھی دانشمندیوں کے کلام میں جملہ خبریہ سے انشاء ہی مراد ہوتی ہے کیونکہ مقصود ہر خبر سے کوئی نتیجہ ہوتا ہے اور وہ انشاء ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے مرض کی خبر دے تو ہر عاقل سمجھتا ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس کی خبر لو یا اس کے ساتھ ہمدردی کرو اسی طرح ہر خبر کو دیکھ لیجئے تو ہر کلام مفید میں خبر سے مقصود انشاء ہوتی ہے اور جب ادنیٰ درجے کے حکماء کے کلام میں ایسا ہے تو خدا تعالیٰ کے کلام میں تو بدرجہ اولیٰ ایسا ہو گا بس یہ کلام بھی جو اس موقع پر پڑھا گیا ہے اگرچہ بظاہر خبریہ ہے

لیکن بقاعدہ مذکور اس سے بھی ایک نتیجہ مقصود ہے اور وہ جملہ انشاء ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا نتیجہ کا پتہ انشاء اللہ اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ نہایت غور کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں اور پر سے بعض لوگوں کی حالت بیان ہوتی چلی آرہی ہے اگرچہ اس وقت اس کے بیان کر نیکی ضرورت نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے اس لئے توضیح ارتباط کے لئے ترجمہ میں اس کی بھی ضرورت ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ خدا کے سوائے ایسے شریک بھی ٹھہراتے ہیں کہ جن کو خدا کی برابر محبوب رکھتے ہیں اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں حاصل جملہ کا یہ ہوا کہ مسلمان خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہوتے ہیں ترجمہ سنکر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس مقام پر ایک جملہ خبریہ ارشاد ہوا ہے لیکن بقاعدہ مذکورہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس خبر سے ایک نتیجہ مقصود ہے اور وہی اس خبر کا ثمرہ ہے لیکن بصورت خبر اس لئے بیان فرمایا کہ یہ حکم بہت ہی مہتمم بالمشاقہ ہو جائے جیسا کہ علم بلاغۃ میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس تعبیر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ بجز صادق کے کلام میں خبر تو ضروری الوقوع ہے ہی پس انشاء کو اس کی صورت میں لانا تحریر میں ہے سامع کو کہ اس کو ضرور واقع کرے تاکہ صورت عدم وقوع کی نہ ہو اور وہ نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ کی برابر کسی کی محبت اس کے دلیں نہونی چاہیے۔ اب دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ جو مشاق مومن کی ہے خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ ہم میں پائی جاتی ہے یا نہیں یعنی ہم خدا تعالیٰ کی محبت میں پورے طور سے مضبوط ہیں یا نہیں اگر پورے طور سے مضبوط ہیں تو ہم وَالَّذِينَ آمَنُوا کے پورے مصداق ہیں ورنہ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجے کا ایمان بھی ہوگا یعنی یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ کسی مسلمان کو خدا تعالیٰ سے بالکل ہی محبت نہیں تھوڑی بہت تو سب کو ہی ہے کیونکہ یہ اس آیت کی رو سے

ایمان کے لئے لازم ہے اور اتقواء لازم مستلزم ہوتا ہے اتقواء ملزوم کو پس اگر محبت کی بالکل نفی کی جائیگی تو اس کے ساتھ ہی ایمان کی بھی نفی کر دینی پڑے گی حالانکہ ایمان بحد اللہ ہم سب میں پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ محبت سبب میں ہے بلکہ محبت کے ساتھ اس کی شدت بھی ہر موطن میں پائی جاتی ہے اسی آیت کی رو سے لیکن خود شدت کے بھی مراتب مختلف ہیں کہ کسی میں بہت شدت ہے اور کسی میں اس سے کم اور اسی مناسبت سے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہونگے باقی ضعیف محبت کی مسلمانوں میں پایا ہی نہیں جاتا اور نہ پایا جاسکتا ہے کیونکہ شدت محبت کی نفی سے بھی ایمان کی نفی ہو جائیگی تو اس اعتبار سے مراتب کا اختلاف شدت بلکہ اشدیت ہی میں رہا یعنی کسی کو اشد محبت ہے اور کسی کو اشد سے بھی اشد۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اشد محبت ہر مسلمان کے لئے لازم ہے اب اپنی حالت کو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کو اشدیت محبت کس درجے کی ہے اور اس میں کلام ہی نہیں کہ آپ کو اشدیت محبت حاصل ہے اور یہ بالکل نئی بات ہے ورنہ سب واعظین یہی کہتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں تو گویا میں نے آپ کو یہ نئی بشارت دی ہے یعنی اگر کوئی شخص فاسق فاجر گنہگار شرابی بھی ہے تو اس میں بھی اشدیت محبت کی ہے لیکن باوجود اس اشتراک کے پھر بھی مراتب اس کے مختلف ہیں کیونکہ ہر اشدیت برابر نہیں ہوتی اور اشتراک اشدیت اگرچہ اس وقت محسوس نہیں ہوتا لیکن امتحان کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان کے سامنے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی شان میں یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اگرچہ وہ مسلمان نہایت درجہ کا ضعیف الایمان ہو لیکن اس گستاخی کو سنکر اس قدر بے چین ہو جاتا ہے کہ ماں کی گالی سننے سے بھی اس قدر بیچین نہیں ہوتا اور اس درجہ کی بیچینی بدون اشدیت محبت کے نہیں ہو سکتی پس معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ سے اشد محبت ہے اگر ضعیف محبت ہوتی تو اس قدر بیچین نہ ہوتا۔ گو نہ بیچینی کسی نہ کسی مرتبے میں اس وقت بھی ہوتی اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی شخص کا ایک پیسہ گم ہو جائے تو اس کو بھی

قلق ہوتا ہے اور اگر کسی کا ایک روپیہ گم ہو جائے تو اس کو بھی قلق ہوتا ہے اور
 کسی کی گنتی گم ہو جائے تو اس کو بھی قلق ہوتا ہے اور دس گنتی گم ہو جائیں تو اس کا بھی
 قلق ہوتا ہے لیکن پیسے کے گم ہونیکا قلق ضعیف ہوتا ہے اور روپے کے گم ہونیکا
 قلق شدید اور گنتی کے گم ہونیکا قلق اشتہ ہوتا ہے اور دس گنتی کا اشتہ سے بھی اشتہ ہوتا
 ہے غرض کوئی فاسق بھی شدتِ محبت سے خالی نہیں ہے لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے
 کہ میں فسق کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو بات واقعی ہے اس کو ظاہر کیا جاتا ہے اور
 اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو نور اسلام کے ساتھ مسخر ابن کیا کرتے ہیں اور ہنسا کرتے
 ہیں اور ہم کو ذرا بھی بیچینی نہیں ہوتی تو ایمان کے لئے شدتِ محبت لازم کہاں ہوتی
 تو میں کہوں گا کہ خدا کی قسم اگر کسی شخص کی یہ حالت ہے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں
 اگرچہ وہ اپنی زبان سے اپنے کو مسلمان کہے اور اگرچہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں پیدا
 ہوا ہو اور اس وقت ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان
 کو ذرا بھی پروا اس بات کی نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے وطن
 میں ایک ماسٹر عارضی طور پر آئے ہوئے ہیں اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں ان سے جب
 ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے کہا تو کہنے لگے کہ ڈاڑھی تو بکرے کے ہوا کرتی ہے افسوس
 ہے کہ لوگ مولویوں کو فتویٰ تکفیر میں متعصب تہلکاتے ہیں لیکن ان کو انصاف کرنا
 چاہیے کہ کیا یہ بات بھی کفر کی نہیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ ایک ایسا شخص جس
 کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈاڑھی رکھی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام
 ڈاڑھی رکھتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب نے رکھی اور پھر وہ یہ کہے کہ
 نہ ڈاڑھی تو بکرے کے ہوتی ہے کیا آپ لوگ انصاف کی رو سے اس کو مسلمان کہیں
 دیکھو اگر کوئی شخص عدالت کی توہین کرنے لگے تو وہ کتنا بڑا مجرم سمجھا جاتا ہے
 تو کیا یہ توہینِ عدالت کی توہین کی برابر نہیں ہے معنی شناس جانتا ہے کہ عدالت کی توہینِ عدالت کی توہین ہے اسی
 طرح اسلام کے کسی حکم کی توہینِ شارع علیہ السلام اور بانی اسلام یعنی خدا تعالیٰ
 کی توہین ہے پس اگر خدا تعالیٰ کی توہین کر کے بعد بھی ایمان نہیں گیا تو گویا ایمان لشری اور گوند ہوا کہ وہ ایسا

چپکا ہے جو کسی طرح چھوٹتا ہی نہیں۔ صاحبو! اسلام ایسا سستا اور اتنا بے غیرت نہیں ہے کہ اس کو کوئی شخص دھکے بھی دے اور وہ نہ ٹلے۔ آج اکثر مسلمان روزے کو نماز کو فاقے اور اٹھک بٹھک کہتے ہیں۔ اور پھر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ کَبْرُتٌ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنَ افْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُوْنَ اَلَا كَعِزِّ جَابِطٍ اے وہ جو ان کے مونہوں سے نکلتا ہے وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے، آخر صابطہ اور حدودا بھی کوئی چیز ہیں یا نہیں یہ اچھا اسلام ہے کہ تمسخر اور اہانت کرنے سے بھی نہیں جاتا۔ افسوس ہے کہ اپنی ماں کے متعلق تو دوسروں سے بھی بیوقوف الفاظ نہ سن سکیں اور اسلام کے متعلق خود خرافات اور تمسخر ہر آوازہ ہوں سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے لوگوں کا نکاح اگر کسی مسلمان عورت سے ہوا ہے تو اس قسم کے تمسخر سے وہ نکاح فوراً ٹوٹ گیا اور جو اولاد ان سے اس کے بعد پیدا ہوگی وہ سب ولد الزنا ہوگی۔ صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے مگر لوگوں کو اس پر ذرا التفات نہیں ہے اور نظیر اس کی وہی ہے کہ اگر اللہ کی توہین کی جائے تو وہ سلطنت اور گورنمنٹ کی توہین کی جاتی ہے سو کیا وجہ کہ دفعاتِ اسلام میں سے کسی دفعہ کی توہین یا کسی نبی کی توہین خدا تعالیٰ کی توہین نہ سمجھی جائے پس یہ شبہ جاتا رہا کہ تمسخر کے بعد بھی ہم تو مسلمان ہیں اور رفع اس طرح ہوا کہ وہ مسلمان نہیں اگرچہ کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ مسئلہ بلاغبار ثابت رہا کہ جو مسلمان ہوگا اس کو خدا تعالیٰ سے شدت محبت ضرور ہوگی لیکن اس میں درجات متفاوت ہونگے مثلاً ایک شدت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق گستاخی سنکر پیسے ہو جائے دوسرا درجہ یہ ہے کہ محض خدا تعالیٰ کا ذکر ہی سنکر قلب میں ایک ولولہ پیدا ہو اور نافرمانی کے چھوڑنے کی فکر ہو جائے اور یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہیں اور اس قدر فضل و کرم ہے حالانکہ اگر دنیا میں کوئی چار پیسے ہم کو دیتا ہے تو اس کی کس قدر اطاعت کی جاتی ہے تو جب چار پیسے دینے والے کی اتنی اطاعت ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کی اطاعت تو اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہیے اور اس کی نافرمانی کا تو دوسو سو بھی ویس نہ آنا چاہیے غرض

خدا تعالیٰ کا نام اور احکام سن کر یہ خیالات اطاعت کے پیدا ہوتے مگر چند روز کے بعد پھر ذہن سے نکل گئے ایک درجہ یہ تھا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس خیال کے ساتھ ہی اس پر عمل بھی شروع کر دیا یعنی جس قدر اسباب مباحی تھے سب کو ترک کر دیا اگر نیچے پاس تصویر تھی ان کو چاک کر ڈالا اور اگر حسرام کی کمائی تھی اس کو مالکین کو واپس کر دیا اگر مالک نہ مل سکے تو اس کو مالکین کی طرف سے صدقہ کر دیا اگر نماز نہ پڑھتے تھے نماز شروع کر دی یا جامہ اگر ٹخنوں سے نیچا تھا اس کو کاٹ کر ٹخنوں سے اونچا کر لیا اور یہ نچتے قصد کر لیا کہ اب کوئی حرکت خلاف حکم نہ کریں گے اور اس قصد کو نباہ دیا یہ درجہ سب میں بڑھ کر ہے اور اس کے بہت سے اور مراتب بھی نکل سکتے ہیں لیکن میں نے قصر مسافت کے لئے مثال میں کم کر دیئے کہ عاقل آدمی خود ہی سب مراتب کو سمجھ لیگا حاصل یہ ہوا کہ شدت محبت لازم ایمان اور اس کے مراتب مختلف اور جس مرتبہ کی شدت اسی مرتبہ کا ایمان ہوگا۔ اور یہی بات خدا تعالیٰ کو اس آیت میں بتلانا ہے اور مقصود اس بتلانے سے یاد دلانا ہے کہ تم شدت محبت اختیار کرو جس کی علت اطاعت کاملہ ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے نوکروں سے یہ کہنے لگے کہ جو ہمارا وفادار نوکر ہوگا وہ ہماری اطاعت کرے گا تو ہر عاقل سمجھتا ہے کہ اطاعت اختیار کرو ورنہ جس قدر اطاعت میں کمی ہوگی اسی قدر وفا میں کمی سمجھی جائیگی تو خدا تعالیٰ نے بھی اسی خبر کے ذریعے سے ہم کو متنبہ کیا ہے کہ تم شدت محبت اختیار کرو ورنہ اسی ضعیف درجے کا تمہارا ایمان بھی ہوگا۔ اب غور کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے قلب کو طویل کر دیجئے کہ آپ میں کس درجہ کی محبت ہے سو اس کا پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے کیونکہ اس کے کچھ آثار ہوتے ہیں کہ وہ آثار جس مرتبے میں پائے جائیں محبت بھی اسی مرتبے میں ہوگی۔ اور یہ گویا محبت کے پرکھنے کی کسوٹی ہے کہ جس طرح چاندی کا کھوٹا کھرا ہونا کسوٹی سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح محبت کا کم اور زیادہ ہونا ان آثار سے معلوم ہوگا اور یہی کسوٹی ہے جس کو حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے کہ

خوش بود گر محک تجسیرہ آید ہمیاں تاسیہ روسے شود ہر کہ دروغش باشد

اگر تمہارے پاس تجربے کے کسوٹی ہے تو میں خوش ہونا چاہتی ہوں تاکہ جو شخص جھوٹ بولتا ہو وہ

تجربے کے بعد جب اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو روسیہ اور شرمندہ ہوا

حقیقت امر یہ ہے کہ بدون امتحان کے پتہ نہیں چل سکتا اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اپنے کو جانچا ہے یا نہیں اگر نہیں جانچا تو اب جانچنا چاہیے اور اپنے افعال و اقوال کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ شدتِ محبت کے آثار ہیں یا نہیں اور اگر آثار یوں سمجھ میں نہ آئیں تو آثارِ دنیا کے نظائر پر قیاس کر کے دیکھئے یعنی اگر دنیا میں کسی مرد یا عورت سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے کیا آثار ہوتے ہیں سو آثار اس کے یہ ہوتے ہیں کہ اول تو ہر وقت کی یاد کہ کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا جس میں محبوب کی یاد سے دل پر ہنودوسر نہایت خوشی سے اطاعت کرنا اور اس میں ذرا بھی کلفت نہ ہونا مثلاً اگر وہ گھر بھر بھی مانگ لے تو اس میں کچھ بھی دریغ نہیں ہوتا پس جب یہ دو چیزیں آثارِ محبت سے ہیں تو انہیں کو پیش نظر رکھ کر اپنے کو جانچ لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ جو بس گھنٹے میں کتنی دیر آپ خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں خاص کر جبکہ ہر وقت اس کی نعمتوں میں بالکل سرتاپا غرق بھی رہتے ہو جن سے ہر وقت یاد آ جاتا طبعاً بھی ضروری ہے۔ صاحبوا! یہ باتیں بھولنے کی نہیں ہیں کہ خدا کے دیئے ہوئے مکانوں میں رہتے ہو اس کا دیا ہوا کھانا کھاتے ہو اس کی دی ہوئی اولاد سے متمتع ہوتے ہو لیکن اس کو یاد نہیں کرتے دیکھو اگر کوئی دوست تم کو دو آم بھیج دے تو ان کو کھاتے وقت دل میں اس کا تصور ضروری رہتا ہے ذرا انصاف سے تبلائیے خدا تعالیٰ کا دیا ہوا کھانا دونوں وقت تمہارے سامنے آتا ہے لیکن تم نے کسی دن بھی کھاتے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کیا ہے سارا کھانا کھا جائیں گے لیکن کسی لقمے پر بھی یہ خیال نہ ہو گا کہ یہ خدا کی دی ہوئی نعمت ہے یہ دوسری بات ہے کہ بوجہ عقیدہ درست ہونے کے کسی کے پوچھنے پر ہم کہیں کہ یہ خدا تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے کیوں صاحبوا پھر کیا اسی منہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے شدتِ محبت بدرجہ

مطلوبہ ہے اور ہم کامل ایمان دار ہیں دیکھ لیجئے کہ اس کی خاصیتیں کس کس کو ہم میں پائی جاتی ہیں اور اگر کوئی کہے کہ ہم میں محبت کے خواص مشترک تو پائے جاتے ہیں جو اونی مسلمانوں میں بھی مشترک ہیں مثلاً یہی کہ اس کی شان میں گستاخی سن کر بیچپن ہو جانا تو میں کہوں گا کہ کیا آپ کو ان مشترک خواص پر قناعت ہے۔ صاحبِ جواد راغور کر کے دیکھو کہ تمہارے پاس سوائے دولت ایمان کے اور کیا دھرا ہے پھر اگر اس کے بھی اونے درجے پر قناعت کر لو تو غضب ہے اور اگر کسی کو دولت دنیا پر ناز ہو اور اس لئے دولت ایمان کے کمال کا طالب نہ ہو تو یاد رکھو کہ یہ دولت بہت جلد تم سے چھوٹ جانے والی ہے مثلاً چوری ہو گئی آگ لگ گئی اور یا تم اس سے بہت جلد چھوٹنے والے ہو جبکہ مرنے تک تمہارے پاس رہی دنیا میں سب سے بڑا خوش قسمت وہ شخص سمجھا جاتا ہے کہ مرنے دم تک دولت اس کے پاس رہے لیکن پھر بھی مرتے وقت آخر چھوڑنا پڑے گی اور اس وقت دس منٹ بلکہ ایک سکنڈ کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ صاحبِ جواد کیا کوئی عقلمند آدمی ایسے سرمایہ کو جو اتنے جلدی چھوٹنے والا ہو اور بعد کو ایسے لوگوں کے پاس جانے والا ہو جو کہ آپ کے دشمن ہو اور آپ اپنا سرمایہ کو وہاں پر رکھ کر نہ کرتے ہوں سرمایہ کہہ سکتا ہے؛ کبھی نہیں۔ جب یہ سرمایہ قابل اعتبار نہیں تو اب بتائیے کہ ابداً آباد تک کام آنے والا اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے والا سرمایہ سوائے ایمان کے اور کیا ہے اور چونکہ یہ جلسہ مسلمانوں کا ہے اس لئے اس کے منوانے کے لئے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں یہ مثل اصول موضوعہ کے پیشتر سے مسلم ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان ہی ایسی دولت ہے کہ چند روز کے بعد یہ قبر میں ساتھ دیگا اور اس کے بعد پلصراط پر کام آئیگا اس کے بعد میزان کے تولنے پر کام آئیگا تو اگر اس کا کمال مطلوب نہ ہو تو ستم ہے اس لئے دیکھنا ضرور ہوا کہ اس کا کمال ہم کو حاصل ہے یا نہیں مثلاً یہی دیکھ لو کہ جو ایمان ہمارے پاس ہے آیا وہ اس قابل ہے کہ ان مواقع مذکورہ میں ساتھ دے سکے یا نہیں اگر ہمارا ایمان ایسا ہے اور ہم کو یہ امید ہے کہ اس کی بدولت ہم پلصراط وغیرہ پہاڑوں ہی مرتبہ سرخرو

ہو جائیں گے تو نہایت حوشی کی بات ہے اور اس کا اس قابل ہونا اس کے خواہش اور آثار سے معلوم ہو گا اور اگر ہمارا ایمان ایسا نہیں ہے تو کیا کسی کو دوزخ کے سانپ بچھو اور طرح طرح کی تکالیف کی برداشت ہے اگر کوئی اس کا مدعی ہو تو ذرا مہربانی کر کے ہمارے سامنے ایک معمولی چراغ میں اپنی ایک انگلی جلا کر دکھلائے اور اگر اس کی تاب نہیں ہے تو دوزخ کی آگ کی تاب کیونکر ہوگی اور جب اسکی تاب نہ ہوگی تو اس سے بچنے کا کیا سامان آپنے فراہم کیا ہے اور کیا کیا تدابیر اس کے لئے اختیار کی ہیں صاحبو! اگر کوئی شخص دردِ گروے میں مبتلا ہو جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور وہ اس کے ازلے کی کتنی تدبیریں کرتا ہے حالانکہ دردِ گروے کا مال اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ زندگانی کا خاتمہ کرے اس کے بعد پھر ابداً باذنک اس سے نجات خود بخود ہو جاتی ہے برخلاف اس تکلیف کے کہ اگر یہ شروع ہوگئی تو یا تو بالکل ختم نہ ہوگی اور یا اگر شتمہ ایمان کی وجہ سے ختم بھی ہوتی تو خدا جانتے کتنی مدت کے بعد جہاں کا ایک دن ہزار برس کی برابر ہے چنانچہ ارشاد ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۗ تو اگر چار برس کی سزا بھی ہوگئی تو چار ہزار برس ہوئے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم نہیں وہ سب تکالیف سے نجات دیدینگے لیکن اگر یہ ہو سکا تو تھوڑا سا سنبھلا بھی کھالینا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہیں وہ بچالیں گے اور اگر سنبھلا کھا کر مر جانا خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونیکے منافی نہیں تو گناہ کر کے دوزخ میں جانا بھی اس کے غفور رحیم ہونے کے خلاف نہیں ہے پس اس کا بچاؤ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایمان اور محبت کی تکمیل اس کے آثار سے کی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ اطاعتِ پوری طرح کی جائے اور گناہ کو ترک کیا جائے صاحبو! کس قدر افسوس ہے کہ دنیا کے مکان کی تکمیل میں تو اس قدر اہمیاگ کہ اگر ایک پرنا لہ بھی رہ جائے تو چیں نہ آئے اور قصر ایمان کی بنیاد تک ضعیف ہونے پر بھی پروا نہیں اور کچھ خیال نہیں کیا جاتا علیٰ ہذا اگر کسی کپڑے کی آستینیں ناقص رہ جائیں تو اس کے لئے

دس جگہ سے پکڑا ٹلاش کریں گے اور پیکر ایمان کے ہاتھ پانو قلم ہو جانے پر بھی غم نہیں غرض آپ صاحبوں کے نزدیک ہر چیز کی تکمیل کی ضرورت ہے مگر ایمان کی تکمیل گویا محض بے سوچے حالاکہ اس کی تکمیل سب سے اول ضروری ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ وہ سرمایہ ہے کہ دونوں جہان میں ساتھ رہنے کے علاوہ دونوں جہان کی راحت بھی اسی سے ہے آخرت کی راحت تو سب ہی جانتے ہیں کیونکہ ایمان ہی کی بدولت دوزخ سے نجات ہوگی۔ لیکن ایمان کے کامل ہونے سے دنیا کی بھی راحت ہوتی ہے یہ بات شاید ابھی سمجھ میں نہ آئی ہو کیونکہ ظاہر اثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر علم و عمل والے لوگ ہیں اور جو زیادہ بچے ایماندار کہلاتے ہیں دنیوی مصیبت میں وہی زیادہ گرفتار نظر آتے ہیں۔ کوئی افلاس میں مبتلا ہے کسی پر مخالفین کا ترغیب ہے۔ ملی ہڈا بڑے بڑے متقی فقر و فاقے میں اکثر مبتلا رہتے ہیں تو ان کو کیا خاک راحت ہوتی لیکن آپ نے غور نہیں کیا کہ راحت کس چیز کا نام ہے اگر آپ دنیا کے حالات اور دنیاوی نظائر میں غور کریں تو اس کا پتہ چل جائیگا اول میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ راحت کی حقیقت کیا ہے آیا ظاہری ٹیپ ٹاپ چہل پہل پا کر قاب کا اطمینان سونپا ہر ہے کہ محض ٹیپ ٹاپ کا نام راحت نہیں کیونکہ اگر کسی شخص کے پاس دس گانوں بھی ہوں بڑے عالیشان قصر بھی رہنے کے لئے ہوں حشم خدم بھی ہوں لیکن سلطنت کی طرف سے اس کو یہ حکم ہو جائے کہ ایک ماہ کے بعد تم کو پھانسی دی جائیگی کیا کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ساز و سامان اس خبر سننے کے بعد کچھ بھی اس شخص کے لئے موجب راحت ہو سکتا ہے بلکہ اگر سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت میں یہ سامان اور زیادہ کلفت اور حسرت کا موجب ہوگا تو معلوم ہوگا کہ یہ سامان موجب راحت نہیں بلکہ گناہے باعث کلفت ہے اس کے مقابلے میں ایک مزدور کو لیجئے جو کہ دو آنے روز کماتا ہے لیکن اس پر نہ تو کوئی دفعہ جرم کی عائد ہے نہ اس کو کوئی دوسرا غم ہے اب اگر اس ٹریس

کہا جائے کہ تم اپنی ساری جائداد اس مزدور کو دیداد اور دو آنے روز لینا گوارا کرو تو تم کو پھانسی سے نجات ہو جائیگی تو کیا وہ اس پر راضی نہ ہوگا ضرور راضی ہو جائیگا اور اگر اس مزدور سے پوچھا جائے کہ تم کو اس شخص کی ساری جائداد دی جاتی ہے لیکن ایک مہینہ کے بعد تم کو پھانسی دی جائیگی تو کیا یہ مزدور اس جائداد کو لینا گوارا کرے گا ہرگز نہیں پس مزدور کا انکار اور اس رئیس کی رضا صاف بتلا رہی ہے کہ راحت اہل میں اطمینان قلب کا نام ہے نہ کہ ظاہری چہل پہل اور بھڑک کا۔ اب اس کے بعد آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات اہل اللہ پر اگر ظاہری کوئی مصیبت بھی آتی ہے تو اگرچہ طبعاً کچھ اثر ہو لیکن پریشانی نہیں ہوتی نہ وہ مضطرب ہوتے ہیں بلکہ وہ اندر سے نہایت خوں ہوتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر اہل دنیا پر ایک صدمہ بھی آجائے تو کھانا پینا اور آرام سب چھوٹ جاتا ہے اور یہ محض نقص ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے تو وہ شبہ جاتا رہا کہ ایمان والے بھی تکلیف میں ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ایمان کامل دنیا میں بھی موجب راحت ہے۔ تو پھر غضب ہے کہ ایسے نایاب اور عجیب و غریب سرمایہ کی تکمیل کی طرف سے اس طرح بے پروائی کی جائے۔ صا جو! آپ کو اس تکمیل کی فکر کرنی چاہیے اس طرح سے اس کے علامات و آثار یعنی ذکر دائم اور اطاعت دائمہ اپنے اندر پیدا کرنی کی کوشش کرنی چاہیے لیکن ذکر اس کو نہیں کہتے کہ محض زبان سے رٹ لیا اور دل میں وہی دنیا کی خرافات بھری رہیں ایسے ذکر سے کچھ نفع نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

برزبان تسبیح و در دل گاؤنر اینچنین تسبیح کے دار و اثر

معہ مراد اس ذکر لسانی سے وہ ذکر لسانی ہے جس سے ذکر قلبی کا پیدا ہونا بھی مقصود نہ ہو کہ یہ ذکر کچھ مفید نہیں اور اگر مردست محض ذکر لسانی ہو لیکن اس قصد سے ہو کہ اس سے ذکر قلبی پیدا ہو جائے تو تجربہ ہوا ہے کہ یہ ذکر لسانی بھی مفید ہے۔ کما صرح بہ فی تربیتہ السالک ۱۳ سعید

ازبان پر تسبیح اور دل میں بیل گدھے یعنی دنیا کی بہت سی تسبیح جو صرف دکھانے کے لئے ہو بھلا کس طرح موثر ثابت ہو سکتی ہے

یہ یاد تو ایسی ہے جیسے کوئی طوطے کو نبی جی بھیج دیا کر لے کہ وہ ہر وقت اسی کو رٹا کرے مگر جب بلی آکر دبا سگی تو سوائے ٹان ٹان کے کچھ بھی یاد نہ آئیگا یہ ذکر بھی ایسا ہی ذکر ہے۔ تو وہ ہے کہ دل اور زبان سب اسی میں محو ہو جائیں کم سے کم ایسی حالت تو ہو جو ایک مرد اور ہزاری عورت کے ساتھ ہوتی ہے۔ گو یہ حالت تدریجاً ہو مگر اس کا قصد تو رہنا چاہیے پس ایک اثر تو کمالِ ایمان و محبت کا یہ ہے دوسرا اثر اس کا سہولت و طاعت ہے سو اس کو بھی دیکھ لیجئے کہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری کیا حالت ہوتی ہے کیا اکثر لوگوں کو اس کا اتشال گراں نہیں ہوتا واللہ بعض کی تو یہ حالت ہوتی ہے جیسے کسی نے گولی مار دی ہو اس سے زیادہ اس کا کیا ثبوت ہو گا کہ ہر عمل ہر خلق میں ہم نے شریعت کے خلاف ایک نرالا طریقہ تجویز کر رکھا ہے گو یا شریعتِ اسلام کے مقابلے میں ایک دوسری شریعت بنائی ہے اور اس کو اپنے لئے فخر اور سہر سمجھا جاتا ہے اس کے متعلق اگر ایک ایک جزئی کو بیان کیا جائے تو بہت سا وقت صرف ہو لیکن میں مختصر طور پر بیان کرتا ہوں مثلاً شادی اور غمی کی رسمیں ہیں کیا آج کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ رسمیں شریعت کے خلاف نہیں ہیں اور اگر واقعی کسی کو معلوم نہیں تو اس کو چاہیے کہ اس قسم کی کتابیں مطالعہ کرے جو اس کے بیان کرنے کے لئے تصنیف کی گئی ہیں یا جو لوگ اس مجمعے میں موجود ہیں وہ اسی وقت کچھ سن لیں سنئے شادی غمی کی رسمیں دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جنکا قبیح ہونا نہایت ہی ظاہر ہے اور شرفاء و ثقات نے ان کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اب صرف اسافل اور فساق الناس اس میں مبتلا ہیں مثلاً تاج رنگ وغیرہ۔ اور بعض وہ رسمیں ہیں کہ ان کا قبیح اتنا ظاہر نہیں ان میں عوام و خواص قریب قریب سب مبتلا ہیں اور ان کو بالکل بجا نہ سمجھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات

ادعائے تقویٰ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ہم نے شادی میں کونسی رسم کی ہے نہ ہمارے ہاں ناچ ہوا اور نہ باجا منگایا گیا پھر ہم نے کیا گناہ کیا سو میں بتلاتا ہوں کہ آپ نے کہا گناہ کیا ہے لیکن پہلے مجھے یہ بتلا دیجئے کہ گناہ کہتے کس کو ہیں ظاہر ہے کہ جو امر شرعاً ممنوع ہو وہ گناہ کہلاتا ہے خواہ وہ ناچ ہو یا کوئی دوسرا امر ہو کیونکہ ناچ بھی تو اسی واسطے حرام ہوا کہ شریعت نے اس کو حرام اور عہم قرار دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ناچ کے علاوہ دوسری رسوم کو بھی شریعت نے جرم قرار دیا ہے یا نہیں اس پر مفصل گفتگو تو اصلاحِ رسوم میں یلگی میں مختصراً سو وقت بقدر ضرورت بیان کئے دیتا ہوں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں فرمایا تکبر کی سخت ممانعت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ حدیث شریف میں ہے لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبَرٍ دوسری حدیث میں ہے مَنْ آسَى قَوْمٍ شَهْرَةَ أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ الذُّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے اور حدیث اول کا ترجمہ یہ ہے جس کے قلب میں رانی برابر بھی تبکر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے اگر کوئی شہرت کے لئے کپڑا پہنے گا تو قیامت میں خدا تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ فخر کے لئے کوئی کام کرنا حرام ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ رَأَى رَأَى آيَ اللَّهُ بِهِ اس سے معلوم ہوا کہ دکھلاوے اور شہرت کا کام کرنا حرام ہے اب غور کر کے دیکھئے کہ شادی میں جو کام ہم کرتے ہیں اور جن کے لئے ہم نے نہایت خوبصورت الفاظ تراش رکھے ہیں کہ بھات دیا ہے اور بھائیوں کو کھلایا ہے اور بیٹی کو دیا ہے وغیرہ وغیرہ ان میں نیت ہماری کیا ہوتی ہے۔ صاحبو! محض الفاظ کے خوبصورت ہونے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔ سب سے بڑی چیز نیت ہے لہذا نیت کو دیکھنا چاہئے

کیا ہم لوگ یہ تمام رسمیں محض رسم اور نمود کے لئے نہیں کرتے بہنوں کو بڑا بڑا بھجات
 ریا جاتا ہے اور اس کو صلہ رسمی کہا جاتا ہے کیوں عاجز و آج سے آٹھ دن پہلے بھی
 تو یہ بہن آپ ہی کی بہن تھی پھر کیا آپ نے کبھی اس کی خبر لی ہے کبھی بہن کے فقر و ناتے ہر
 آپ کو رحم آیا ہے نیز اگر یہ صلہ رسمی ہے تو تمام برادری کو اس کا معاشرہ کرانے کی کیا
 ضرورت ہے کیا کبھی اپنی لڑکی کے لئے کپڑا خریدتے وقت یا اس کو کھلاتے پلٹتے وقت
 بھی آپ نے برادری کو جمع کیا ہے اگر نہیں کیا تو بھجات اور چہرہ دیتے وقت برادری کو
 کیوں جمع کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ محض فخر اور نمود کے لئے ایسا کیا جاتا ہے بس یہ کہنا بالکل
 صحیح ہے کہ یہ سب رسوم محض شہرت کے لئے ہیں اور شہرت کے لئے جو کام کیا جاتا
 ہے وہ بروی حدیث حرام ہوتا ہے تو یہ سب رسوم ہی حرام ہی ہوئیں بالخصوص
 ایک رسم تو ایسی گندی ہے کہ وہ توبہ سے بھی معاف ہونا مشکل ہے
 کیونکہ اس کی توبہ بھی مشکل ہے اور لطف یہ کہ
 اس کو بظاہر عبادت سمجھا جاتا ہے اور اس پر فخر
 کیا جاتا ہے اور وہ رسم نبوتہ لینا دینا ہے لوگ اس کو قرض حسنہ سمجھتے ہیں اور کہتے
 ہیں کہ بھائی بھائی کی مدد کرتا ہے اور مدد کرنا عبادت ہے تو گویا نبوتہ دینا عبادت
 ہوا حالانکہ نبوتہ دینا اس قدر بُری رسم ہے کہ سب رسموں میں گندی ہے۔ اس
 کو شاید آپ نے آج تک نہ سنا ہو گا مگر میں اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ اس کی
 حقیقت بیان کروں گا اور وہ کوئی عجیب اور نئی بات نہ ہو گی بلکہ پرانی بات ہے
 لیکن آپ نے عدم توجہ کے سبب اس میں غلطی کر رکھی ہے مقدمات سب آپ کے
 مسلم ہیں نتیجے میں اگر غلطی ہو رہی ہے جیسے کسی شخص نے تہمت کہتے کہ تم
 تباہ زبردست۔ بات زبردست اور رواں پڑھا تھا بطح تو اپنے بھی
 ہتھے تو صحیح کئے ہیں صرف رواں میں غلطی کر رکھی ہے جس کو میں بتلاتا ہوں وہ
 یہ ہے کہ یہ امر سب کو مسلم ہے اور کوئی شخص اس سے منکر نہیں کہ نبوتہ ایک
 قرض ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض واجب الادا ہوتا ہے تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ

قرضخواہ کی موت کے بعد اس کا کل ترکہ اس کے ورثاء کی ملک ہوتا ہے خواہ وہ ترکہ عین ہو یا کسی کے ذمہ ذمہ ہو مثلاً اگر کوئی شخص مرے اور تنہا روپے اس کے گھر میں موجود ہوں اور تنہا روپے اُدھار میں تو اس کا کل ترکہ دوسرے روپے سمجھا جائیگا اور یہ دوسرے روپے ملا کر سب ورثاء کو تقسیم کئے جائیں گے۔ ان تینوں مسئلوں کے معلوم ہونے کے بعد دیکھئے کہ نوتہ میں کیا ہوتا ہے سو نوتہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پچیس جگہ دو دو روپے دیئے اور اس طرح پچاس روپے اس کے قرض میں پھیل گئے اور اس کے بعد یہ شخص مر اور دو بیٹے اس نے وارث چھوڑے جن میں ایک بالغ و دوسرا نابالغ تو موجود ترکہ میں سے تو ان دونوں نے نصفاً نصف لے لیا وہ بھی جبکہ بڑا بھائی بڑا ایماندار ہو لیکن جو نوتہ میں قرض ہے اس کو کوئی بھی تو تقسیم نہیں کرتا چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر چند روز کے بعد اس بالغ لڑکے کی کسی اولاد کی شادی ہونے لگی تو لوگ وہ نوتہ اسی کو لاکر دینگے اور یہ بلا تامل سارا نوتہ خود ہی خرچ کر لینگا اور اپنے کو ہی اس کا مالک سمجھینگا حالانکہ ان پچاس میں سے پچیس روپے اس کا حق ہے اور پچیس اس کے چھوٹے نابالغ بھائی کا حق ہے اسی طرح علی العموم تمام نوتوں میں یہی کیا جاتا ہے کیا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ کسی نوتہ کو فرائض کی رو سے تقسیم کیا گیا ہو میرے خیال میں ایک جزئی بھی اس کی نہیں بتلائی جاسکتی تو اس میں ایک گناہ تو اس بالغ کو ہوا کہ اس نے یتیم کا مال کھا یا قسمان شریف میں ہے **إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّهَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ ذُرًّا** وَسَيُصْلَوْنَ سَعِيرًا وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں یہ عنقریب جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور ایک گناہ نوتہ واپس کرنے والوں پر ہوا کہ انہوں نے مشترک مال ایک شریک کو دیدیا اور لطف یہ ہے کہ نوتہ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہم قرض سے سبکدوش ہو گئے حالانکہ ابھی پچیس روپے یتیم کے ان کے ذمہ باقی ہیں اور درمختار میں روایت لکھی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کسی کے

تین پیسے قرض کے رہ جائینگے تو قیامت میں اس کی سات سو نمازیں قرضخواہ کو
دلائی جائیں گی۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب مالک کے بیٹے ہی کو وصول ہو گیا ہو
اور اگر دو تین پشتیں گز گئیں اور مناسخہ جاری ہو گیا پھر تو خدا جلنے دو تک
کس کس کا حق اس میں متعلق ہو گیا جس کا پہونچا تا سخت ہی دشوار ہے۔ اور اگر کوئی
کہے کہ یہ تو باپ دادا کے وقت سے چلا آتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ عذر ہرگز قابل
سماعت نہیں کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو آج ہم لوگ مسلمان نہ ہوتے آخر میں ہم
کو اسلام تو اسی لئے نصیب ہوا کہ ہمارے باپ دادا نے اپنے آبا و اجداد کے رسم و
رواج کو ترک کر دیا لہذا یہ عذر نہایت بار رہے اس کا علاج اس کے سوا اور کچھ
نہیں کہ پچھلے قرض کو تحقیق کر کے ادا کیا جائے اور آئندہ کو یہ رسم بالکل چھوڑ دی
جائے یا کوئی عربی خواں یا انگریزی خواں اس کے سوا کوئی دوسرا علاج مجھے
تبتلائیں غرض تو نہ کی رسم نہایت گندی اور خراب ہے اگرچہ بظاہر یہ تو اب کا کام
نظر آتا ہے اور جب یہ اس قدر خراب رسم ہے جس میں ایک گونہ اعانت غریب کی
مصلحت بھی ہے تو دوسری رسوم تو جس میں کوئی مصلحت بھی نہیں بالکل ہی قابل
ترک ہونگی اسی طرح ہم نے ہر ہر قدم پر ایک ایک رسم ایجا دی ہے کہ جب تک
وہ نہ ہو گیا شادی ہی نہیں ہو سکتی اور ان رسوم میں جو دنیا کی مضر تیں ہیں ان کا
بیان کرنا میرا منصب نہیں ہے لیکن ایک مختصر سے جملہ میں جس میں ایک گونہ رعایت
بھی غریب کی مصلحت بھی ہے تبرعاً ان کو بھی بیان کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں
پر جس قدر تباہی آئی ہے زیادہ تر انہیں رسموں کی بدولت آئی ہے کیونکہ آمدنی
ہر مسلمان کی جتنی ہے سب پر ظاہر ہے اور خرچ ان رسموں کی بدولت جیسا کچھ ہوتا
ہے وہ بھی سب کو معلوم ہے ہاں اس مجموعہ کا اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ آج زمین
رہن ہو رہی ہے اور کل مکان پر قسرتی ہے پرسوں زیور اور اثاثہ البیت
نیلام ہو رہا ہے چوتھا دن نہیں آیا کہ میاں پابند رسوم بہ یک بینی دو دو گوش رہ گئے
بعض لوگ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ہم میں گنجائش ہے اور ہم کو قرض نہیں

لینا پڑتا۔ سوا اول تو یہ جواب مسلم نہیں کیونکہ ہر حیثیت کا آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہے اور اس میں قرض لینا لازمی ہے دوسرا اگر مان بھی لیا جائے کہ ان کو قرض لینا نہ پڑے گا تو کم از کم ان کو اپنے غریب بھائیوں کا تو خیال ضرور ہی کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ ہم کریں گے تو حرص کے مارے وہ بھی کریں گے اور تباہ ہونگے تو اس سے ہم بھی نہ کریں تیسرے جب یہ گناہ ہے اسلئے بھی اس کو چھوڑ دینا چاہیے گو دنیوی مضرت بھی نہ ہو۔ اسی طرح غمی کی رسمیں ہیں کہ ان میں بھی جو کچھ کیا جاتا ہے وہ محض شہرت کے لئے کیا جاتا ہے نہ کہ خدا کے لئے کیونکہ اگر خدا کے لئے کیا جاتا تو پوشیدہ طور پر کرنا بھی گوارا کیا جاتا اس دکھلانے اور سب پر ظاہر کر نیکا اہتمام کیوں ہوتا معلوم ہوا کہ محض شہرت ہی مقصود ہے اور امتحان اس کا یہ ہے کہ اگر کسی پابندِ رسوم سے یہ کہا جائے کہ بجائے اس ڈھونگ کے تم پچاس روپے دس مساکین کو دیدو اور کسی کو خبر نہ کرو تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا بلکہ یوں سمجھیکا کہ اس طرح کرنے سے یہ پچاس روپہ ضائع ہی ہو جائیں گے اور کہیگا کہ اچھی مولوی صاحب نے رائے دی کہ پچاس روپہ بھی خرچ کروں اور کسی کو خبر بھی نہ ہو صاحبو! یہ تو آپ لوگوں کی حالتیں ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ مولوی ثواب بخشنے سے روکتے ہیں یہ تو بتلاؤ کہ خود آپ ہی کو کب ثواب ہوا تھا کہ دوسرے کو بخشے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مولوی تو آپ کو ثواب ملنے اور ثواب بخشنے کی ترکیب بتلاتے ہیں ثواب سے منع نہیں کرتے اور وہ ثواب بخشنے کی ترکیب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے رو اور بائیں کو خبر نہ ہو۔ نیز اپنے خاص حصے سے دو مردے کے وہ پٹے جن میں تمام درثناء بالغ و نابالغ کا حق متعلق ہو گیا ہے وہ نہ دو۔ اور اگر دو تو ان کو تقسیم کر لو اور جو تمہارے حصے میں آئیں وہ دو مشترک ہرگز نہ دو تو ثواب کا طریقہ یہ ہے نہ وہ جو اپنے تراش رکھا ہے لوگ چاہتے ہیں کہ نام بھی ہو اور ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے سو ریاضی میں ثواب کہاں اور اللہ عذاب ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ اس کی بابت فرماتے ہیں۔

کلید درد و زخاستان نماز کہ در چشم مردم گذاری دراز
 زوہ نماز جو صرف دکھاوے کے لئے گھنٹوں ادا کی جاتی ہے وہ دراصل دوزخ کے
 دروازے کی کنجی ہے)

یہ نمونہ کے طور پر میں نے بیان کر دیا ہے دوسری رسموں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے
 یہ تو دلائلِ قویہ تھے فعلی بھی سنو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت
 قاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی کر کے دکھلا دیا کہ شادی اس طرح کرنی چاہیے۔ علیؑ نے
 اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی غمی کر کے بتلا دیا ہے کہ غمی یوں کرنی چاہیے
 پھر جب ہم نے اس کے موافق نہ کیا اور ہر امر میں اپنی ٹانگ اڑالی اور اس کا خلاف گراں
 ہوا تو سہولتِ اطاعت کہاں ہوتی پھر محبتِ مطلوبہ کہاں ہوتی اس محبت کا اثر تو
 یہ ہے کہ اطاعت میں سہولت پیدا ہوا اور جبکہ ہم نے بالکل شریعت کے خلاف کیا کہ وضع
 وہ اختیار کی جو شریعت کے بالکل خلاف۔ معاشرت وہ پسند ہوئی جس کو شریعت
 سے کچھ بھی لگاؤ نہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ہم کو کامل محبتِ خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے خلاصہ
 یہ ہے کہ کامل محبت کے دو اثر ہیں ایک دوام ذکر اور دوسرے سہولتِ اطاعت
 اور یہی علامتِ کامل ایمان کی ہے اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو ہم کو
 اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے۔ صاحبو! یہ تو بفضلِ تعالیٰ بلاغبارِ ثابِت ہو گیا کہ
 خدا تعالیٰ کی محبت کا ملہ کا دعویٰ بدون ذکرِ دائم و سہولتِ اطاعت کے غلط ہے
 اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خدا تعالیٰ اس محبت کا ملہ کے مستحق بھی ہیں یا نہیں سو
 اسکو بھی سمجھ لو کہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی مستحقِ محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہرات
 ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اس کا فتوے دیتی ہے اس لئے کہ محبت کے تین
 سبب ہوا کرتے ہیں یا تو یہ کہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان
 کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہو یا یہ کہ وہ خود نہایت حسین جمیل ہو اور اس
 کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلانِ خاطر ہو یا یہ کہ اس میں کوئی کمال
 پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعثِ محبت ہو جیسے عاتمہ طائی سے اس کی سخاوت کے

سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب یا کسی عالم فاضل سے اس کے علم و فضل کے سبب محبت ہوتی ہے اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہ نسبت میں سے کوئی وجہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو۔ منعم وہ اتنے بڑے ہیں کہ کوئی ان کی برابر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سب اس کی مخلوق و مملوک و محتاج ہیں جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں بڑے بڑے حسین جمیل ان ہی کے حسن و جمال کے فیض سے حسین جمیل بنے بیٹھے ہیں۔

ع : چہ باشد آن نگار خود کہ بند و این نگار ہا

علی بنہا صاحب کمال اتنے بڑے ہیں کہ علم کامل انہی کو ہے نیز ہر صفت کمال علی وجہ الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے تو انعام و نوال اور حسن و جمال اور فضل کمال ہر طرح سے عقلاً و نقلاً ان ہی میں ہے پس وہی مستحق محبت ہیں بس اب اپنے قلوب کو بٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کا ملہ ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اس کی تحصیل کی تدبیر کرو اور تدبیر بھی میں بتلا تلوں اور اسی پر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کو ختم کر دو گنا لیکن یہ نہ سمجھ لیجیو کہ محبت امر غیر اختیاری ہے اس کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے پھر اس کی تدبیر کیا ہو تو کیونکہ یہ گمان غلط ہے محبت گو خود غیبی اختیار ہو مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں جن پر ترتیب محبت کا عادتہ ضروری ہے اور ایسے امور میں خدا تعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر بتلائی ہے سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کر لو ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کرو اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس نسبت سے ہو کہ اس کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔ دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس معاملے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آرہے ہیں۔ تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ مجتہدین خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کر لو اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت

ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لیجاؤ نہ دنیا پوری ہونی کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو اپنے باطنی امراض کا علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے وقت میں گنجائش نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل طور پر بتلاتا۔ پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرمائیں یہ پانچ جز کا نسخہ ہے اس کو استعمال کر کے دیکھئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائے گی اور آپ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے پورے مہدوق ہو جائیں گے مگر ان پانچ اجزاء میں جو ایک جزو ہے اطاعت وہ اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب احکام کا علم ہو اور احکام کا علم اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان کو سیکھا جائے لہذا ایک چھٹے جزو کی اور ضرورت ہوگی وہ یہ ہے کہ علم دین سیکھا جائے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مولوی عالم بنے۔ عالم بننے کیلئے تو صرف وہ لوگ مناسب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فراغ اور وقت دیا ہے آپ صرف اتنا کریں کہ اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل دینیہ جو اسی غرض سے لکھے گئے ہیں کسی سے پڑھ لیں اور اگر پڑھنے کے لئے وقت نہ ہو یا عمر زیادہ ہو جانتی وجہ سے یہ دشوار معلوم ہو تو کسی سے سن لیں سو اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں کہ جن سے یہ دو کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لئے جائیں اور ان دونوں کام لینے کی چار صورتیں ہونگی۔ اول تو یہ کہ اگر ان سے کوئی شخص پڑھنے جائے تو پڑھا لیں۔ دوم یہ کہ اگر ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ بتلا سکیں۔ تیسرے ہر ہفتے میں ایک دن ایسا نکالیں کہ لوگوں کو جمع کر کے کوئی کتاب مسئلوں کی لے کر خود اس کے مسائل پڑھا کریں اور عام لوگ ان کو سنا کریں اور مسائل میں نماز روزہ حج زکوٰۃ معاشرت معاملات وغیرہ

سب کے احکام داخل ہیں سب سنائیں۔ چوتھا کام ان کا یہ ہو کہ ہر ہفتہ یا پندرہویں دن ترغیب و ترہیب کا وعظ کہا کریں اور وعظ کی مجلس کو بیان مسائل کی مجلس سے علیحدہ کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ یہ تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ وعظ میں مسائل فقہیہ کا زیادہ بیان نہیں ہو سکتا اکثر یاد میں بھی خلط ہو جاتا ہے اور بالخصوص اسلئے بھی کہ وعظ میں اکثر لوگ مزیدار مضامین سننے کی غرض سے آتے ہیں اسلئے وعظ میں زیادہ صرف ترغیب و ترہیب کے مضامین ہوں یہ چار کام ان کے سپرد ہوں اور ان کی تنخواہ لہلہ شہر خود اپنے ذمہ میں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے دیکھئے جس مقام پر طبیب نہیں ہوتا اہل شہر چپندہ کر کے کسی ایک طبیب کو بلاتے ہیں اور تنخواہ دیتے ہیں تو کیا باطنی امراض کا ازالہ بدنی امراض کی برابر بھی ضروری نہیں ہے یہ دستور العمل تو مردوں کے لئے ہے رہیں عورتیں ان کے لئے آسان یہ ہے کہ جو عورتیں پڑھی لکھی ہیں وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر ہشتی زبور وغیرہ پڑھا کریں اور جو پڑھی ہوئی نہیں ہیں وہ اپنے لڑکوں بچوں سے کسی وقت ہشتی زبور کے مسائل سن لیں اور یہ بھی نہ ہو تو لڑکیوں کو پڑھا کر تیار کر لیں اور ان سے اسی سلسلے کو جاری کریں یہ ہے مختصر دستور العمل اس سے انشاء اللہ ہر شخص کو علم وین حاصل ہو جائیگا اور محبت بھی بڑھے گی اور دین کی تکمیل ہوگی۔ خلاصہ سائے بیان کا یہ ہوا کہ ایمان والوں کے لئے محبت کا ملہ لازم ہے اور محبت کا ملہ کے لئے سہولت اطاعت لازم اور اس کی تائید کے لئے کچھ وقت ذکر اللہ کے لئے مقرر کرنا بھی مناسب اور پھر طاعت کے لئے ضروری ہے واقفیت اور واقفیت حاصل کرنے کے طریقے سہل یہ ہیں تو ان طریقوں پر عمل کیا جائے کہ علم حاصل ہو اور اس سے

طاعت میں سہولت ہو اور اس سے محبت بڑھے اور ایمان کی تکمیل ہو اور یہ تدبیر اختیار کر کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ
 کیونکہ ہر امر اس کی مشیت پر موقوف ہے اس کی مشیت نہ تو یہ سب تدابیر
 بے سود ہیں لیکن نری دعا پر بھی نہ رہنا چاہیے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے
 کہ بزرگوں سے دعا کی التجا کرتے ہیں لیکن خود کچھ نہیں کرتے حضرت حاجی امداؤد
 صاحب نور اللہ مرقدہ سے ایک تاجر نے بمبئی میں کہا کہ حضرت دعا کیجئے کہ
 خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کریں آپ نے فرمایا کہ اس شرط سے دعا کروں گا کہ جس
 روز جہاز چلے اس روز کامل اختیار تم مجھے اپنے اوپر دیدینا کہنے لگے حضرت اس میں
 کیا مصالحت اپنے فرمایا صلحت یہ کہ نمبر ہاتھ پکڑ کر چار میں بٹھلا دوں گا اور پھر خدا
 تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہیں صحیح و سالم پہنچا کر حج کراؤ سے ورنہ میری خالی
 دعا کرنے سے کیا ہوگا جبکہ تم بمبئی سے باہر نکلنے کا قصد ہی نہ کرو غرض
 محض دعا کرانے سے کام نہیں چلتا ضرورت اس کی ہے کہ اول کوشش کی
 جائے اور اس کے ساتھ خدا سے دعا کی جائے البتہ جو کام ایسے ہیں کہ ان میں
 تدبیر کو بالکل دخل نہیں ہے وہاں نری دعا ہی کافی ہے مثلاً بارش کا ہونا
 کہ وہ محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہم اس کے لئے کوئی تدبیر کر ہی نہیں سکتے
 لیکن جو کام ہمارے اختیار میں نہیں جیسے خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کرنا ان
 میں نہ تو نری تدبیر ہر اکتفا کیا جائے کہ وہ بسا اوقات ناز اور عجب کا
 باعث ہو جاتی ہے اور نہ نری دعا ہر بس کیا جائے کہ وہ کچھ مفید
 نہیں۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہماری تدبیر میں برکت عطا
 فرمائیں اور ہم کو موانع سے محفوظ رکھیں اور اپنی طاعت کی توفیق
 عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

قَسَمْتُ بِالْحَسْبِ

مواظف حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ تھانوی بندر روڈ کراچی

قَالَ نَزَلَ اللَّهُ إِلَيْهِ بِأَنَّكَ غَوَّاعِيٌّ وَلَوْ أَنَّكَ
رَوَاهُ ابْنُ خَارِزْمِ

دَعَوَاتِ عَبْدِ رَيْتِ جَلْدِ نَجْمِ

کا
چھٹا وَعظ مَلَقَبُ بِهِ

الْعَمَلُ لِلْعُلَمَاءِ

مِنْجُمِلُهُ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ شاہ مولا نا محمد اشرف علی حسنا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی "دفتر الایقان"

مسافر خانہ بئندہ روڈ کراچی ۷

دعواتِ عبدیت جلد پنجم

چھٹا وعظ ملقب بہ

العَمَلُ لِلْعِلْمِ

آئین	مَتٰی	كَمَ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْ ضَمِيحًا	المُسْتَعِينِ	اَسْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بھیکیا کھریا ہو	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
مدرسہ	۱۵ رجب	دو گھنٹہ	کھڑے	طلباء کو علم کی	سعید احمد	۳۰ آدمی	عربی طلبہ
عربیہ	۳۳	۶	۶۶ کر	عمل کا ہونا ضروری	تھانوی	۶	کا
دیوبند	ہجری	۶	۶	تلا یا تھا یا لکھا	مرحوم	۶	مجموع زیادہ
	وقت شب			وہ امور جن میں			تھا
				طلبہ کو تباہی کرتے ہیں			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنْ شُرُوْطِ الْاَنْفِیْثَا وَبِیْنَ سَیِّاَتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِیْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ یَّضِلِّ
فَلَا هَادِیْ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ سَیِّدِنَا
وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ
بَارِكْ وَسَلِّمْ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ تَمَّ اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّہُمْ کَانُوْا یَسْرِعُوْنَ فِی الْخُبْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَہَا

رَغْبًا وَرَهْبًا وَصَافُوا النَّاسِ حِينَ هُوَ لَوْ كَانُوا فِي مَسْتَعْدَى كَرْتَهُ تَحْتَهُ
ہم کو نہایت ہی شوق اور خوف سے پکارتے تھے اور ہم سے ڈرتے تھے، یہ آیت کا ایک جزو ہے۔
اس کے قبل سے حق سبحانہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا ذکر اور حسب ضرورت
مقام کے خاص خاص اغراض کے لئے ان کے کچھ خیالات بیان فرمائے ہیں ان حالات کے بعد
ان حضرات کے مشترک اوصاف کو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ آپ کو معلوم ہے
یہ حاصل ہے اس آیت کا۔ اور مقصود اس آیت سے اس وقت ایک خاص امر کو ظاہر
کرنا ہے اور وہ امر کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آپ لوگوں کی جانی ہوئی بات ہے لیکن
بعضی بات ایسی ہوتی ہے کہ باوجود اس کے معلوم ہونے کے وہ ملتفت الیہ نہیں ہوتی
اور اس لئے اس کو امر جدید بھی کہہ دیا جاتا ہے تو یہ بھی چونکہ ملتفت الیہ نہیں ہے اس
واسطے اس کو بھی اس خاص اعتبار سے امر جدید کہنا درست ہوگا اور التفات نہ ہونے
کے اسباب مختلف ہوتے ہیں کبھی تو کسی امر کے غایت درجہ بین ہونے کی وجہ سے اس
کو معمولی سمجھا جاتا ہے اور اس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور کبھی کسی امر کا غیر بین
ہونا اس کے غیر ملتفت الیہ ہونیکا سبب ہوتا ہے اور جب یہ ہے تو یہ امر مقصود
بالبیان بھی ممکن ہے کہ بعض افراد کے اعتبار سے تو غایت درجہ بین ہونے کی وجہ سے
معمولی بات ہو کر غیر ملتفت الیہ ہو گیا اور بعض افراد کے اعتبار سے غیر بین ہو کر غیر ملتفت
الیہ ہو گیا غرض چونکہ بعض امور غیر ملتفت الیہ ہو جاتے ہیں اور واقع میں ان کی
طرف التفات کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے ان کو بیان کیا جا کر تا ہے اور الہی کا
بیان کرنا باوجود ان کے معلوم لکن طیب ہونے کے عبت نہیں ہوتا بیان اور شرح

عہ وہ مقصود بالبیان عمل ہے اور اس کے مختلف افراد میں اعمالِ جوارح و اعمالِ لسان و اعمالِ قلب
جیسا کہ آگے تفصیل آتی ہے اور ان میں بعض تو غایت ظہور و شہرت کے سبب سرسری سمجھے جاتے ہیں
اسلئے ان کا اہتمام کم کیا جاتا ہے جیسے افعالِ جوارح اور بعض کی طرف بوجہ عدم شہرت التفات کم ہوتا
ہے جیسے اکثر اعمالِ قلب۔ یہ معنی ہیں اس قول کے کہ ممکن ہے کہ بعض افراد الخ ۱۲ منب

اس امر کی یہ ہے کہ اس مقام پر انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اور آپ حضرات بوجہ دولتِ علم کے ان حضرات کے وارث ہیں چنانچہ ارشاد ہے الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو ہر ذی علم نے بڑی خوشی سے تسلیم کر لیا ہے اور سب کا اتفاق اس وراثت پر ہو گیا ہے جس اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے کے ماننے میں اہل علم کا نفع ہی نفع ہے وہ یہ کہ اس سے ایک عظیم الشان فخر حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کی موذبت اور مشقت اس میں ہے نہیں اسلئے اپنا لقب وارث قرار دیکر بیٹھ رہے حالانکہ اس میں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں کمالِ علمی کے ساتھ کوئی دوسرا کمال یعنی کمالِ علمی بھی تھا یا نہیں نظر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں دیا جائیگا کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام میں بھی کمالِ علمی نہ مانا جائے تو پھر کس کے اندر مانا جائے گا کیونکہ وہ حضرات تو افضل المخلوقات ہیں پس یہ کہنا ضروری ہو گا کہ انبیاء میں اس درجہ کمالِ علمی تھا کہ کسی دوسرے میں ہونا ممکن نہیں جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وجہ وراثت آیا صرف کمالِ علمی ہے یا کمالِ علمی بھی اس میں داخل ہے ہم جو غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف کمالِ علمی وجہ وراثت نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جو عالم بہ عمل ہیں ہم ان میں کوئی شانِ مقبولیت کی نہیں پاتے حالانکہ وراثت نبی کے لئے مقبول ہونا ضروری ہے مثلاً ابلیس کہ وہ بہت بڑا عالم ہے اور دلیل اس کے عالم ہونے کی یہ ہے کہ وہ علماء کے اغواء کی تدبیر کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی مل سکتا ہے جو کہ خود بھی ان خیالات میں کم از کم اس کے برابر تو باہر ہو جس کے خیالات بدلنے کی کوشش ہے۔ قانون کے سمجھنے میں قانون دان کو وہی شخص دھوکہ دیکتا ہے جو کہ خود بھی قانون کو جانتا ہو۔ تو شیطان کا علماء کے اغواء میں کامیاب ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ بھی بہت بڑا عالم ہے لیکن اس کا جو انجام ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ علیٰ ہذا علماء بنی اسرائیل جن کی نسبت آئسٹم تثلون انکتب دتم لوگ

وافر وہی علم ہوگا جو کہ مقرون بالعلم ہو۔ پس وجہ وراثت بھی وہی علم ہے جو کہ مقرون
 بالعلم ہو۔ ملحق علم وجہ وراثت نہ ہوگا۔ ہنگو باوجود اس کے ہم لوگ جو اپنے کو اہل علم
 کہتے ہیں ذرا اپنے قلوب کو ٹٹول کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے قلوب میں محض...
 صفت علم ہی پر ایک ناز پایا جاتا ہے اور ہم اپنے کو صرف اسی صفت کی وجہ سے
 بہت بڑا سمجھتے ہیں اور عمل کی کمی سے ہم کو اپنے کمال میں نقص کا شبہ ہی نہیں ہوتا
 اور یہ ایسا بدیہی امر ہے کہ اس پر کسی قرینے کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہر
 شخص ذرا سے غور سے غور معلوم کر سکتا ہے اور اگر قرینے کی ضرورت ہے تو قرآن
 بھی اس کے موجود ہیں۔ مثلاً ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ باوجود عمل نہ کرنے کے
 عوام الناس سے اپنے کو برتر سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو ان سے ارفع خیال کرتے ہیں
 چنانچہ اگر عوام الناس ہماری تعظیم میں کمی کریں تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور
 بہت ہی غصہ آتا ہے یہ صاف دلیل اس کی ہے کہ ہم لوگ محض علم کی وجہ سے اپنے
 کو ارفع سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم کہیں چلے جا رہے ہوں اور کوئی عامی آدمی ہم کو
 راستے میں ملے تو خود سلام کرنا تو درکنار اس کے سلام کا جواب دیدینا بھی اپنا
 احسان سمجھتے ہیں۔ کیوں صاحب کیا قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کی بابت فرموا
 بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ وہ اپنے علم کی وجہ سے جو کہ ان کے پاس ہے شاد و سرور ہو گئے۔
 ارشاد نہیں ہوا اور جب یہ ہے تو کیا نرا علم قابل ناز یا فخر کرنے کے ہو سکتا
 ہے کبھی نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں صاف مذکور ہے ایک علم بندے کے لئے
 حجت ہے اور ایک علم خدا کی حجت ہے بندے پر تو ایسا علم کیا مایہ ناز ہو
 ہے اور ہم جو اپنے کو انبیاء کا وارث سمجھتے ہیں تو کیا ہمارا نرا علم حاصل کر لینا
 اس وراثت کے لئے کافی ہو گیا۔ ہرگز نہیں۔ چونکہ ہم لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں
 خواہ وہ ابتلاء اعتقاداً ہو یا عملاً یا حالاً اور یہ آیت اس خیال کا باطل ہونا
 بتلا رہی ہے اس لئے اس آیت کو اس وقت اختیار کیا گیا ہے جس میں انبیاء علیہم
 السلام کے لئے صفت علم کے اثبات کے بعد شانِ عملی کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ہم

متوجہ ہوں اور غور کریں کہ جن کے ہم وارث بنتے ہیں ان میں کیا کیا اوصاف تھے۔ اور یہی غور کرنا غرض ہے قرآن شریف میں متعدد جگہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے قصص مذکور ہونے کی ناکہ ہم غور کیا کریں پس ہم کو متوجہ ہونا چاہیے آیا کہ ہم میں وہی شانِ کل پائی جاتی ہے یا نہیں اگر نہیں پائی جاتی تو وراثت کا دعویٰ ہم کو چھوڑ دینا چاہیے تو گویا یہ آیت ہمارے اس مرض کا علاج ہے پس بیانِ آیت کا یہ ہے کہ اس میں اول حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے علم کو بیان کیا گیا ہے جس کی برابر کسی کا علم بھی نہیں ہے کیونکہ ایسے علم کامل کے لئے نبوت لازم ہے یا یوں کہتے کہ ایسا علم کامل نبوت کے لئے لازم ہے یا دونوں طرف سے تلازم مانا جائے بہر حال جو کچھ بھی کہا جائے اتنا قدر مشترک ماننا پڑتا ہے کہ نبوت اور کمالِ علم میں انفکاک نہیں ہوتا تو باوجود علم کے اس کامل مرتبہ پر ہونیکے پھر بھی ان کی مدح کا مدار صرف اس علم کو قرار نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ *انھم کما نزلوا یسبغون فی الخیرات* یہ سب نیک کاموں میں دھرتے تھے، کو بھی مقرون کیا اور مدارِ مدح کا ایک جزو اس کو قرار دیکر مجموعہ جنہیں پر مدح کو ختم فرمایا جس کا حاصل یہ ہوا کہ کمالِ علمی بھی اگرچہ کمال ہے لیکن وہ کمال تمام اس وقت ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ عمل بھی مقرون ہو کیونکہ اگر عمل کو مدح میں داخل نہ مانا جائے اور صرف صفتِ علم پر مدح کو مقصور مانا جائے تو صفتِ علم کو معرضِ مدح میں ذکر کرنا ایک امر زائد ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ باعثِ مدح صرف کمالِ علمی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کمال بھی ہے اور وہ کمال کمالِ علمی ہے جس کو اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس وقت آپ حضرتِ نبویؐ سنایا جا رہا ہے اگرچہ آپ کو سنانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ خود مکلم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن اسی تالیفہ مذکورہ کی بناء پر کہ کبھی باوجود معلوم ہونے کے بعض امور ملتفتِ ایہ نہیں ہوتے سنانا مفید معاوم ہوا اور گو اس وجہ سے کہ مقصود بالذات علم سے عمل ہے اور مقصود بالذات کمال ملتفتِ ایہ ہونا ضرور ہے اس اعتبار سے اس مقصود بالذات پر متنبہ کرنے کی حالت

نہ ہونا چاہئے لیکن کبھی مقصود بالغیر میں اس قدر انہماک ہو جاتا ہے کہ اصل مقصود
 بالذات نظر سے غائب ہو جاتا ہے اگرچہ یہ ہے بڑی غلطی کیونکہ اس سے اکثر
 خود طریق میں بھی غلطی واقع ہو جاتی ہے تو صیح اس کی یہ ہے کہ اگر مقصود پیش نظر
 نہ ہو تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس طریق کو تو مقصود سے تعلق ہے کہ وہ قابل اہتمام
 ہو اور کس طریق کو اس سے تعلق نہیں کہ وہ قابل ترک ہو تو سعی کا مفید یا لا فائدہ
 ہونا معلوم نہیں ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص دہلی جانا چاہے تو ریل میں بیٹھنا وہاں
 پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر دہلی پہنچنے کا طریق تو اس کو اہتمام ہوگا کہ وہ
 گاڑی تلاش کرے جس کے ذریعہ سے دہلی پہنچ جائے اور اگر دہلی پہنچنے کا طریق نہیں
 بلکہ محض چلنا ہی پیش نظر ہے تو عجب نہیں کہ اس میں غلطی ہو اور
 بجائے دہلی کے کلکتہ پہنچ جائے یہی حالت ہر طریق اور مقصود میں
 ہے کہ اگر خود طریق ہی کو مثل مقصود بالذات کے سمجھ لیا اور بالذات کو پیش نظر
 نہیں کیا تو اس میں گاہے انہماک ہو کر ضرور غلطی ہوگی لہذا طریق کے اہتمام میں
 مقصود کو بھلانا بڑی کمی ہے مگر پھر بھی تحصیل علم میں یہ کوتاہی بکثرت واقع
 ہو رہی ہے کہ محصلین کو یہ یاد رہی نہیں کہ اس علم کی نفاذیت عمل ہے اسی وجہ سے
 باوجود آپ کے جاننے کے پھر بھی آپ کو متنبہ کرنے کا خیال پیدا ہوا سو
 اس باب میں انبیاء علیہم السلام کی حکایت ہمارے لئے کافی نمونہ ہے کیونکہ ہم
 انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں جو ان کی حالت تھی وہی ہم کو اختیار کرنی
 چاہئے اور وہ حالت اس آیت میں مذکور ہے اور اس میں کئی قسم کے حکم بیان
 کیے گئے ہیں اور سب کا حاصل مشترک یہ ہے کہ اس میں شانِ علی کو ذکر کیا ہے
 جس میں سے مختلف انواع کو آپک ایک جملہ میں بیان فرمایا ہے کہ ان کا حاصل کرنا
 ضروری ہے فرماتے ہیں اَتَمُّكُمْ كَانُوا يُسِرُّ عَزُونَ فِي الْخِيَرَاتِ کہ وہ لوگ مستعدی
 کرتے تھے نیک کاموں میں یہ ایک جملہ ہے جس میں ایک نوع عمل کو ذکر کیا ہے آگے
 ارشاد ہے وَيَذْعُونَ نَارَ غَبَاوَةٍ وَرَهْبًا لِعِزِّهِمْ كَوْرِكَارَتِهِ تَعْتَبَرُ شَوْقٌ سِیْ وَر

خوف سے یہ دوسرا جملہ ہے جس میں دوسری نوع کا ذکر کیا گیا تیسرا جملہ ہے وَكَانُوا
لَنَا خَشِيعِينَ ۵ جس میں ایک خاص نوع عمل کا بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ
ہر جملہ میں تینوں قسم عمل کے مجبوعے کو مراد لیا جائے لیکن پھر بھی اتنا ضرور معلوم
ہوتا ہے کہ ہر جملہ کو کسی ایک نوع سے زیادہ تعلق ہے یعنی عمل تین قسم کے ہوتے ہیں
اعمال جوارح۔ اعمال لسان۔ اعمال قلب۔ مثلاً نماز ہاتھ پاؤں کے متعلق ہے ذکر
اللہ زبان کے متعلق ہے خشوع قلب کے متعلق ہے تو ان انواع اعمال میں اگرچہ
ہر جملہ کو سب ہی اقسام کے ساتھ ایک طرح کا تعلق ہے لیکن زیادہ تعلق
ایک ایک جملہ کو ایک ایک ہی عمل کے ساتھ ہے چنانچہ پہلا جملہ اعمال جوارح کے
ساتھ زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا جملہ عمل لسان کے ساتھ اور دوسرے جملے یعنی
يَذْعُرُنَّاهُمْ جَوْ دَعْبًا وَدَهَبًا کی قید ہے وہ تابع ہے لہذا اصل مقصود بالذکر
يَذْعُرُنَّاهُمْ ہوا اگرچہ اس جملہ میں دوسرا احتمال بھی ہے کہ قید زیادہ مقصود
ہو اور اسی بناء پر میں نے کہا تھا کہ ہر جملہ کو ہر نوع عمل کے لئے بھی
کہا جا سکتا ہے تیسرا جملہ اعمال قلب کے ساتھ متعلق ہے اور اسی پر ختم کر دیا
گیا ہے پس اس جمع کرنے سے لازم آیا کہ عمل کی تینوں قسموں کے جمع کرنے سے
عمل کا کمال ہوتا ہے اور اگر ایک جزو کی بھی کمی رہی تو عمل ناقص رہیگا اس
کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص گھر بنائے تو اس گھر کو کامل گھر اس وقت کہا جائیگا
کہ اس میں گھر کے تمام ضروری حصے ہوں کمرہ ستہ درہ باورچی خانہ
دیگرہ وغیرہ اور اگر ایک جزو بھی کم ہو تو اس گھر کو کامل گھر نہ کہیں گے بس یہی
حالت عمل کی بھی ہے کہ اگر ایک نوع بھی چھوٹ گئی تو عمل کامل نہ ہو بلکہ
ناقص رہا اب ہم اپنی حالت کو غور کر کے دیکھیں کہ اول تو مسلمانوں میں نفس
عمل ہی کی کمی ہے اور اگر کچھ عمل کیا بھی جاتا ہے تو وصف میں بالکل ناقص
اور زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے اس لئے کہ جانتے ہیں اور پھر
کو متا ہی کرتے ہیں ۵

فان كنت لاتدرى فتلك مصيبة وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم
 داگر تم نہیں جانتے تھے تو جب بھی یہ ایک مصیبت ہے اور اگر تمہیں اس کے متعلق علم تھا
 تو پھر تو ذیل مصیبت ہے)

اور علماء کی جماعت میں اگرچہ سب ایسے نہیں ہیں لیکن ان کیلئے
 کسی ایک کا ایسا ہونا بھی موجب شکایت ہے کہ کیوں اپنے کو عمدًا تباہ کرتے
 ہیں دوسرے وہ تباہی اُن ہی تک مقصور نہیں رہتی بلکہ اس ایک کو
 دیکھ کر دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ علماء
 کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لا اُبالی ہوتا ہے تو اُس کا اثر سب پر پہنچا ہے
 اور یہ اثر دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر دوسرے عوام بد علی
 پر جرات کرتے ہیں دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور
 اس طرح سے عام علماء پر جو اعتراض کی نوبت آتی ہے اور پھر اعتراض سے
 بد زبانی تک نوبت آجاتی ہے اس میں اگرچہ اکثر عوام غلط کار ہیں کیونکہ
 لَا تَزِدُّوْا زَيْدًا كَمَا تَزِدُّوْا اُخْرٰى (نہیں اٹھائیں گے کوئی اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ)
 لیکن زیادہ تر اس کا سبب ہم ہیں اور وہ اعتراضات اکثر مخالفین کے نہیں
 ہوتے کہ ان کو حسد یا بغض پر محمول کر لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اعتراضات
 تو انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوتے ہیں پھر ہم کو اعتراضات کی کیا پروا۔ کیونکہ
 حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو اعتراضات ہوتے تھے وہ کفار کی طرف سے
 ہوتے تھے اور جماعت علماء پر اکثر ان کے موافقین بھی جو کہ ہر وقت ان کا
 دم بھرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں اور ہمارے لئے یہ امر بڑا عیب ہے کہ ہم کسی
 موافق یا مخالف کو اتنا موقع دیں تو جب اپنے لوگ بھی اعتراض کرنے پر
 مجبور ہوں تو ہماری حالت حید محل تا سَف ہے اور وہ اعتراض
 اگرچہ اول ایک ہی شخص پر ہو لیکن یہ
 چواڑ توے کے بیداشی کرو نہ کہ را منزلت ما تہ نہ ہر را

(جب کسی قوم کا کوئی آدمی کوئی نادانی کرتا ہے تو نہ تو اس قوم کے چھوٹوں کی
کوئی قدر باقی رہ جاتی ہے نہ بڑوں کی)

بالخصوص اس زمانے میں علی العموم علم دین سے لوگوں کو نفرت پڑھتی چلی
جاتی ہے اور اس سے بھاگنے کے لئے لوگ، یہاں تلاش کرتے ہیں ایسے
وقت میں ہماری ایسی حالت ہونا لوگوں کے فاسد خیالات کی گویا اعانت
کرنا ہے مگر باوجود اس کے افسوس ہے کہ ہم ہیں ایسے بھی افراد ہیں کہ وہ صرف
علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے بعض کی حالت تو
یہاں تک ناگفتہ بہ ہے کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے بعض ایسے ہیں کہ وہ
اس قدر کھلم کھلا تو بے عمل نہیں لیکن اپنی زبان و غیبرہ کی حفاظت وہ
بھی نہیں کرتے جس جگہ بیٹھیں گے لوگوں کی غیبت شکایت
کے انبار لگائیں گے بعض ایسے ہیں کہ وہ زبان کی بھی حفاظت کرتے
ہیں لیکن وہ فکر کی حفاظت بالکل نہیں نہیں کرتے اکثر نامحرموں
کو دیکھنا راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاکنا سمجھنا عادت ہو جاتی ہے
صاحبو! اول تو علم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات عمل ہے
دوسرے اگر علم کو مقصود ہی مان لیا جائے تو تب بھی یہ سمجھ لو کہ یہ حالت بد عملی
کی تو خود کمال علمی میں بھی خارج ہے کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ تقویٰ میں
جتنی کمی ہوگی اسی مرتبے کی کمی علم میں بھی ہوگی اس کا آسان امتحان یہ
ہے کہ دو مہینے کے لئے آپ بالکل متقی بن جائیں اور پھر اپنی پہلی علمی حالت اور اس
زمانہ تقویٰ کی علمی حالت میں موازنہ کریں ان دونوں حالتوں میں جو تفاوت
ہوگا وہ بتلا دے گا کہ تقویٰ کو اس میں برا دخل ہے۔ ممکن ہے کہ کسی صاحب فہم
کو یہ خیال ہو کہ ہم تو متقی بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم کو تو اچھا خاصہ علم حاصل
ہے سو سمجھ لیں کہ علم صرف ترجمہ کو لینے کا یا چند تصدیقات حاصل ہو جانے کا
نام نہیں بلکہ ان تصدیقات کے حاصل ہونے کے بعد جو ایک ملکہ ہو جاتا ہے اس کا

نام علم ہے سو وہ بالذات اختیاری نہیں یعنی اگرچہ اس کے اسباب کے اختیاری ہونے کے اعتبار سے وہ اختیاری ہو لیکن بدون اسباب کے حاصل کئے ہوئے خود اس کا حاصل ہونا اختیاری نہیں اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب اعظم تقویٰ ہے کہ بدون اس کو حاصل کئے ہوئے وہ ملکہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم فضل قس الیہ وفضل اللہ لا یعطی لعاصی

میں نے حضرت وکیع سے اپنی توت حافظہ کے کمزور ہونے کی شکایت کی انہوں نے مجھے

گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت فرمائی اس وجہ سے کہ علم باری تعالیٰ کا ایک

عطیہ ہے اور اس کا عطیہ گناہگاروں کو نہیں ملا کرتا،

غرض یہ مطلب نہیں ہے کہ جو متقی نہ ہوگا وہ جلالین یا بیخناوری کے پڑھنے پر قادر نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ بدون تقویٰ کے وہ خاص ملکہ میسر نہ ہوگا چنانچہ یہ شخص اگر اپنی پہلی حالت اور تقویٰ کے بعد کی حالت میں غور کرے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پہلے میرا مبلغ علم کیا تھا اور مہینہ دو مہینہ کے اندر علم میں کیسی ترقی ہوگئی تو علم اگر مقصود بالذات بھی مان لیا جائے تب بھی اس کے حاصل کرنے کے لئے تقویٰ کی ضرورت ہے مگر ہم لوگ اکثر بے باک ہیں تمام تر انہماک اس میں ہے کہ کسی طرح کتابیں ختم ہو جائیں۔ بہت لوگوں کی تو ایسی حرکتیں ہیں کہ ان کی وجہ سے تمام قوم بدنام ہوتی ہے اور چونکہ ان لوگوں کی عادت ہوگئی ہے لہذا اس کے ساتھ توبہ بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی یعنی بشر سے غلطی تو ہو ہی جاتی ہے لیکن اگر چار دن تقویٰ رہے اور ایک دن ٹوٹ جائے اور گناہ ہونے پر پھر توبہ کر لی جائے تب بھی اس قدر خراب حالت نہ ہو اور تھوڑے دنوں میں گناہ چھوٹ جائیں۔ لیکن بعض لوگوں کی تو مبالغہات ہی نہیں رہتی اور اس سے عوام الناس پر بہت برا اثر پڑتا ہے یعنی ان کو یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ

علماء ایسے ہوتے ہیں پس اگر خلوص سے تقویٰ کو اختیار نہ کیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کر لیا جائے کہ اس سے عوام بگڑیں گے ورنہ ایسے لوگ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (وہ لوگ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں) کے مصداق کہے جاسکتے ہیں کیونکہ روکنا جس طرح مباشرتاً ہوتا ہے کہ زبان سے روکے یا ہاتھ سے روکے اسی طرح تسبیب بھی ایک قسم کا روکنا ہے تو اس کو بھی صَدَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ کہا جاتے گا کیونکہ سببِ معصیت بھی معصیت ہوتا ہے اور اسی معصیت کے ساتھ اس کا بھی شمار ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض ایسے امور جو فی نفسہ طاعت ہیں جب کسی معصیت کا سبب بن گئے تو ان کی بھی ممانعت ہو گئی چنانچہ ارشاد ہے لَا تَسْبُوا الَّذِیْنَ یُذْعَوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فِیْسُبُوا اللّٰهَ عَذَابًا لِّیَخْبِرَ عَلَیْہِمْ (جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان کو نکالی مت دو اس وجہ سے کہ وہ پھر دشمنی میں بغیر جانے بوجھے اللہ کو نکالی دینگے) تو دیکھئے بتوں سے نفرت کا ظاہر کرنا اور ان کو برا کہنا ایک حد تک طاعت تھا لیکن چونکہ وہ مفضی تھا ایک معصیت کی طرف اس لئے اس سے بھی ممانعت ہوئی پس معلوم ہوا کہ جس طرح معصیت کی مباشرت معصیت ہے اسی طرح تسبیب بھی معصیت ہے تو اگر ایک شخص نے عمل نہ کیا تو دیکھنے والوں کے لئے درجہ تسبیب میں یَصُدُّوْنَ کا مصداق بن گیا۔ غرض ترک عمل میں یہ مضر ہیں اس لئے اگر خلوص سے بھی عمل نہ ہو تو کم سے کم دین کی احتیاط اور حفاظت ہی کے لئے ہوا اسی کو ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید (شیخ اور پیر کی ریاء کاری مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے) یعنی چونکہ شیخ کا عمل دوسروں کیلئے باعث ہو جاتا ہے اس لئے اگر اس کے عمل میں ایک درجہ کی ریاء بھی ہو تو کچھ مفنا نہیں ہے۔ اور یہ مقولہ حضرت کا میں نے قیاس کے لئے کہا ہے ورنہ مدلول اس کا یہ نہیں ہے کیونکہ اس مقولہ میں ریاء سے مراد ریاء لغوی ہے نہ کہ شرعی اور میں درخواست کر رہا ہوں ان بد عملوں سے علی سبیل التذلل ریاء شرعی کی۔ اور حکم مشترک یہ ہے کہ اگر دوسرے کی حفاظت دین کے لئے کوئی عمل کرے تو اس میں بھی خیریت

ہے کم سے کم یہی کہ سببِ عمل بدکار نہ بنا تو دین کی حفاظت چونکہ ضروری ہے اس لئے یہی سمجھ کر اپنے کو بد عملی سے روکنا چاہیے۔

الحاصل ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام انواعِ عمل کے جامع تھے اور چونکہ اجبار سے مقصود کوئی انشاء ہوتی ہے اسلئے مطلب یہ ہوگا کہ ہم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ انواعِ عمل کے جامع ہوں مگر ہم لوگوں میں اس کے متعلق چند کوتاہیاں ہیں چنانچہ ایک کوتاہی تو یہ ہے کہ عمل ہی کی طرف التفات نہیں کرتے اور اگر کچھ عمل کرتے بھی ہیں تو غضب یہ کیا ہے کہ ہم نے اس میں انتخاب کر لیا ہے اور اپنے اس انتخاب کو کافی سمجھ کر اپنے کو عاملِ با شریعت اور دیندار سمجھتے ہیں۔ صاحبو! ظاہر ہے کہ حسین وہ شخص کہلائیکا کہ اُس کی آنکھ ناک چہرہ سب خوبصورت ہوں ورنہ اگر کسی کی آنکھیں تو نہایت ابھی ہوں اور ناک بالکل خراب چھٹی ہو یا برعکس ہو یا دانت باہر گونکلے ہوئے ہوں تو وہ حسین نہ کہلائیکا بس اسی طرح دین بھی ایک حَسَنِ معنوی ہے تو حسینِ معنوی یعنی دیندار بھی اسی کو کہیں گے جو تمام وجوہِ دین و انواعِ عمل کا جامع ہو اور جس نے ایک کو لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا مثلاً اعمالِ جوارح کو تو لے لیا اور اعمالِ قلب کو اور اعمالِ لسان کو چھوڑ دیا یا اعمالِ قلب کو لیا اور دوسرے دونوں کو چھوڑ دیا یا اعمالِ لسان کو لے لیا اور بقیہ دو کو چھوڑ دیا وہ شخص ہرگز اس حَسَنِ معنوی کے ساتھ متصف نہ سمجھا جائیگا۔ آج کل ہم لوگوں میں اکثر افسردہ جو کچھ عمل کرتے بھی ہیں تو وہ اعمالِ جوارح مثلاً روزہ نماز وغیرہ کر لیتے ہیں ورنہ اکثر تو عمل ہی نہیں کرتے کہ نماز ہو رہی ہے اور وہ پڑھے سو رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگ اپنے عذر میں وہ حدیث پیش کریں کہ لَا تَقْرِبُنِي التَّوْبَةَ لِيَكُنْ يَهْدِيَنِي هَذِهِ الْحَدِيثُ ان کے لئے کچھ مفید نہیں کیونکہ یہ علمِ تقریبِ اس وقت ہے کہ اپنی طرف سے تو پورا انتظام کر کے سوئے لیکن باوجود اہتمام اور انتظام کے پھر بھی آنکھ نہ کھلے اور اگر ایسے وقت سویا

کہ غالب گمان یہ ہو کہ نماز کے وقت آنکھ نہ کھلے گی اور کچھ انتظام بھی نہیں کیا تو یہ ضرور تفریط میں داخل ہے قرینہ اس تقیید کا یہ ہے کہ یہ ارشاد ایک خاص نعت کے متعلق ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مرتبہ ایسے وقت سونے کی نوبت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھلا دیا تھا کہ جب صبح ہو ہم کو جگا دو مگر اتفاق سے ان کی بھی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی اور پھر اٹھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جسد گھرائے تو اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ لَا تَقْرِيظُ فِي النَّوْمِ یعنی چونکہ ہم لوگوں نے جاگنے کا پورا انتظام کیا لیکن باوجود کوشش کے پھر بھی آنکھ لگ گئی اس لئے اس سونے میں تفریط نہیں ہونی یہ تو ان کا ذکر تھا جو بیدار ہی نہیں ہوتے اور بعض لوگ باوجود بیدار ہونے کے محض سستی کی وجہ سے پڑے رہتے ہیں سو اول تو نماز وغیرہ میں بھی ٹوٹتا ہے لیکن تیراگر بڑی دوڑ دوڑی تو نماز کے پابند ہو گئے لیکن دوسرے اعمال یا تقویٰ کے شعبے اکثر نڈارد چنانچہ بعض لوگ نظر میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی غیر محرموں کی طرف بیباکانہ دیکھتے ہیں اور اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ ایسا مرض ہے کہ اس سے بہت کم لوگ پاک ہیں کیونکہ اکثر ان گناہوں سے لوگ بچتے ہیں جن کے ارتکاب میں فوت جاہ یا رسوائی کا خیال ہو اور اس گناہ میں جاہ فوت نہیں ہوتی اسلئے کہ اول تو دوسرے کو نظر کی خبر ہی کیونکر ہو سکتی ہے دوسرے اگر نظر کی اطلاع بھی ہو جائے تو نیت کی کیا خبر اس کا امتیاز کسی کو بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ نظر بہ شہوت ہے یا بہ شفقت و محبت کیونکہ یہ ایک امر مبطن ہے خاص کر جبکہ شریعت نے دوسروں کو بدگمانی کی ممانعت بھی فرمادی تو اور بھی بد نظری کا گمان نہ یا جا تا تھیکا اور جاہ فوت نہ ہوگی پس اس گناہ سے چونکہ جاہ فوت نہیں ہوتی اس واسطے اس میں اکثر وہ لوگ بھی مبتلاء ہیں جو بظاہر ثقتہ معلوم

ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس گناہ کی نسبت خاص طور سے خدا تعالیٰ نے اپنے علم کی اطلاع دی فرماتے ہیں یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ اِذَا كَفَرْتُمْ بِمَا كُفَرْتُمْ بِهِ لَكُمْ جَزَاءٌ بِمَا كُفَرْتُمْ بِهِ وَسَآءُ مَا تَصِفُونَ۔ اگر کسی دوسرے کو اس خیانت کی اطلاع نہیں ہوتی تو ہم کو تو اطلاع ہے اور ہماری ہی اطلاع قابل نظر ہے اس کے بعد فرماتے ہیں وَمَا تَخْفَىٰ الصُّدُورِ كَمَا كُفَرْتُمْ بِهِ لَكُمْ جَزَاءٌ بِمَا كُفَرْتُمْ بِهِ وَسَآءُ مَا تَصِفُونَ۔ وہ بھی ہم جانتے ہیں یہ اسلئے بڑھا دیا کہ بعض لوگ محض وقوع نظر کی اطلاع کو مفوت جاہ سمجھ کر اس سے بھی بچتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے اس کے وقوع ہی سے کسی کو بدگمانی پیدا ہو جائے اسلئے اس سے بھی بچتے ہیں لیکن ان کے قلب میں یہ مرض شہوت کا ہوتا ہے اور لطف یہ کہ باوجود اس مرض قلبی کے یہ شخص اپنے کو متقی سمجھتا ہے حالانکہ خیالات اس کے نہایت گندے ہوتے ہیں کہ وہ اکثر حدیث نفس میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات عزم بھی ہو جاتا ہے یعنی اگر اس کو موقع مل جائے تو یہ ہرگز نہ بچے تو ان لوگوں کے علاج کے لئے یہ بڑھا دیا کہ ہم دلوں کی پوشیدہ بات کو بھی جانتے ہیں غرض نظر کی معصیت اتنی مہتمم بالشان معصیت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو مستقل طور پر ذکر فرمایا اور جب اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کا چھوٹنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس میں یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکاتا ہے کہ ایک دفعہ نظر بھر کر دیکھ لو تو جی بھر جائیگا اور یہ شیطان کا ایسا دھوکہ ہے کہ صغائر کبائر سب میں اس کے ذریعے سے کام لیتا ہے یہ دھوکہ بظاہر نظر خفیف سا معلوم ہوتا ہے لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا دھوکہ ہے اور کس قدر قبیح میں اسلئے خالصہ اس کا یہ ہے کہ شیطان نے ایک معصیت کو بصورت طاعت اس سامنے پیش کیا اور اس طرح اس میں مبتلا کر دیا اور صورت طاعت اسلئے ہوئی کہ شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ ارتکاب ایک گناہ کے چھوٹنے کا ذریعہ ہے

اور ترک گناہ کا ذریعہ سبب اول تو طاعت واجبہ یا کم از کم ایک امر مستحب تو ضرور ہوگا اور اگر مستحب بھی نہ ہوگا تو جائز تو ضرور ہوگا تو گویا شیطان نے ایک معصیت کو طاعت یا جائز اس کے ذہن میں ڈالا تو کس درجہ کا تبیح اعتقاد ہوا اور باوجود اس خرابی کے پھر وہ مقصود بھی جس کا شیطان نے وعدہ کیا ہے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ خاصیت اس کی یہ ہے کہ الْقَلِيلُ يَفِضِي إِلَى الْكَثِيرِ (تلیل کثیر تک پہنچا دیتا ہے) یعنی جب تک انسان بچار ہے اس وقت تک تو محفوظ رہتا ہے اور جب ایک مرتبہ مبتلا ہو جائے اور پھر ترک بھی کرے اگرچہ دو چار دن کے لئے ترک میں کامیاب ہو جائے اور اس مدت تک پھر طبیعت اُدھر متوجہ نہ ہو لیکن دو چار دن گزرنے کے بعد پھر تقاضا شروع ہوتا ہے اور چونکہ ایک مرتبہ ارتکاب ہو جانے سے وہ رکاوٹ رہی نہیں اس لئے بہت جلد اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ساری عمر اسی میں گزر جاتی ہے اور پھر وعدہ ترک کی وہ حالت ہوتی ہے کہ

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

دہرات کو یہ وعدہ کرتا ہوں کہ کل یہ دھندہ ترک کر دوں گا اور جب

کل آتی ہے اُسے پھر کل پر ٹال دیتا ہوں)

اور یہ دو چار دن کے لئے ترک معاصی کی کامیابی بھی علی سبیل القرض مان لی ہے ورنہ اصل تو یہ ہے کہ گناہ پر کبھی یہ اثر ترک معصیت کا مرتب ہی نہیں ہوتا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

شکم صوفی رازیوں کو دو فرج دو دینار بر ہر دو آل کو خرچ

صوفی سے ظاہری صوفی مراد ہے۔ یعنی ایک دینار سے اسنے شہوت کو پورا کر لیا اور دوسرے دینار سے پیٹ کو بھریا اور سمجھا کہ اب اطمینان ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ پیٹ جس کو بھرا تھا وہ تو پھر خالی ہو گیا اور فرج جس کو خالی

کیا تھا وہ پھر بھر گیا خواہش نہ پیٹ کی کم ہوتی نہ فسرج کی اور ویسا
دونوں برابر کئے۔ تو واقعی یہی حالت ہے تو اول تو یہ گمان ہی غلط ہے کہ ایسا
کر لینے سے یکسوئی ہو جائیگی اور اگر کسی کو شاذ و نادر ہو بھی جائے تو اس سے صرف
یہ ثابت ہوگا کہ اس گناہ میں یہ منفعت ہے لیکن کسی گناہ میں منفعت ثابت
ہو جانے سے بھی وہ گناہ گناہ ہی رہتا ہے دیکھئے شراب میں بھی منافع ہیں
چنانچہ اہل تجربہ نے لکھا ہے کہ اس کے پینے سے سخاوت بڑھتی ہے اور بہادری
پیدا ہوتی ہے نیز اور بھی بعض اخلاق کہ ان کا حصول شرعاً مطلوب ہے
اس سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ خود قرآن میں اس کے اندر منافع مان
لئے گئے ہیں فرماتے ہیں۔ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ
كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَبِيرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا إِنَّهُم يُرِيدُونَ
اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہیں کہ ان دونوں میں
لوگوں کے لئے بہت بڑا گناہ بھی ہے اور بہت بڑا نفع بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے
نفع سے کہیں زیادہ ہے، لیکن ان منافع کے ہونے سے شراب کو حلال نہیں کر دیا گیا
بلکہ اس کی حرمت ویسی ہی باقی رہی پس اسی طرح اگر کسی دوسری
معصیت میں بھی کچھ منافع ثابت ہو جائیں تو ان منافع کی وجہ سے
وہ حلال اور جائز نہ ہو جائے گی بلکہ ان منافع کو کالعدم قرار
دیں گے اور اس فعل کو معصیت ہی کہیں گے پھر ان سب باتوں کے
ماسوا اگر عین ارتکاب کے وقت دم نکل جائے کیونکہ موت جیات کسی کے
اختیار میں نہیں ہے تو بتلائیے کہ کس روی حالت میں انتقال ہو گا اور اگر نہ
بھی مرے تو ممکن ہے کہ ارتکاب کے بعد توبہ نصیب نہ ہو بلکہ ایسے لوگوں
کو اکثر توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ جب بیباکی بڑھ جاتی ہے تو ان افعال
پر ندامت نہیں ہوتی اور جب ندامت نہیں ہوتی تو توبہ بھی نصیب نہیں
ہوتی کیونکہ ہر چند توبہ مقولہ فعل میں سے ہے لیکن اس کا جزو اخیر

ایک افعال ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد ہے التَّوْبَةُ نَدَامٌ رَتُوبٌ پشیمانی اور ندامت ہے اور یہ جزو پورے طور سے اختیار میں نہیں اور جب کثرتِ معاصی سے بیباکی ہو جاتی ہے تو ندیم پھر مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور جب یہ حالت ہے تو ذرا غور کر لیجئے کہ ہم لوگ کس برتے پر گناہ کی جرات کرتے ہیں۔ یہ لکھے پڑھے لوگوں کے گناہ ہیں کہ تاویل میں کر کے ان کے مرتکب ہوتے ہیں۔

علیٰ ہذا اہل دل کو بھی بسا اوقات اسی قسم کا دھوکا ہوتا ہے چنانچہ اگر عجب پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج کسی معصیت سے کیا جاتا ہے اور مصلحت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ہم اپنی نظروں میں ذلیل رہیں گے اور اس سے عجب کی جڑ کٹ جائے گی۔ صاحبو! یہ ایسا علاج ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بدن سے پاخانے کو بذریعہ پیشاب دھونے لگے نیز درپردہ یہ لوگ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں اور شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنوز کامل نہیں سمجھتے کیونکہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گناہ سے بچنے کی ترکیب یہ کہیں نہیں بتلائی کہ اُس گناہ میں مبتلا ہو جاؤ اور یہ لوگ اس ترکیب کو علاج سمجھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امراضِ باطن کے علاج میں ناقص سمجھتے ہیں اور یہ مقابلہ ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي رَاجِعْ كَيْ دَعَا سَلَا تَمَّارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا، کا اور اگر کہتے کہ بعض بزرگوں نے بھی اس کو علاج بتلایا ہے تو ہم کہیں گے اگر یہ حکایت صحیح ہے تو انھوں نے غلطی کی اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کا نام کتاب میں لکھا ہو وہ ضرور شیخِ قابلِ تربیت ہو یا وہ اس قابل ہو جائے کہ اس کی تقلید کریں۔ اسی طرح زبان کا گناہ ہے کہ شاید طالبِ علم سے زیادہ اس میں کوئی شخص مبتلا نہیں ہوتا ہو اور یہ گناہ نہایت ہی شدید ہے حدیث میں ہے

الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزَّفَاءِ ۱ غیبت زلے بھی زیادہ سخت گناہ ہے) اور پھر غیبت بھی دو قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے ایک تو بُرے کو بُرا کہنا اور ایک اچھے کو بُرا کہنا عوام الناس اگر غیبت میں مبتلا ہیں تو وہ اکثر ایسے لوگوں کو بُرا کہتے ہیں جو کہ واقع میں بھی بُرے ہیں اور ہم لوگ ایسے لوگوں کو بُرا کہتے ہیں جو کہ نہایت صالح متقی عالم فاضل ہیں اکثر طالب علموں کی زبان سے سنا ہو گا کہ فلاں شخص کو آتا ہی کیا ہے۔ فلاں میں یہ عیب ہے۔ اگرچہ ان فضلاء میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ فضول سے مشتق ہیں اور ان کی غیبت جائز بھی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کہ خلق اللہ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کی غیبت سے بھی بچا جائے کیونکہ جب غیبت کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں رہتی اور حفظ حد و در نہیں ہو سکتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے ذرا بھی کدورت ہوتی فوراً اس کا تذکرہ بُرائی کے ساتھ شروع کر دیا۔ اسی طرح قلب کی یہ حالت ہے کہ اس میں کینہ حسد بغض عداوت غرض تمام امراض بھرے ہوئے ہیں اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اگر عمل کا تھوڑا بہت اہتمام ہے بھی تو صرف اعمال جوارح کا باقی زبان اور قلب اکثر تباہ ہے اور اکثر تو ہم میں سے تینوں ہی قسم کے گناہوں میں خوب اچھی طرح سے مبتلا ہیں غرض یہاں کو تو سب میں مبتلا ہے اور محتاط قدرے جوارح کی حفاظت کرتے ہیں مگر زبان کی حفاظت نہیں کرتے اور جو بہت ہی متقی ہیں وہ زبان کی بھی حفاظت کر لیتے ہیں قلب کی حفاظت وہ بھی بہت کم کرتے ہیں اور معاصی قلوب سے ان کو بہت کم نجات ہوتی ہے۔ تو مرض قلب وہ مرض ہوا کہ قریب قریب سب کے سب ہی اس میں مبتلا ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں تینوں نوعوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ انبیاء جوارح کو بھی بچاتے تھے کہ يُسَارِعُونَ فِي الْأَعْيَابِ ان کی حالت تھی اور زبان کو بھی معاصی سے روک کر اس کو طاعت میں لگاتے تھے يَذْعَبُونَ لِنَا ان کی شان تھی اور پھر ان کی دعار

بھی رغبت اور رہبت کے ساتھ تھی یعنی ظاہر یہ ہے کہ رغبت اور رہبت کو بہ طور شرط فرمایا ہے اور مقصود یہ دعوتِ نانا معلوم ہوتا ہے اگرچہ دوسری تفسیر بھی اس کی ممکن ہے جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ بھی کیا ہے لیکن مجھے اختیار ہے کہ میں اس تفسیر کو اختیار کر لوں۔ اور قلب کو بھی معاصی سے پاک رکھتے تھے کہ ان میں خشوع پایا جاتا تھا۔ مجھے زیادہ تر اس وقت یہی بیان کرنا بھی ہے کہ یہ تیسرا جزو یعنی خشوع کہ عملِ قلب ہے ہم میں بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ یہ ساری طاعت کا راسخ ہے مگر ہم لوگ اس کی ذرا فکر اور اہتمام نہیں کرتے اور ہماری اس حالتِ فقدانِ خشوع کی شکایت نہایت صاف لفظوں میں قرآن شریف میں بھی ہے فرماتے ہیں اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ يَعْنِي كَيْفَا مُسْلِمَانُوْنَ کے لئے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب خشوع کرنے لگیں اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کے ترک پر ہوتی ہے جس کا کرنا نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِۗ فَوَيْلٌۭ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبِهِمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اَلَيْسَ دِهْلٰجُكَ سِيْنَهٗ كَهُوْلٍۭ دِيَا اللّٰهِ تَعَالٰى نے اسلام کے لئے سو وہ اُجلے پر ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے قاسی ہیں۔ اور آگے فرماتے ہیں اللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مَّتَشٰبِهًا مَّثٰنِيۡ تَفْشِيْعًا مِّنْهُ جُلُوْدٌۭ اَلْبَيِّنٰتِ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ قَلِيْنٌۭ جُلُوْدٌۭ هُمْ وَاَقْلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ رَا اللّٰهُ تَعَالٰى نے نازل فرمائی بہتر بات (یعنی) کتاب جو کہ آپس میں ملتی جلتی ہوتی ہے دہرائی ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کے رونگھے کھڑے ہو جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تو اس آیت میں قساوت کا مقابل لین کو فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے

تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے **إِنَّ أَبْعَدَ شَيْءٍ مِنَ اللَّهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي** تو خشوع کی تاکید کرنا جیسا کہ سابق کی آیت میں ہے اور قساوت کی مذمت کرنا جس کا حاصل خشوع کے ترک پر مذمت کرنا ہے جیسا ما بعد کی آیت میں ہے اس سے زیادہ اور اس کے ضروری اور واجب ہونے کے لئے کیا چاہیے۔ پس ہر عالم اور طالب کے لئے لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے اور اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے غیظ اور غضب میں مغلوب نہ ہو۔ انتقام کی فکر میں نہ رہے۔ علیٰ ہذا اور ان کو آثار اس لئے کہا کہ جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جو ارجح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا حضرت تقاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہو مگر تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا اب اس کی ضرورت اور آثار معلوم ہو جانے کے بعد دیکھ لیجئے کہ آیا ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں اور **أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ** کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے اس کی کیا وجہ کہ ہم کو اپنا کام خور کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کربنے سے عار آتی ہے۔

ساجدو! حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تو کوئی محذور نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں۔ **إِنِّي أَكَلْتُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ** کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں

جیسے کوئی غلام کھاتا ہے جس میں تجتر اور تبکتر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں تھا جیسے آج کل بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت و شان بڑھانے کو ان کے آگے پر اجماے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے ہوتے ہیں سو یہ نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف اجاب ملے جلتے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی آگے ہو گیا اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کٹی کٹی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنے کی یہ عادت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشقوں میں تو کس لئے؟ کیا اس لئے کہ ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں۔ صاحبو! جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ارشاد ہے نَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كَانَ مِنَ النَّاسِ

لئے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر اچھی اور عمدہ عادتیں ہیں، تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کے لئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو وہی معاشرت ہو۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھاتے

دیکھا تو کانپ اٹھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اضع کی کس حیثیت سے بیٹھے ہیں۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی باہر کا ایچی ڈر گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے مت ڈرو میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو کہ سوکھا گوشت کھاتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تو معلوم ہو گا۔

ع، بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بججا

درائے کافرق دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے

حدیث شریف میں وارد ہے کہ **الْبِدَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ** کہ سادگی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ ہم میں بذاتہ اور سادگی پائی جاتی ہے یا نہیں میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائیگا ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا اور نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آگئی ہے۔ صاحبو! یہ ہمارے لئے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت نقص ہے اس سے بچائے عزت بڑھنے کے اور ذلت بڑھتی ہے ہمارا کمال تو ہے کہ ۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگون باشی بے زرد گنج بصد حشمت قاروں باشی

(اے دل بہتر یہ ہے کہ تو مئے گلگون کو پی کر مست ہو جائے اور بغیر کسی مال اور بغیر کسی

خزانے کے قاروں کی حشمت اور اس کا رعب پیدا کرے)

در رہ منزل لیلی کہ خطر با ست بجاں شرط اول قدم آنت کہ مجنوں باشی

(منزل لیلے کے راستہ میں جس میں جان کے خطرے میں پہلی شرط یہ ہے کہ تو مجنوں

ہمارے لئے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان و شوکت ہو نہ دوسرے

سامان میں۔ مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی نواب کے لڑکے۔ اور یہ کوئی

دیندار ہیں یا دنیا دار کسی لئے خوب کہا ہے ۔

یا ممکن پیلیناں دوستی یا بنا کن خانہ بر انداز پیل
 یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی یا فروشو جامتہ تقویٰ بہ نیل
 دیا تو ہاتھی ہانکنے والوں کے ساتھ دوستی مت کرو یا راگر کرتے ہو، تو ہاتھی کے برابر
 اپنا مکان بھی بناؤ۔ یا تو چہرے پر عاشقی کا رنگ مت لگاؤ اور اگر لگاتے ہو تو
 پھر تقویٰ کے لباس کو بھی اسی رنگ میں رنگی

یعنی یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع
 سب اسی کی سی ہونا چاہیئے علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے
 میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا بھی خیال نہیں تو کم از کم اس کا خیال تو ضرور کیجئے
 کہ آپ کس کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور ان مورث کی کیا حالت
 تھی۔ واللہ ہماری حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دین
 کا ہم پر کامل اثر نہیں ہوا دین نے ہمارے قلب میں پوری جگہ نہیں کی
 ہمارے سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے بعض مباح امور کو بھی
 جبکہ وہ مغضی بہ تکلف یا فساق کا شیوہ ہو گئے تھے ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ بناء
 اول پر باریک کپڑا پہننا چھوڑ دیا تھا اور اسی بناء پر حدیث شریف میں ہے
 کہ مَنْ رَقَّ ثَوْبَهُ رَقَّ دِينُهُ جس نے اپنے لباس کو باریک بنایا اس کا دین بھی رقیق
 اور کمزور ہو گیا، دوسری بناء کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے دین
 اس وقت بھولتا ہوں، ایک مرتبہ کسی خلیفہ کو مہین لباس پہنے دیکھ کر یہ کہا
 تھا کہ اَنْظُرُوا اِلَى اَمِيْرِنَا هَذَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفَسَاقِ دہارے سردار کو دیکھو یہ
 فاسقوں کا لباس پہنتے ہیں، اور بناء ثنائی بھی درحقیقت ناشی بناء اول سے تھی یعنی چونکہ
 سلف میں سادگی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اسلئے اس وقت صلحاء باریک
 کپڑے نہ پہنتے تھے بلکہ فساق ہی پہنتے تھے اس لئے امیر کو فساق کا لباس
 پہنے دیکھ کر یہ اعتراض کیا۔ پس اس وقت بھی جو امور وضع اہل باطل یا
 اہل کبر کی ہیں گوئی نفسہ مباح ہی ہوں ان کو ترک کرنا چاہیئے جیسے انگریزا

بوٹ جوتے پھندنے دار ٹوپی وغیرہ۔ کیونکہ اس قسم کے امور اول تو من تشبہ میں داخل ہیں دوسرے اگر ان کو تشبہ سے قطع نظر کر کے مباح مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی چونکہ ثقہ لوگوں کی وضع نہیں اسلئے بھی وہ قابل ترک ہوں گے۔ ہماری وضع ایسی ہونا چاہیے کہ لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو وحشی و ناکارہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے لئے مایہ فخر ہے کیونکہ

تا بدانی ہر کرا یزدان بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد مر عس را دید و در خانہ نہ شد
ما اگر قلامش و گز دیوانہ ایم مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

(مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جسے یزدان کہا جاتا ہے وہ دُنیا کے سارے دھندوں سے بیکار ہوتا ہے۔ وہ پاگل ہے جو کہ دیوانہ نہیں ہوا محافظ کو دیکھا اور گھر میں نہ رہا اگر ہم محتاج اور دیولنے ہیں تو اُس ساقی اور اس پیمانے کے مست بھی ہیں)

اور اہل تکلف کی وضع کی نسبت فرماتے ہیں۔

عاقبت سازد ترا از دیں بری ایس تن آرائی و ایس تن پروری

(تو اپنی عاقبت سنوار تجھکو یہ تکلف اور تصنع انجام کار تجھے دین سے دور کر دیگا)

حقیقت میں اس کا انجام بہت ہی بُرا ہے کیونکہ اس میں قطع نظر اس کے کہ یہ ہذازت کے بالکل خلاف ہے ایک بڑی مضرت یہ ہے جب ہر وقت یہی شغل رہے گا تو بہ قاعدۃ النفس لا تتوجہ الی شئیئین فی ان واجبہ نفس ایک ہی وقت میں در چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، یہ ضروری ہے کہ علم کی طرف توجہ نہ رہے گی اور علم سے بالکل بے بہرہ رہیگا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت اپنے بناؤ سنگار میں رہتے ہیں نہ ان میں کوئی استعداد ہوتی ہے نہ مناسبت اور یہ یقینی ہے کہ جو شخص امور عظام میں

مشغول ہوتا ہے اس کی نظر امورِ صفار پر نہیں رہا کرتی حتیٰ کہ یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ غسل کب کیا تھا اور کپڑے کب بدلے تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ شریعت مطہرہ نے یہ قانون مقرر کر دیا کہ ایک ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور غسل کر لیا کرو ورنہ یہ تو خود امرِ طبعی تھا مگر کام کرنے والے لوگوں کو اس طرف التفات نہیں رہتا اس لئے قانون کی ضرورت پڑی۔ سبحان اللہ کس قدر رعایتیں شریعت مطہرہ نے مرعی رکھی ہیں کہ ایک طرف تو بذاذہ کا حکم ہو رہا ہے تاکہ زینت اور تکلف نہ آجائے اور چونکہ بعض لوگوں سے اس پر ایسا عمل کرنے کا احتمال تھا کہ وہ اپنے تن بدن کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے حدِ نظافت سے بھی خارج ہو جاتے اس لئے دوسرے موقع پر یہ بھی فرما دیا کہ ہفتے بھر میں ایک مرتبہ ضرور غسل کر لیا کرو۔ تاکہ نظافت بھی قوت نہ ہو جائے کیونکہ نظافت مطلوب ہے چنانچہ اس کی اس قدر ترغیب دی ہے کہ یوں ارشاد فرمایا نظفوا انفسکم ولا تشبهوا بالیہود یعنی اپنے فناء دار کو صاف رکھا کرو اور اس کو میلا کچھلا رکھ کر یہود جیسے نہ بنو۔ فناء دار اس حصہ زمین کو کہتے ہیں جو کہ گھر سے باہر دروازے کے سامنے ہو۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب فناء دار تک کی نظافت مطلوب ہے تو خود دار کی اور اس سے بڑھ کر لباس اور بدن کی نظافت کس درجہ مطلوب ہوگی۔ سو شریعت کی تو یہ تعلیم ہے کہ دونوں امر میں اعتدال بتلایا مگر اس کے بعد اپنے اوپر نظر کر کے وہ شعر یاد آتا ہے کہ

چوں گرسنہ میثوی تو سگ شوی چونکہ خوردی تند و بدرگ میثوی

(جب تم بھوکے ہوتے ہو تو کتا ہو جاتے ہو اور جب کھاتے ہو تو سرکش

اور کینے ہو جاتے ہو)

یعنی ہماری بھوک بھی ایک آفت اور سیری بھی ایک مصیبت یعنی

اگر نظافت اختیار کریں گے تو اس درجہ کہ نواب معلوم ہوں اور بذاذہ
 پر اتریں گے تو اس حد تک کہ کپڑے بسی سڑے ہوئے بدن بھی سڑا ہوا
 وہ تعدیل کی شان جو شریعت نے سکھائی ہے اس کا کہیں کو سوں بھی
 پتہ نہیں حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ نظافت اور بذاذہ دونوں
 کو ہاتھ سے نہ جانے دے یہ تو شرعی پہلو سے بذاذت پر گفتگو تھی
 اب جیسی اعتبار سے لیجئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جیسا بھی یہی حالت ہے کہ جو آدمی
 کسی بڑے کام میں مشغول ہوتا ہے اس کو چھوٹے کاموں کی طرف توجہ
 نہیں ہوتی مثلاً شادی کے موقع پر جن لوگوں کی سپرد شادی کا انتظام
 ہوتا ہے ان کو نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدن کی اور وہ اس
 کو کچھ عار نہیں سمجھتے بلکہ اپنی کارگذاری پر ناز کرتے ہیں بلکہ جو زیادہ مشغول
 ہوتے ہیں ان کو اس طرف بھی التفات نہیں ہوتا کہ اس سے کارگذاری
 کا اظہار ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ انہماک فی الامور العظام کے لئے بذاذہ
 اور عدم التفات ای صغار الامور لازم ہے۔ پس جو طالب علم اپنے علم
 کے شغل میں لگا ہوگا اس کو کبھی اس کی فکر نہ ہوگی کہ میرے پاس
 بوٹ بھی ہے یا نہیں اور رومال بھی ہے یا نہیں۔ اسی کی بناء پر محققین
 نے کہا ہے کہ فارم ہونے کے لئے عادتاً لازم ہے کہ وہ بالکل سادہ
 زندگی بسر کرے گا اور بڑے لوگوں کی سوانحی دیکھنے سے بھی اگرچہ
 وہ دنیا ہی کے بڑے ہوں صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے زندگی
 نہایت بے تکلف بسر کی پس جو شخص ہر وقت مانگ پٹی میں مشغول ہے
 اس کی نسبت سمجھ لینا چاہیے کہ لیس من الکمال فی شئ را سے کوئی کمال حاصل
 نہیں ہے، ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اُن کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی ان
 ان کو گھر پر جا کر آواز دیتا تو کم سے کم نصف گھنٹہ میں باہر آتے اس کی
 وجہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس وقت پکاری کی آواز گھر میں پہنچتی ہے تو

وہ آئینہ اور کنگھا طلب کرتے ہیں اور نہایت تکلف سے بالوں کو درست کر کے مانگ نکال کر واڑھی میں کنگھا کر کے ایک ایک بال کو موزوں بنا کر غرض دوپٹا بنا کر باہر تشریف لاتے تھے

(ع۔ جنوں و خبط نہ کہتے اسے تو کیا کہتے + جامع)

اسی طرح اکثر متکلفین کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس ایک دو جوڑا محض اس کام کے لئے رہتا ہے کہ جب باہر نکلیں تو اس کو زیب تن کر کے نکلیں اور جب واپس آئیں تو پھر وہی سنگوٹی یا سڑے ہوتے کپڑے ان کا لباس گویا ہاتھی کے دانت ہیں کہ کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اور ان لوگوں کو شیطان نے یہ دھوکہ دیا ہے کہ إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں، اور جب خُدا تعالیٰ کو جمال پسند ہے تو ہم کو بھی جمیل بنا کر رہنا چاہیے لیکن میں ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ تزیین محض جمال کی وجہ سے ہے تو اس کی کیا وجہ کہ محض جلوت میں یہ تکلف کا لباس پہنا جاتا ہے کیا جلوت میں خُدا تعالیٰ کو جمال پسند نہیں۔ صاحبو! یہ سب نفس کی توجیہات اور نکات بعد الوقوع ہیں اور خود آثار سے پتہ چل جاتا ہے کہ اصل مقصود کیا ہے چنانچہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ نہایت کم قیمت کپڑا معمولی کپڑا پہنیں گے لیکن وضع ایسی اختیار کریں گے کہ دوسرے کو نہایت قیمتی معلوم ہو نیز تراش ایسی ہوگی کہ یہ بڑے لوگوں میں شمار ہوں اور وضع و تراش کا ذکر تکلف کی مثال میں اس لئے کیا کہ کپڑے میں ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت اور ہیئت۔ سو تکلف میں اکثر زیادہ دخل ہیئت کو ہوتا ہے یعنی اگر کسی قیمت پر کپڑے کی سادہ ہیئت بنالی جائے تو وہی معمولی اور سادہ معلوم ہونے لگتا ہے جنے بعض امراء کو دیکھا ہے کہ وہ نہایت قیمتی کپڑا پہنتے ہیں لیکن اس کی وضع ایسی سادہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل معمولی معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض غرباء کو دیکھا ہے کہ وہ کپڑا کم قیمت پہنتے ہیں مگر بہت ہی خوبصورت بنا کر۔ تو اگر خدا اتنا لئے وسعت دی ہو قیمتیں کپڑا پہنوں لیکن اس کی وضع بالکل سادہ رکھو اس میں بناوٹ اور تزئین ہرگز نہ ہونے دو مگر یہ اسی سے ہو سکے گا جو کسی بڑے کام میں مشغول ہوگا۔ پہلے طالب علموں کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ بالکل اول جلول رہتے تھے کہ نہ کرتے کی خبر ہے نہ پاجامے کی پھر دیکھ لیجئے کہ ان میں سے جو اب موجود ہیں وہ اپنے وقت کے مقتدا ہیں اور جو شخص کرتے پاجامے کی زیب و زینت میں مشغول رہے گا اس کو کبھی یہ بات کہاں میسر ہو گی نیز ان لوگوں کو یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم جو تکلف اور فیشن کے پیچھے پڑے ہیں آخر اس کی غرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اپنی قدر بڑھانا اور لوگوں کی نظروں میں عزیز بننا یہی اس کی غرض ہوتی ہے سو علماء کی جماعت میں تو اس سے کچھ قدر نہیں ہوتی اس جماعت کی نظروں میں قدر بڑھانے کی تو صورت یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل ہو اگرچہ پیجام نصف ساق تک ہی ہو اور اگرچہ کرتہ بالکل بھی نہ ہو کانپور میں جس زمانہ میں میرا قیام تھا ایک مرتبہ میں مدرسہ میں پڑھاتا تھا کہ ایک شخص آکر بیٹھے ان کے بدن پر صرف ایک لنگی اور ایک چادرہ تھا۔ اس ہیئت کو دیکھ کر کسی نے ان کی طرف توجہ نہ کی لیکن جب انہوں نے گفتگو شروع کی تو معلوم ہوا کہ بہت بڑے فاضل ہیں۔ پھر تو ان کی اس قدر وقعت ہوئی کہ ہر طالب علم ان پر جھکا جاتا تھا اور تلمیح حالات و خیالات عوام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظروں میں بھی اہل علم کی وقعت وضع و لباس سے نہیں غرض آپ لوگوں کی وقعت علم سے اور تقویٰ و طہالات سے ہے نہ کہ لباس سے۔ یہ ظاہری زیب و زینت صرف ان لوگوں کے لئے ذریعہ حصول وقعت ہے

جو کمال سے عاری ہیں ورنہ خوب سمجھ لو کہ سے
ز عشقِ ناتمام ماجسالی یار مستغنی ست بآب و رنگ و خال و خط چہ خاروی زیارا

(ہمارے ناقص عشق کی جمال یار کو کوئی ضرورت نہیں آہ و رنگ تل اور خط

کی حسین چہرے کو کیا حاجت ہو سکتی ہے)

اور یہ بھی اس وقت ہے کہ وقت کو کسی درجے میں قابل شمار کہا جائے

ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ خود یہ وقت ہی کوئی پینر قابل
اہتمام نہیں غرض یہ آثار ہیں کپڑے میں خشوع و تجر کے۔ اسی طرح چلنے اور

بولنے میں بھی اس کے کچھ آثار ہیں جن کی نسبت ارشاد خداوندی ہے وَاقْصِدْ

فِي مَشِيكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ یعنی اپنی رفتار میں میمانہ روی پیدا

کرو اور آواز کو پست کرو۔ پس معلوم ہوا کہ جب قلب میں خشوع ہوتا ہے

تو رفتار میں بھی خشوع کا اثر ہوتا ہے اور آواز میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے

اور جیسے خشوع کے لئے یہ آثار لازم ہیں اسی تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے

کہ ان آثار کے لئے بھی خشوع لازم ہے بلکہ ہر ظاہری ہیبت کا اثر باطن

پر پڑتا ہے دیکھئے اگر کوئی شخص غمگین صورت بنا کر بیٹھ جائے تو قلب

میں بھی اضطلال کا اثر محسوس ہو گا۔ یا اگر کوئی شخص متکبرانہ وضع بنا لے

تو دل میں بھی ایک تجر اور تکبر کی شان پائی جائے گی تو جیسے باطن ظاہر میں

موثر ہے کہ باطن کے موافق آثار ظاہر میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ظاہر

بھی باطن میں موثر ہے جب ایسا ہے تو جن لوگوں کو اس وقت تک صفت

خشوع حاصل نہیں ہو سکی ان کو چاہیے کہ وہ متواضعین کے افعال اختیار کریں

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قلب میں بھی تواضع کی صفت پیدا ہوگی اور صاحبو

کوئی تو وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متکبرین کے افعال

سے ممانعت فرمائی اور قرآن شریف میں وَاقْصِدْ فِي مَشِيكَ وَاعْضُضْ مِنْ

صَوْتِكَ ارشاد ہوا۔ ذرا آپ اپنے اسلاف کے حالات کو دیکھئے کہ ان کی کیا شان

مغنی بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو حضرات اکابر دین اس وقت موجود ہیں ان ہی کے حالات کو دیکھ لیجئے کیا ان کے افعال قابل اتباع نہیں ہیں ضرور ہیں پس ہم کو لازم ہے کہ ہم وہی وضع اختیار کریں جو کہ ان کو مرغوب ہو اور جس کو وہ اختیار کر چکے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ہم اس تشبیہ ظاہری کی بدلت اپنے باطن کو درست کر سکیں۔ اہل اللہ کے ساتھ یہ ظاہر کا تشابہ بھی وہ چیز ہے کہ اس کی بدولت کفار پر فضل ہو گیا ہے۔ بئیر کی روایت ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے ساحرین کو جمع کیا تو وہ لوگ اسی بلور میں آئے تھے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا آخر مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین مسلمان ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خداوند کی میں عرس کیا کہ یا الہی یہ سامان فرعون کے اسلام کے لئے ہوا تھا کیا سبب کہ اس پر فضل نہ ہوا اور ساحرین کو توفیق ایمان ہو گئی ارشاد ہوا کہ لے موسیٰ یہ لوگ تمہاری سی صورت بن کر آئے تھے ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں اسلئے ان کو توفیق ہو گئی اور فرعون کو چونکہ اتنی مناسبت بھی نہیں تھی اس لئے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہو سکی۔ اس حکایت سے احتجاج مقصود نہیں کہ اس کے ثبوت میں کلام کرنے لگو بلکہ صرف تاثر منطوق ہے اگر یہ حکایت صحیح نہ ہو اور اس لئے تقریر سے حذف بھی کر دیجائے تو بھی اصل مضمون دلائل سے ثابت ہے کسی حکایت کا عدم ثبوت مضر نہیں غرض ہے خشوع اور اس کے آثار اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اگر ہم میں صفت خشوع موجود ہے تب ہم کو اس کے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے اور اگر یہ صفت موجود نہیں ہے تو خود اس کی تحصیل کے لئے ایسا کرنا یعنی اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ تحصیل خشوع کی علت کے اجزا میں سے ایک جزو یہ بھی ہے اور دوسرا جزو یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جائے تیسرا جزو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خشیت کو دلچسپی

اور اس خشیت کو پیدا کرنے کے لئے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اُس میں تنہا بیٹھ کر اپنی حالت عتیاں اور پھر خدا تعالیٰ کے نعم اور نیر اس کے عذابِ آخرت اور قیامت کے احوال پلصراطِ میزانِ دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کو معمول کر لیا جائے تو انشاء اللہ بہت کچھ فائدہ ہوگی کیونکہ اس کو خشیت کے پیدا ہونے میں بڑا دخل ہے اور پھر خشیت سے خشوع ہوگا نیز دوسرے طور پر بھی اس کو حصولِ آثارِ خشوع میں دخل ہے وہ یہ کہ سب سے پہلا اثر جو اس سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سے دل بالکل اٹھ جاتا ہے اور جب دنیا سے دل اٹھ جاتا ہے تو تکلف اور زینت اور اسی طرح دل بستگی کے سب آثار جاتے رہتے ہیں اور اس قسم کی تمام باتوں سے نفرت ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس شخص کے پیش نظر ہر وقت سفرِ آخرت رہیگا اور دنیا میں اپنے ہمیں مسافر سمجھے گا اور ظاہر ہے کہ مسافر کو سفر میں دل بستگی نہیں ہوا کرتی۔ اس کو منزل کا خیال ہر وقت سوا ہاں روح رہتا ہے چوتھا جزو علتِ خشوع کا یہ ہے (اور) یہ بعد فراغِ کتب و رسیدِ آپ کے ذمہ فاجب العمل ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کئے ہیں تو باطن کی درستی میں کافی سال تو کیا چند ماہ ہی خرچ کر دیجئے یعنی کم سے کم دس مہینے ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے اور اس کے ارشاد کے مطابق چلئے۔ خداوند تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولتِ خشوع عطا فرماتے ہیں اور علم کا اثر قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے۔ خوب کہا ہے ۔

علم چوں برتنِ زنی مارے بود علم چوں بر دلِ زنی یارے بود

دلم کو اگر تم بدن سے لگاؤ گے تو وہ تمہارے لئے سانپ ہو جائیگا اور اگر دل سے لگاؤ گے

تو وہ تمہارا دوست ہوگا

ایک جگہ اس کی تدبیر بتلاتے ہیں ۔

قال برا بگزار مردِ حال شو پیش مرورِ کاٹے پامال شو

بات اور چھوڑ کر صاحبِ حال ہو اور کسی بزرگ کے سامنے پامال ہو جھاڑ
صحبتِ نیکیاں اگر کیسا عفتست بہتر از صد سالہ زہد و طاعتت
اگر ایک ساعت کے لئے بھی نیک لوگوں کی صحبت میسر آجائے تو وہ سو سال کی عبادت اور پندرہ گار کی تہذیب
یک زمانے صحبتت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعتت بے ریا
اولیاء کی تھوڑی صحبت سو سال کی پر غلو ص عبادت سے بڑھ کر ہے
نفس تمواں کشت الا ظلی پیر دامن آں نفس کش راسخت گیر
ملا وہ کسی پیر کے ساتھ کے نفس کو اور کوئی نہیں مار سکتا تم نفس مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو
گر ہو لئے ایسے سفر واری دلا دامن رہبر بگیر و پس برآ
(لے دل اگر تجھے اس سفر کی خواہش ہے تو رہبر کا دامن مقام کے چلا آ)

در ارادت باش ثابت لے فرید تا بیابی گنج عسرهاں را کلید
ارادے میں لے فرید ثابت اور اٹل رہو تاکہ معرفت کے خزانے کی کنجی تمہیں دستیاب ہو جائے
شاید کسی کو ناز ہو کہ ہمارے پاس تو کتابیں ہیں ان کو دیکھ کر ہم سب کچھ حاصل
کر لیں گے اسلئے آگے فرماتے ہیں یہ

بے ریتی ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق
جس نے کہ بغیر کسی رفیق سفر کے عشق کے راستے میں قدم رکھا عمر گزرنے کے باوجود بھی اسے
عشق سے آگاہی نہیں ہو سکتی

اس شعر کو سن کر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے متعدد حضرات کی نسبت سنا
ہے کہ وہ بغیر مرید ہونے اس راہ میں کامیاب ہو گئے اس لئے اس کا
جواب دیا جاتا ہے یہ

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلا در اندرین صحرا مرو
ہر کہ تنہا نادراں رہ را برید ہم بعونِ مہمت مرواں رسید
در راستے کے لئے ساتھی کی ضرورت ہے تنہا مت جا۔ جس نے تنہا در اکیلے اس
راستے کو اختیار کیا وہ بھی نرد گوں کی توجہ سے ہی پہنچتا ہے

یعنی اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہے تو وہ بھی محض ظاہراً ہوا ہے ورنہ واقع میں وہ بھی کسی کامل کی توجہ اور مدد ہی سے مقصود تک پہنچتا ہے اگرچہ اس کو اس مدد کی خبر بھی نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بچے کی پرورش کہ بدوں ماں باپ کی مدد اور اعانت کے وہ پرورش نہیں پاسکتا لیکن اس کو خبر نہیں ہوتی تو اگرچہ وہ بچہ بڑا ہو کر کہنے لگے کہ بغیر کسی کی مدد کے اتنا بڑا قوی الجبشہ ہو گیا ہوں تو جس طرح اس کا یہ قول غلط اور قابل مضحکہ ہے اسی طرح اس راہ کے قطع کرنے والے کا قول بھی بالکل غلط ہو گا بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ ظاہراً ایک شخص کو کسی کے سپرد نہیں کیا جاتا لیکن واقع میں بہت سے حضرات ہمارے خداوندی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور وہ اس کو غلطیوں میں پھنسنے سے بچاتے ہیں اور قطع راہ میں مدد فرماتے ہیں بہر حال اس جذبہ کی بھی سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس پر اسی وقت عمل کرنا مناسب ہے کہ جب کتب درسیہ سے فراغ ہو چکے اور اساتذہ ادرہ متوجہ ہونے کی اجازت دیدیں اور اگر اساتذہ ختم درسیات کے بعد بھی چندے درسیات ہی میں مشغول رہنے کا حکم فرمائیں تو ان کے ارشاد پر عمل کرے اور جب تک کافی مناسبت نہ ہو جاتے اس وقت تک درسیات ہی میں مشغول رہے اور جب کافی مناسبت ہو جاتے تو چند روز کسی کے پاس رہ کر صلاح باطن کر لے اور پھر درس تدریس کا شغل بھی جاری کر دے یہ ہے تدبیر خشوع کے پیدا ہونے کی چونکہ اس کا اہتمام بہت ضروری تھا اسلئے اس وقت اس کو عرض کیا گیا اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بذاتہ جس کو ادر بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق کچھ تھوڑی توضیح عرض کر دوں کیونکہ ممکن ہے کوئی صاحبِ بذاتہ کے وہ معنی سمجھ لیں جیسے غالب نے سمجھے تھے مشہور ہے کہ غالب نے ایک دوست کو اپنے گھر بلانا چاہا اس نے جناب میں کہلا بھیجا کہ تم تکلف زیادہ کرتے ہو اور اس سے مجھے اور تمہیں دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اس واسطے آئیںکی ہمت نہیں ہوتی آپ نے

اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں وعدہ کرتا ہوں اس مرتبہ کچھ تکلف نہ ہوگا اور اسکے بعد محلہ بھر کا گھورا جمع کر کے اپنے گھر میں ایک ٹیلہ لگا دیا جب دوست کے آنیکا وقت ہوا تو آپ اس پر چڑھ بیٹھے اور نہایت ہی مفلسانہ وضع بنائی مہمان نے آکر یہ وضع دیکھی تو اس کو سخت رنج ہوا سمجھا کہ آج کل غالب کسی سخت مصیبت میں ہے قریب پہنچ کر حال دریافت کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ میں بہت اچھا ہوں لیکن چونکہ تم نے تکلف سے روک دیا تھا اسلئے میں نے یہ بے تکلفی کی وضع اختیار کی ہے تو جیسے غالب نے بے تکلفی کے معنی سمجھتے تھے اسی طرح بعض لوگ شاید بذائقہ کے یہ معنی سمجھ جائیں کہ نہ صفائی ہو اور نہ نظافت ہو بالکل میلی کچی حالت میں ہے حالانکہ میلے پن سے بدازہ کو کوئی ملاقہ نہیں اور یہ بات بھی ضروری بیان کرنے کے قابل تھی کیونکہ ہماری جماعت جو کہ علماء طلبہ کی جماعت کہلاتی ہے اس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ نظافت کی طرف متوجہ ہوں جہاں تک دیکھا جاتا ہے ان لوگوں کو اس کا ذرا خیال نہیں ہے بعض لوگ تکلف کے تو خوگر ہوتے ہیں لیکن صفائی ان میں بالکل نہیں ہوتی۔ حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ تکلف نہ ہو اور صفائی ہو مثلاً آجکل گرمی کا موسم ہے اسی موسم میں علی العموم کپڑوں میں جلدی بدبو ہو جاتی ہے اسلئے ضرورت اس کی ہے کہ ہفتے میں دو مرتبے ضرور غسل کر کے کپڑے بدلے جائیں اور اگر کسی کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو وہ یہ کرے کہ اپنے انہی کپڑوں کو جن کو پہنے ہوتے ہیں دھو کر صاف کرے۔ صاحبو! کپڑے میں کالفا اور استری کی ضرورت نہیں ضرورت صرف اس کی ہے کہ میلانہ ہو پسینے کی بدبو نہ آتی ہو کیونکہ بدبو سے دوسروں کو بوجہ تکلیف ہوتی ہے خصوصاً اساتذہ کو ایسے لوگوں سے سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اس کا خود خیال ہوتا چاہیے اور اگر کسی کے ذہن میں اب تک خود یہ بات نہیں آتی تھی تو اب سننے کے بعد تو ضرور خیال رکھنا چاہیے آپ لوگوں نے حدیث میں پڑھا ہے **مَنْ سَلِمَ الْمَسَامُونَ** **مِنْ تِسَانِهِ وَبَيْدِهِ** (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)۔

اور پینے کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے چنانچہ حدیث تصدقہ سنت غسل جمعہ میں آیا ہے
 كَان يُوذِي بَعْضَهُمْ بَعْضًا اِنْ فِيهِمْ اَحَدٌ دُوسرے سے بوجہ پینے کے تکلیف ہوتی تھی اس لئے غسل کا حکم ہوا۔ اور
 لیجئے فقہانے کہا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ کچی پیاز کھا کر مسجد میں بنجائے علیٰ ہذا
 یہی حدیث تَقَطُّوْا اَنْفِيْتُمْ اِلَيْهِمْ اِنَّمَا رُكُوْا سَنَ حَلَكٌ ہوجس میں یہ
 بھی بیان کیا جھا کہ جب نساء دار کے صاف کرنے کا حکم ہے تو خود حجرہ اور لباس و
 بدن کے صاف کرنے کا حکم کیوں نہ ہو گا۔ اور علاوہ دوسرے کی تکلیف کے صفائی
 نہ رکھنے سے طرح طرح کی بیماریوں کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اور صفائی کو صحت میں بہت
 زیادہ دخل ہے کیونکہ صفائی سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط معین صحت ہے اب
 طالب علموں کی یہ حالت ہے کہ چاہے دو بالشت کوڑا ان کے حجرے میں ہو جائے لیکن یہ
 کبھی صاف نہ کریں گے مجھے تھانہ بھون کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک طالب علم کے حجرے
 میں چوہے نے زمین کھود کر بہت سی مٹی نکال دی تھی اور وہ کئی روز تک اسی طرح رہی
 لیکن اس کو بھٹ بند کرنے یا مٹی پھینکنے کی توفیق نہ ہوئی اتفاق سے ایک صاحب جو
 حاجی بھی ہیں اس طرف کو جو گزرے تو انھوں نے اس کو درست کر دیا چند روز کے
 بعد چوہے نے پھر کھود ڈالی اور پھر مٹی اسی طرح جمع ہو گئی کسی شخص نے دیکھ کر اس طالب علم
 سے کہا کہ اس کو ٹھیک کر دو تو آپ فرماتے ہیں کہ حاجی جی ٹھیک کر دینگے۔ گویا حاجی جی
 ان کے نوکر ہیں کہ وہ اگر ان کے حجرے کو صاف کیا کریں۔ اسی طرح آج کل آموں کی فصل
 ہے مدرسے میں جس جگہ دیکھتے چھلکا کٹھلی پھیلا پڑا ہے میں نے تھانہ بھون میں یہ انتظام
 کیا ہے کہ ایک جگہ ایک بڑا ٹوکرو رکھ دیا ہے اور سب سے کہ دیا ہے کہ اس میں
 پھلکے وغیرہ ڈالو لیکن باوجود اس کے بھی کسی کو اس کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ وجہ یہی ہے
 کہ مزاج میں صفائی اور نظافت نہیں۔ علیٰ ہذا گرمی کی وجہ سے سب لوگ صحن میں
 سوتے ہیں لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ صبح اٹھ کر چار پانی کو کسی ٹھکانے کی جگہ رکھیں بلکہ
 جس جگہ پڑی ہے وہیں دن پڑھے تک پڑی رہے گی۔ اکثر طالب علم اپنی ضرورت سے مسجد کے

لوٹے حجرے میں لیجاتے ہیں لیکن پھر مسجد میں لاکر لوٹ رکھے اول تو مسجد کا لوٹا اپنے حجرے میں لیجانا ہی جائز نہیں اور اگر کسی جگہ مسجد و مدرسے کا خرچ مشترک ہونے کی وجہ سے جائز بھی ہو تو حجرے میں رکھ لینا تو پھر بھی جائز نہیں۔ غرض ہم لوگ تکلف کریں گے تو نوابوں کی طرح اور بذاتہ اختیار کریں گے تو بالکل ہی بد نظم بن جائیں گے اسلئے میں نے عرض کر دیا ہے کہ نظافت بذاتہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ جس طرح طہارت ضروری ہے نظافت بھی ضروری ہے۔ اب تو ہماری بد مذاقی کی یہ حالت ہو گئی کہ مداس میں ایک انگریز مسلمان ہوا مسجد میں آکر دیکھا کہ نالی میں بہت سا مٹیٹھ وغیرہ پڑا ہے اس نے منتظمین سے کہا کہ مسجد کو صاف رکھنا ضروری ہے۔ اسکی حالت ایسی خراب نہ رکھنی چاہئے اس کو سنکر وہ لوگ کہنے لگے کہ تجھ میں ابھی عیسائیت باقی ہے ابھی صفائی کی بودماغ سے نہیں نکلی گویا مسلمانوں کے لئے مینا کچھلا خراب خستہ رہنا لازم ہے اور اس قدر بد سم ہوتے کہ اس کو مار کر مسجد سے نکال دیا۔ بعض واناؤں کو اس حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ اس انگریز کے پاس آئے اور تسلی تشفی کرنے لگے۔ اس نے کہا کیا آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ میں ان رگوں کی اس حرکت سے اسلام کو چھوڑ دوں گا۔ میں ان لوگوں پر ایمان نہیں لایا بلکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہ تھے تو بعض آدمی سترائی کو ہی اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں استغفر اللہ حالانکہ دوسری قوموں نے صفائی اور ستھرائی اسلام ہی سے سیکھی ہے اب میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔

خلاصہ سارے بیان کا یہ ہے کہ ہم کو صرف علم حاصل کر لینے پس نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ عمل کرنا بھی ضروری ہے اور بالخصوص صفت خشوع اودا کے اظہار و تدابیر کا اختیار کرنا اور اہل علم کے لئے زیادہ خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ ان کے لئے زینت اور زیور ہے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل عطا فرمائیں
اللَّهُمَّ وَفَعْنَا لِمَا نَحِبُّ وَنَعْرَضِي لِمَا نَكْرَهُ (اور فبذل المنان تاشد کن ان کاموں کی توفیق عطا فرما جنہیں آپ پسند فرماتے ہیں اور جس سے آپ خوش ہوتے ہیں) آمین۔ مَا أَرْحَمُ لَوْ رَاحِيَتِي

وَعظما دنیو دیگر موا عظما مکتبہ تھانوی بندہ روٹ گراہی سے طلب کریں۔

قَالَ لَيْسَ لِي عَلَى اللَّهِ حَقٌّ إِلَّا أَنْ يَبْعَثَ عَلَيَّ رَسُولًا يَرْفَعُ عَنِّي وِلْوَانِي

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

دَعَوَاتِ عِبَادِيَّتِ جَلِيدِ نَحْمِ

ک

سَاتُوا لَوْ وَعَظَ مَلَقَبَ بِهِ

إِحْسَانُ التَّزْيِيرِ

مَنْجُمُ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد شفیع علی صاحبہا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

محمد عبد المتان غفرلہ

مکتبہ تھانوی "دفتر الانتہار"

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

دَعَوَاتِ عِبْدِيَّتِ جلد پنجم

کا

ساتواں وَعظ ملقب بہ

احسان التذیبر

اَسْتَاتٌ	اَلْمَسْمُوعُونَ	مَنْ صَبَطَ	مَاذَا	كَيْفَ	كَمْ	مَتَى	اَيْنَ
متفرقات	سامعین کی تعداد	کس نے کھا	کیا مضمون تھا	بھیگے یا کھرے کر	کتنا ہوا	کب ہوا	کہاں ہوا
		سعید احمد	تخط وغیرہ میں	بھیگے	۲۰ گھنٹے	۱۹ رجب	جامع مسجد
		تھانوی	جو غلط صحیح کرے			۱۳۵۴ھ	تھانہ
		سیدنا شہد	پکوانے ہیں اس			یوم جمعہ	بھون
			پر کلام تھا				

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلُ بِهِ وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ أَمَا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ

وَتَعَالَىٰ وَأُتُوا الْبُيُوتَٰتَ مِنۢ مِّنۡ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ رگڑوں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی ہو یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اور دو جملوں پر مشتمل ہے اس کا شان نزول گویا جس ہے مگر مقصود اس سے ایک عام مضمون پر دلالت کرنا ہے اور اسی عام مضمون میں یہ مضمون بھی داخل ہے جس کو اس وقت میں بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ اس وقت قصداً ایک دوسرے مضمون کے بیان کا تھا لیکن بقاعدہ الایم فالایم چونکہ اس وقت یہ مضمون زیادہ ضروری معلوم ہوا اسلئے اس کو اختیار کیا گیا ہے یہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل ہمارے نواح میں بارش کا کہیں پتہ نہیں ہے اور لوگوں کو قحط کا اندیشہ ہے بلکہ لوگوں کو اسی وقت سے بارش نہ ہونے کے سبب تکلیف شروع ہو گئی ہے خاص کر ان لوگوں کو جن کے پاس نہ غلہ ہے نہ اس قدر وافر روپیہ ہے کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکیں البتہ جن لوگوں کے گھروں میں غلہ بھرا پڑا ہے یا جو لوگ روپے والے ہیں وہ البتہ اس تکلیف سے بچے ہوئے ہیں اور یہ تو خوشی کی بات ہے اور ان کو کسی قسم کی فکر بھی نہیں کیونکہ آثار قحط سے بچنے کا سامان ان کے پاس موجود ہے نہ اپنی فکر ہے اور یہ بھی محل شکایت نہیں اور نہ پرانی اور یہ محل شکایت ہے کیونکہ یہ خاصیت جانور کی ہے چنانچہ طوفان میں ہر جاندار کو غرق کی فکر ہوتی ہے لیکن بظ کو فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ پانی کتنا بھی اونچا ہو جائے میں ہر صورت اس سے اونچی ہی رہوں گی۔

گرازیستی دیگرے شدہلاک تراہست بطراز طوفان چہباک

اگر کوئی مصیبت سے ہلاک ہو گیا تو لے بطن تجھ طوفان سے کیا ڈر

اسی طرح ناداران کی حالت کا امراء کو بھی کچھ خیال نہیں امراء کی طرف سے نادار لوگ بچیں یا ہلاک ہوں ان کے پاس تو غلہ بھرا ہے وہ بے فکر ہیں کہ

ہم کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا گھر میں سے نکالیں گے اور کھائیں گے اور رہی لوگ ہیں جن کی سنگدلی بہت بڑھ جاتی ہے اور ترجم کا پتہ بھی ان میں نہیں رہتا لیکن ہے یہ بہت بڑی غلطی۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ بنی آدم مثل اعضاء یکدیگر ہیں یعنی جو حالت ایک انسان کے اعضاء کی ہوتی ہے کہ اگر پیر میں درد ہے تو سر بھی متاثر ہے آنکھیں بھی متاثر ہیں اسی طرح بنی آدم کا حال بھی ہونا چاہیے خاص کر مسلمانوں کا اکثر ان کو ایک دوسرے کی ضرورت مدد کرنا چاہیے اور ہر شخص کو دوسرے کے غم سے غمگین ہونا چاہیے اور اس کے ازالے کی تدابیر میں لگنا چاہیے جس قسم کی تدبیر بھی ممکن ہو اسلئے کہ تدبیر مختلف ہوتی ہیں کسی امر کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے لئے دعاء کی جائے کسی کی تدبیر یہ ہے کہ اسبابِ طبیعہ کی مباشرت کی جائے ایک کو دوسرے سے غافل ہرگز نہ رہنا چاہیے یہ ہے انسانیت جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور اس کا ترجمہ شیخ شیرازی علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

بنی آدم اعضاءے یکدیگر ہرند کہ در آدمیت زیک جو ہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار
چو از محنت دیگران بے غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی
بنی آدم یک دوسرے کے رفقا ہیں اس لئے کہ آدمی ہونے میں وہ ایک ہی جوہرے ہیں
جب گردش زمانہ کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس تکلیف کی وجہ سے دوسرے
عضو کو بھی قرار نہیں آتا جب تو دوسروں کی تکلیف اور مشقت سے بے پروا ہے تو

تجھے آدمی نہ کہنا چاہیے۔

شریعتِ مطہرہ نے موا ساة کی یہاں تک رعایت کی ہے اور اس کی تعلیم دی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے جب گوشت پکایا کرو تو اس میں شوربا نہ لیا کرو
آگے فرماتے ہیں وَتَعَاهَدُوا جِوَانِحَكُمْ اللہ اکبر شریعتِ مطہرہ نے کس قدر

رعایتیں کی ہیں اور کسی پاکیزہ تعلیم دی ہے اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمدردی کی تعلیم کے ساتھ ہی ایک دوسرے بڑے دقیق امر کی کتنی رعایت فرمائی ہے یعنی اس حکم کے ساتھ کہ شور با زیادہ کر لیا کرو اور خود ہی سب بھونک مت کھا جایا کرو ایک ایسے امر کی روایت کی ہے کہ نبی کے سوا دوسرے کے کلام میں اتنی دقیق رعایت ممکن نہیں اور ایسی رعایتیں نبی کے کلام میں اس لئے ہوا کرتی ہیں کہ ان حضرات کو خدا تعالیٰ خود ادب اور علم سکھلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے

عَلَّمَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَعْلِيمِي وَآذَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْذِينِي رَجَعْتُ إِلَى رَبِّي لَعَلِّي يَرْجِعَ عَلَيَّ

تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے اور مجھے میرے رب نے ادب سکھلایا ہے اور اچھی طرح سکھلایا ہے، اور وہ امر یہ ہے کہ انسان اگرچہ کتنا ہی بڑا ہمدرد ہو اور صفت ایثار اس میں کتنی ہی غالب کیوں نہ ہو لیکن اس میں یہ خصلت بھی طبعاً ضرور ہوتی ہے کہ وہ ہر امر میں دوسرے کو اپنی برابر نہیں رکھتا اور اپنے مرافق خاصہ میں طبعاً دوسرے کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور قرآن مجید نے بھی اس کی اجازت دی ہے اور یہ بالکل فطرت کا مقتضا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ غالباً ہر شریعت آسمانی میں اس کی اجازت ہوگی سو قرآن مجید میں ارشاد ہے هَلْ لَكُمْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِيمَا ذَرَقْتُمْ فَإِنَّكُمْ فِيهِ سَوَاءٌ

کیا تمہاری مملوک اشیاء میں جنہیں ہم نے تمہیں بطور رزق کے عطا کی ہے کچھ لوگ شریک ہیں اور تم سب لوگ اس سلسلے میں برابر ہو، اس آیت میں توحید کو بیان فرما رہے ہیں اور اس کی توضیح کے لئے ایک مثال دیتے ہیں کہ تم خدا کی مملوک کو خدا کی برابر کیسے قرار دیتے ہو حالانکہ اگر تمہارا ایک غلام ہو تو کیا تم اس کو اپنی برابر سمجھ لو گے یعنی حظوظ اور امتفاعات کے حاصل کرتے میں تم اُن کو اپنی برابر نہیں سمجھتے اس مثال کو ذکر کر کے اس کو رد نہ فرماتا بلکہ استدلال کرنا اس عدم مساوات کی اجازت کی صاف دلیل ہے اور یہ مساوات واجب بھی نہیں ہے اور حکمت اس کے واجب نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس پر بہت کم آدمی عمل

کر سکتے علیٰ ہذا حدیث سے بھی اس کی اجازت مفہوم ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر غلام سے اچھا کھانا پکواؤ تو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو اپنے ساتھ کھلاؤ لیکن اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم اتنا تو ضرور کرو کہ ایک لقمہ بنا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دو اور اس حدیث میں بھی علاوہ تعلیم ہمدردی کے ایک بڑی حکمت تمدنی بھی ہے کہ اس سے چوری کا انسداد بالکل ہو گیا کیونکہ جب غلام یہ سمجھتا کہ آقا خود مجھے دیدے گا تو چوری نہ کرے گا اسی طرح جس تعلیم کو دیکھتے اس میں بڑے بڑے قیمتی امور کی رعایت ہے اگرچہ اس وقت وہ امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقصود نہ ہوں چنانچہ اس مقام پر بھی گو اس انسداد کی غرض سے ایسا نہ فرمایا ہو لیکن تعلیم اتنی پاکیزہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے اس کا بھی انسداد ہو جائے گا غرض اس لقمہ رکھ دینے کی حدیث میں ہمدردی کی بھی رعایت ہے اور انسان کے طبعی مقتضا کی بھی رعایت ہے کہ بہتر تو ساتھ کھلانے کو فرمایا اور ساتھ ہی اس کی بھی اجازت دیدی کہ اگر سے تھوڑا سا دیدو کیونکہ نفس میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ جب میں کھاتا ہوں تو دوسرا اس میں برابر کا کیوں شریک ہوا اسی طرح قرآن میں *أَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ* فرمایا یعنی کیا تم غلاموں کو اپنی برابر بنا لو گے یہ تمہیں بھی اس پر دال ہے کہ مساوات باہم نہیں ہو سکتی اسلئے کہ خدا نے اس پر انکار فرمایا اور یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب کسی امر کو نقل کر کے قرآن و حدیث میں اس پر انکار نہ کیا جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہوتا ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں تو *أَلْبَسُوهُمْ مِمَّا بَلَّسُونَ وَأَطِيعُواهُمْ مِمَّا تُطِيعُونَ* جو تم پہنتے ہو وہی ان کو بھی پہناؤ اور جو تم کھاتے ہو وہی ان کو بھی کھلاؤ آیا ہے پھر عدم مساوات کی اجازت کہاں ہوتی جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استہاب کے لئے ہے اور بصورت وجوب اس لئے فرمایا کہ مخاطب اس کے ایک خاص شخص تھے اور ان کی خصوصیت وقتیہ کا مقتضا یہ ہو گا کہ اس میں تاکید ہو۔

واقعہ اس کا یہ ہوا تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری جو کہ نہایت جلیل القدر سونی
 مشرب صحابہ ہیں اور ان کی شان دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالکل جدا
 ہے ایک مرتبہ یہ ایک غلام سے بڑھ رہے تھے اسی اثناء میں انہوں نے اس کے
 نسب پر طعن کیا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر شکایت کر دی
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور یہ فرمایا کہ اِنَّكَ اِمْرَةٌ فِیْہَا جَاهِلِیَّةٌ
 و تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت رہی ہو ہے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو تمہارے
 قبضے میں کر دیا ہے ان کو حقیر نہ سمجھو بلکہ جو خود کھاؤ وہ کھلاؤ جو خود پہننا
 وہ ان کو پہناؤ تو اس واقعہ میں اگر تعلیم مجاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کا مقصود کہا جائے تو اس کی خصوصیت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے صیغے کو تاکد کے لئے بھی کہا جاسکتا ہے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے بھی اس پر یہاں تک عمل کیا کہ ایک مرتبہ ان کے پاس دو چادرے
 تھے جن کے مجموعے کو عربی میں حلقہ کہتے ہیں انہوں نے ایک تو خود پہنا اور
 ایک اپنے غلام کو دیدیا ایک شخص نے ان کو ایک چادرے میں دیکھا تو
 کہا لے ابو ذرؓ یہ چادرے دونوں اگر تم رکھتے تو پورا حلقہ ہو جاتا اور اچھا معلوم
 ہوتا حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تم سچ کہتے ہو لیکن حضور
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ
 اور جو خود پہننا وہ ان کو پہناؤ اس روز سے میں اپنے اور غلام کے کھانے
 کپڑے میں کچھ فرق نہیں کرتا یہ تو آپ کی خصوصیت کے اعتبار سے کلام سکتا
 اور اگر عام لیا جائے اور ظاہر یہی ہے بھی تو پھر یہ امر استجاب کے لئے ہے اور
 دلیل استجاب کی وہی سابق حدیث ہے کہ کم سے کم ایک لقمہ ہی دیدیا کرو
 تو تفاوت رکھنا تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ بالکل رحم نہ کیا جائے اور
 خبر ہی نہ لی جائے پس اسی جواز تفاوت کی رعایت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم یہ بھی فرمانتے ہیں کہ اگر گوشت پکایا کرو تو شور یا زیادہ کر لیا کرو

یعنی اگر اپنی برابر دوسروں کو بھنا ہوا گوشت نہ کھلا سکو تو خیر ان کو کچھ شوربا
 ہی دیا کرو۔ بعض صاحبین کا یہی عمل اس کے موافق نہ لگتا ہے کہ جب ان کے
 ہاں گوشت پختا تو شوربا بڑھا کر پڑوسیوں کو بھی دیتے تھے یہ ایسا حکم ہے کہ
 عمل کرنے والے کو اس میں ذرا بھی گرائی نہیں ہو سکتی اور مصلح کی یہی دانا ہے
 سو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر دانا کون ہو سکتا ہے غرض ان احادیث
 سے یہ معلوم ہوا کہ ہمدردی کی سخت ضرورت ہے بلکہ بعض احادیث سے تو
 یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنا ضرور
 ہے اور ان کو ستانا جائز نہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر سواری کو ٹھہرا کر بات
 کرنا ہو تو اس پر سے اتر پڑو اس پر چڑھے چڑھے زیادہ باتیں مت کرو حتیٰ
 کہ جن جانوروں کے ذبح کرنے یا قتل کرنے کی بھی اجازت دی ہے ان کے ذبح
 اور قتل کے بھی قاعدے جلا دیئے ہیں اور اس میں ظلم کی اور ترسانے کی مانعت
 اور اس پر وعید فرمادی ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بلی
 پالی تھی اور اس کو باندھ کر رکھ چھوڑا تھا نہ خود کچھ کھلاتی تھی اور نہ اس کو
 چھوڑتی تھی کہ کچھ کھا کر گذر کر لے حتیٰ کہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئی
 حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عالم برزخ کا معائنہ فرمایا تو دیکھا
 کہ وہ عورت دوزخ میں جل رہی ہے اور وہ بلی اس پر مسلط ہے اور نوح
 رہی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب بلی آگ میں تھی تو سزا تو اس کو بھی ہونی
 پھر اس نے بدلہ کیا لیا جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہی ضروری نہیں کہ جو چیز
 آگ میں ہو وہ جلا ہی کرے اسلئے کہ آگ میں جلانے کی قوت خدا تعالیٰ کی پیدا
 کی ہوئی ہے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کسی خاص چیز کے حق میں اس اثر کو باطل
 فرمادیں دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس بلی کی صورت میں کوئی دوسری چیز
 اس پر مسلط کی گئی ہو اور بلی کی صورت اسلئے بنا دی گئی ہو تاکہ اس عورت
 کو یاد آجائے کہ میرے فلاں عمل کی سزا بھکو مل رہی ہے تو معلوم ہوا کہ جانوروں

ستانا بھی جائز نہیں البتہ جو جانور ستاتے ہوں ان کو مار ڈالنا جائز
 ہے لیکن ایک دم سے مار دینا چاہئے ستا کر مارنا جائز نہیں ہے اسی طرح
 ذبیحہ کے لئے فرمایا کہ چھری کو تیز کر لیا کرو اور جلدی ذبح کر دیا کرو جب چار
 رگیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ چاروں
 رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں اسلئے اگر آگے بھی چھری چلائی جائیگی
 تو بلا ضرورت اس کو تکلیف ہوگی اور یہ حرام ہے نفس ہے کہ آجکل دوسری قومیں
 مسلمانوں کو بیرحم بتلاتی ہیں وہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مسلمانوں میں کس قدر
 رحم ہے اور اگر اس کا نام بھی بے رحمی ہے تو دنیا میں کوئی بھی رحیم نہیں کیونکہ تمام قومیں
 اپنی ضرورت میں آدمی کے قتل تک کو بھی جائز کہتی ہیں چنانچہ ملکی لڑائیوں میں اور مذہبی
 جنگوں میں ہزاروں آدمی تیغ کے گھاٹ اتر جاتے ہیں جو لوگ ہتیا کرتے ہیں وہ بھی بکری
 وغیرہ کو سانپ کو بچھو کو مار ڈالتے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں مارتے
 تو میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے گھر میں بہت سے چوہے ہو جاتے ہیں
 اور وہ آپ کو ستاتے ہیں تو آپ ان کا کیا علاج کرتے ہیں بعض یہ کہیں گے کہ ہم
 ان کو پکڑ کر دوسرے محلے میں پھوڑ دیتے ہیں چنانچہ بعض ایسا کرتے بھی ہیں تو
 نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اُس محلے کے مسلمان خوب اچھی طرح جو توں سے مار مار کر
 ان کا خاتمہ کریں تو صاحبو کیا کوئی عقلمند اس کو رحم کہیگا کہ جن چیزوں کو اپنا دیوتا سمجھا
 جاتا ہے ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے جن کو بیرحم سمجھا جاتا ہے پس معلوم ہوا
 کہ اپنی مصلحت سے دوسروں کی جان لینا جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی
 اجازت اپنی مصلحت سے بڑھ کر ہے تو خدا تعالیٰ کی اجازت سے دوسروں کی جان
 لینا کیوں نہ جائز ہوگا اور جب جائز ہے تو مسلمانوں پر بیرحمی کا اعتراض بالکل
 غلط ہوا اور اگر اب بھی وہ بیرحم ہیں تو آپ اُن سے زیادہ بیرحم ہیں کہ ان کے ہاتھ سے
 بیرحمی کرتے ہیں غرض جانور کے ذبح کو بھی بیرحمی بتلانا سخت غلطی ہے ہاں ذبح
 میں اس کو تکلیف دینا ستانا یہ بیرحمی ضرور ہے تو شریعت مطہرہ نے اس کی کہیں

اجازت نہیں دی مگر افسوس ہے کہ آجکل ذبح کرنے والے اکثر اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ بعض تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ٹھنڈا ہونے سے قبل ہی کھال بھی کھینچنا شروع کر دیتے ہیں خیر قصائیوں کو اختیار ہے وہ جو چاہیں کریں خود بھگتیں گے نیکو جو لوگ ذبح کرتے ہیں وہ تو ذبح میں کہ ان کا فعل ہے تکلیف نہ دینے کا انتہا مہر کر سکتے ہیں خدا ہمارے بزرگوں کو جزاء خیر دے کہ انہوں نے قصائیوں کو ذبح کی اجازت ہی نہیں دی اس میں مجملہ دوسرے مصالح کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اکثر سخت دل ہوتے ہیں پس دوسرے لوگ کچھ تو رحم کریں گے بالخصوص قربانی کے جانوروں میں تو لوگوں کو بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ تو خالص اپنی ملک میں قصائیوں کا اُس میں کوئی اختیار نہیں پس جب تک وہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں ہرگز کھال نہ نکالنے دیں تو جب شریعت میں جانوروں کو ستانے کی اجازت نہیں اور اپر رحم کا حکم ہے اور اس رحم پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت چلی جا رہی تھی راستہ میں اُس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کے مارے سسٹک رہا ہے اس عورت کو بہت قلق ہوا اور اس نے کتے کیلئے پانی تلاش کرنا شروع کیا آخر ایک کنواں ملا لیکن اس کنویں پر نہ رسی تھی نہ ڈول تھا اس عورت نے اپنا چمڑے کا موزہ اُتارا اور اپنی اورھنی سے رسی کا کام لے کر پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا خدا تعالیٰ نے اس عمل کی بدولت اس کے عمر بھر کے گناہ بخش دیئے اور بحساب اس کو جنت میں داخل کر دیا اس حدیث کو سنکر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جانوروں کو پانی پلانا بھی ثواب ہے آپ نے فرمایا کہ ہر جاندار کو آرام دینے میں ثواب ہے غرض جب شریعت میں جانور تک کو آرام دینے کا حکم ہے تو کیا اس میں انسان کو آرام پہنچانے کا حکم نہ ہو گا یا انسان کا کوئی حق اس شریعت میں مقرر نہ کیا گیا ہو گا۔ افسوس ہے۔ آجکل اکثر لوگ جانور و پیر تو رحم کرتے ہیں لیکن اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے بعض کی تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ ان کے گھر میں چینیوں رکھی رکھی سڑ جائیں گی لیکن کبھی یہ توفیق نہ ہوگی کہ پڑوسیوں کو یا کسی دوسرے

حاجتمند کو اس میں سے کچھ دیریں اور اگر کسی کو دینگے تو ایسے شخص کو جس کے دینے سے
 ان کا نام ہر یا ان کا کوئی کام نکلے تو یہ دنیا واقع میں اپنے ہی کو دنیا ہے باقی ترجمہ
 کے لئے بہت کم لوگ ہیں کہ وہ کسی کو کچھ دینے ہوں اور یہ لوگ زیادہ تر وہ ہیں
 جو کہ خود نہایت آرام میں ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تکلیف کس چیز کا نام ہے۔
 یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات برس کے مسلسل قحط میں کبھی شکم
 ہو کر کھانا نہیں کھایا اور جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آجکل قحط کا زمانہ
 ہے لوگ وقت بوقت میرے پاس غلہ لینے کے لئے آتے ہیں اگر میں شکم سیر ہو کر کھانا
 تو مجھ کو ان کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکیگا تو ممکن ہے میں کسی وقت غلہ دینے سے
 انکار کر دوں اور بھوکا رہوں گا تو ہر وقت یہ معلوم رہیگا کہ بھوک کی تکلیف ایسی
 ہوتی ہے اس کو بھی ایسی ہی تکلیف ہو رہی ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود آرام
 میں ہو اس کو دوسرے کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا اور یہی سبب تھا کہ پہلے
 زمانہ میں تربیت کرتے وقت کچھ تکلیف بھی دیا کرتے تھے ایک قصہ مشہور ہے کہ
 کسی بادشاہ کا لڑکا ایک میاں بچی کے سپرد تھا وہ اس کو پڑھاتے لکھاتے تھے ایک
 مرتبہ بادشاہ جو مکتب میں پہنچنے تو معلوم ہوا کہ میاں بچی سوار ہو کر فلاں
 جانب کو گئے ہیں یہ سن کر بادشاہ خود بھی اسی جانب چل دیا دونوں ملے مگر اس
 حالت میں کہ میاں بچی گھوڑے پر سوار تھیں اور شاہزادہ سائیس کی طرح گھوڑے کے
 پیچھے دوڑا چلا آ رہا ہے یہ دیکھ کر بادشاہ کو نہایت غصہ آیا لیکن اس وقت تحمل سے
 کام لیا اور پھر اطمینان سے میاں بچی سے اس کی وجہ دریافت کی اس نے کہا کہ شاہزادہ
 ہے خدا اس کی عمر میں برکت کرے ایک دن یہ تخت سلطنت پر متمکن ہوگا ہزاروں آدمی
 اس کی خدمت میں ہونگے سواری کریگا تو جلو میں بھی سینکڑوں آدمی ہونگے سو میں
 اس پر اس واسطے مشقت ڈالی کہ بادشاہی کے زمانے میں یہ دوسروں کی مشقت
 کا بھی اندازہ کر سکے اور لوگوں کو تحمل سے زیادہ تکلیف نہ دے بادشاہ اس کو
 شکر بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام دیا۔ تو جو لوگ آسودہ ہیں اور اتنا کھاتے

ہیں کہ ان کو نمک سلیمانی کی بھی ضرورت ہو ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ دوسروں پر کیا گذرتی ہے ایک جماعت تو ان پیرحموں کی ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اسلئے کہ ایسے لوگ اکثر امراء ہیں اور امراء کی تعداد خود بہت کم ہے دوسری جماعت وہ ہے اور یہی تعداد میں زیادہ ہے کہ جن کو ابھی سے آثارِ قحط سے تکلیف ہونے لگی ہے اور اس کے رفع کی بھی تمنا ہے اور مجھے اس وقت زیادہ تر اس جماعت کے متعلق ایک مضمون بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو بظاہر قحط کی طرف فکہ لگی ہوئی ہے ان میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آیا صرف ان کی زبانوں پر اس کا ذکر ہے یا کوئی تدبیر بھی کر رہے ہیں اور اگر تدبیر کر رہے ہیں تو واقع میں بھی وہ تدبیر مفید ہے یا نہیں اور اس کو تدبیر کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔

تو مجموعی حالت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس میں غلطیاں کر رہے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ وہ کوئی تدبیر ہی نہیں کرتے بلکہ جس طرح ان کی مجلس میں اور دنیا بھر کی باتوں کا تذکرہ ہوا کرتا ہے اسی طرح اس کا بھی تذکرہ ہو جاتا ہے اس کو اس کی خبر ہی نہیں ہے کہ قحط کے رفع کے لئے کوئی تدبیر بھی کیا نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ وہ تدبیر کو ضروری سمجھتے ہیں اور تدبیر کرتے بھی ہیں لیکن وہ تدبیر صحیح نہیں ہوتی اور شاید ہزاروں میں دو چار ہی آدمی ایسے ہوں جو سمجھ سکتے ہوں اسلئے وہ بھی بے تدبیری کرتے ہیں مگر اس وقت اس وقت اسے بے تدبیری کے متعلق کچھ کہنا ہے لیکن میں نے اس وقت جو آیت پڑھی ہے وہ کچھ اسی بے تدبیری کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس بے تدبیری اور بے تدبیری کو شامل ہے آیت یہ ہے **وَاتَّقُوا الْبُيُوتَ مِنْ آبَائِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم قلاح حاصل کر لو۔ مناسبت اس آیت کی آج کے مضمون سے انشاء اللہ ابھی ظاہر ہو جائے گی۔ شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں منجملہ اور رسومِ قبیلہ کے ایک رسم یہ بھی تھی کہ ایام حج میں احرام باندھنے کے بعد گھر میں **تَوَدَّهَا الْبُغْدَا**۔

نہ جاتے تھے اور اگر بہت ہی ضرورت تھی تو گھر کی پشت سے اندر جاتے تھے دروازے سے مکان میں جانے کو ان ایام میں حرام سمجھتے تھے خدا تعالیٰ اس رسم کو مٹا رہے ہیں اور اس کا لغو ہونا ظاہر فرما کر مکان میں دروازے کے ذریعے سے داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے جملے میں تقوٰے کا حکم دیتے ہیں جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اصل چیز تقوٰے ہے یعنی جن باتوں سے خدا تعالیٰ ناراض ہوں ان کو ترک کر دینا۔ باقی یہ مختصر رسوم۔ سو یہ کوئی چیز نہیں ہیں کیونکہ محض نفس کی مخالفت کرنے سے خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں ہوتی جیسا وہ لوگ سمجھتے تھے کہ پشت کی طرف کو جانا نفس پر شاق ہے اس لئے یہ قربت ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ آجکل کے صوفی بھی اکثر اس میں مبتلا ہیں یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس قدر نفس کی زیادہ مخالفت ہوگی خدا تعالیٰ زیادہ راضی ہوں گے اگرچہ وہ مخالفت نفس شریعت کے خلاف بھی ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں کو ضبط ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر گوشت کھا کر حرام کر لیتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کے خزانے میں اُن کے اس فعل سے ہری توفیر ہو گئی۔ اسی طرح بعض لوگ سرد پانی نہیں پیتے۔ بعضے چار پانی پر نہیں سوتے اور بعضے لوگ جن کو دولت اسلام نصیب نہیں وہ تو یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ اپنے اعضاء تک سکھلا دیتے ہیں چنانچہ ایسے جوگی سنے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنا ہاتھ سکھلا دیا۔ میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ گرمی کے ایام میں چاروں طرف آگ جلا رکھی ہے اور اس کے مزاج میں خود بیٹھا ہے گویا یہیں دکھلا رہا ہے کہ میں دوزخی ہوں۔ یہ سب جہل کی باتیں ہیں حدیث میں وارد ہے اِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْنَكَ حَقًّا وَاِنَّ لِرِجْلِكَ تِرَةً نفس کا تجھ پر حق ہے۔ اور بے شبہ تیری آنکھ کا تیرے ذمہ حق ہے اتنی مشقت نہ اٹھاؤ کہ پھر بالکل کام ہی سے جاتے رہو۔

پس معلوم ہوا کہ کوئی خاص تکلیف اپنی طرف سے اختراع کر کے برداشت کرنا تقوٰے نہیں ہے لیکن اس سے اُن لوگوں پر شبہ نہ کیا جائے جنہوں نے اپنے

نفس کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں اس لئے کہ اول تو وہ حضرت
 خدا باحت سے تجاوز نہ کرتے تھے پھر وہ بھی اس کو بطور علاج کے کرتے تھے
 عبادت اور ذریعہ قریب نہیں سمجھتے تھے ان کے مجاہدے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے
 کوئی شخص گل بنفشہ پینے لگے یا کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے برائے چندے چھوڑ دے
 کہ وہ اس دوا پینے اور ترکِ اسحمہ کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ ذریعہ حصولِ صحت
 سمجھتا ہے اور اگر کوئی اس کو ثواب سمجھ کر پینے لگے تو وہ یقیناً گنہگار ہو گا اس واسطے
 کہ اُس نے قانونِ شریعت میں ایک دفعہ کا اضافہ اپنی طرف سے کیا اور بدعت
 کے قیج کا یہی راز ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو پھر بدعت کے منع میں تعجب نہ
 ہو روزمرہ میں اس کی مثال دیکھتے اگر کوئی صاحبِ مطبع گورنمنٹ کے قانون کو
 طبع کرے اور اخیر میں ایک دفعہ کا اضافہ کر دے اور وہ ملک و سلطنت کے لئے
 بھی عید مفید ہو تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص مستوجبِ سزا ہو گا
 پس جب قانونِ دنیا میں ایک دفعہ کا اضافہ جرم ہے تو قانونِ شریعت میں ایک
 دفعہ کا اضافہ جس کو اصطلاحِ شریعت میں بدعت کہتے ہیں کیوں جرم نہ ہو گا
 تو اگر اس طرح سے کوئی گوشت وغیرہ کو ترک کرے گا تو بلاِ شبہ جرم ہو گا لیکن
 ان حضرات نے ایسا نہیں کیا بلکہ محض علاج کے طور پر ترک کیا ہے بخلاف اس وقت
 کے جہلاء کے کہ وہ اس کو دین اور عبادت اور ذریعہ قرب سمجھ کر کرتے ہیں بہر حال
 نفس کو راحت پہنچانا اور اس کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اس لئے
 شریعتِ مطہرہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ رات کو بہت
 جاگتے تھے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو روکا، آخر مقدمہ جناب
 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان صحابہ کہتے ہیں
 اور یہ ارشاد فرمایا اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا الْخ

غرض ایامِ جاہلیت میں لوگ منجملہ اور تکالیف کے ایک تکلیف اپنے نفس کو

یہ بھی دیتے تھے کہ خدا تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں کہ اصل چیز تقویٰ ہے اس کو اختیار کرو اور گھر میں پس پشت سے آنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا اور یہ گولفظاً خاص ہے ایک ہی امر کو مگر معنًا عام ہے ایسے امور کو جو اس کی نظیر ہوں وہ معنی مشترک یہ ہیں کہ جس کام کا جو طریقہ ہے اسی طریقے سے اس کام کو کرو بے طریقے نہ کرو اور یہ مضمون عام ہے لہذا آیت میں معنی تعمیم ہو گئے اور جملہ ثانیہ **وَ اتَّقُوا اللَّهَ الْخَلْقَ** سے بدلا لت مطابق ہی تعمیم ہو رہی ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو بات تقویٰ پر مبنی نہ ہوگی۔ گونظاہر او وہ موجب قربت نظر آئے وہ موجب کامیابی نہ ہوگی اور تمہارا ظہور ابواب سے بیوت میں اخلا ہونا تقویٰ پر مبنی نہیں ہے لہذا یہ بھی اس کامیابی کا سبب نہیں جو تمہارا مقصود ہے کہ رضاء حق حاصل ہو اب آیت کا مضمون پیش نظر رکھ کر اپنی حالت کو دیکھتے کہ ہم اکثر کام ایسے ہی طریقے سے کرتے ہیں جس میں کامیابی نہیں ہوتی اور مراد اس وقت دنیا کے کام نہیں کیونکہ اس کی کامیابی کے طریقہ کا تعلیم کرنا ہمارا کام نہیں ہم سے یہی بہت غنیمت ہے کہ ہم دنیا کے کام کی اجازت دیدیتے ہیں اس وقت مجھے یہ شعر یاد آتا ہے جس میں اہل دنیا کے اس انتظار کا جو کہ علماء سے کامیابی دنیا کا طریقہ بتلانے کے متعلق ان کو رہتا ہے جواب ہے کہتے ہیں ۷

نہ خبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

۷ نہ تو میں شب ہوں اور نہ شب پرست ہوں جو خواب کی کہانی کہوں جب میں آفتاب کا

غلام ہوں تو ساری باتیں آفتاب کی کہوں گا

۸ ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنسیم

جو کچھ ہم نے پڑھا ہے سب بھول گئے ہیں علاوہ حدیث یار کے کہ بار بار اسی کے دہرتے ہیں

یعنی ہم کو خدا تعالیٰ کی باتوں سے سوا کچھ یاد نہیں رہا اور ہم دنیا کی باتیں کچھ نہیں جانتے اور اگر اتنا تک جانتے تھے تو اب بھول گئے غرض اس وقت گفتگو دین کے کاموں کے متعلق ہے کہ ان میں بھی وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہونیکے

سببِ اخروی کا میانی کا سبب نہ ہو مثلاً یہی جو اوپر مذکور ہے کہ اپنے نفس کو خوب تکلیف دینا سببِ قربت کا سمجھا جائے اس پر مجھے ایک جاہل فقیر کی حکایت یاد آئی وہ یہ ہے کہ ایک عالم کے صاحبزادے گھر سے خفا ہو کر چلے گئے ایک مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں پہاڑ پر ایک فقیر رہتا ہے ان کو چونکہ دین سے مناسبت خاندانی تھی اس لئے ان کو اس فقیر سے ملنے کا شوق پیدا ہوا وہاں جا کر دیکھا کہ ایک شخص ہے جس نے ایک آنکھ پر پٹی باندھ رکھی ہے اور ناک کا ایک سونت نجاست بھری تہی سے بند کر رکھا ہے انہوں نے اس حرکت کا سبب پوچھا تو اس فقیر نے کہا کہ ناک میں گوڑ کی تہی تو اس لئے دی ہے کہ یہاں پھولوں کے درخت بہت ہیں ہر وقت خوشبو سے دماغ معطر رہتا ہے اور اس سے نفس پھولتا ہے تو میں نے نفس کا علاج کرنے کے لئے ایک طرف ناک میں نجاست کی تہی دے رکھی ہے تاکہ اس کی تکلیف سے نفس محفوظ نہ ہونے پائے اور آنکھ پر پٹی اس واسطے باندھ رکھی ہے کہ کام تو ایک آنکھ سے بھی چل جاتا ہے پھر بلا ضرورت دوسری آنکھ کو کیوں خرچ کروں یہ سنکر اس مسافر نے کہا کہ فقیر صاحب میں خود تو عالم نہیں ہوں لیکن عالموں کی صحبت میں رہا ہوں ان سے جو کچھ سنا ہے اس کی بناء پر کہتا ہوں کہ نہ تو آپ کا وضو ہوتا ہے اور نہ نماز ہوتی ہے کیونکہ ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہے وہ جگہ ہمیشہ خشک رہتی ہوگی اور یہ مانع وضو ہے لہذا آج تک کی سب نمازیں آپ کی برباد ہوئیں چونکہ وہ فقیر باقتدار نیت کے طالب حق تھا صرف جہل سے مبتلا ہو گیا تھا اس کو سنکر بہت رویا اور توبہ کی واقعی جہل بھی ہے بری چیز ہمارے سخنان بھون کا داتا ہے کہ یہاں ایک فقیر رہتا تھا بالکل جاہل اور محلے کے اکثر لوگ اس کے معتقد تھے حتیٰ کہ ہمارے نانا صاحب بھی چونکہ صلواتے فقراء سے ان کو خاص تعلق تھا وہ بھی معتقد تھے۔ غلے بھر میں صرف ایک شخص ایسا تھا کہ وہ اس فقیر کا معتقد نہیں تھا اور یہی کہتا تھا کہ جاہل آدمی کی کیا فقیری اس حرکت پر تمام اہل محلہ ان کو ملامت لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس شخص کو یہ شرارت سوجھی کہ اخیر شب میں تہجد کے وقت

کسی ذریعے سے اس فقیر کے مکان کی چھت پر جا بیٹھا اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تو نہایت دھیمی اور سُریلی آواز میں اس کا نام لے کر پکارا اُس نے اپنا نام سُنکر پوچھا کہ کون پکارتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں انجی جبریل۔ جبریل کا نام سُنکر وہ نہایت غور سے متوجہ ہوا اِنْخَابِكُ اِذَا صَلَّى يَوْمَئِذٍ اَنْتَظِرُ الْوَحْيُ جو لاہا جب دو دن نماز پڑھ لیتا ہے تو پھر ہی کا انتظار کرنے لگتا ہے، اور کہا کیا ارشاد ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ تجھے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اب تو بہت بوڑھا ہو گیا ہم کو تیری کبڑی کمر دیکھ کر شرم آتی ہے اسلئے اب ہم نے تجھ سے نماز کو معاف کر دیا یہ کہہ کر آپ وہاں سے چلے آئے اس فقیر نے جو انجی جبریل کی زبان سے پروانہ معافی سنا پھر کیا تھا وضو کا لوٹا رکھ اور سو گئے۔ اب تہجد بھی غائب صبح بھی ظہر بھی معتقدین نے جو دیکھا کہ بُرے میاں کئی وقت سے مسجد میں نہیں آئے تو بعض لوگوں کو فکر ہوئی اِدھر اِدھر تذکرہ شروع ہوا آخر گھر پر پہنچے تو دیکھا کہ اندر میں بہتیری آواز دین تو جواب نہ دار و آخر بڑی مشکل سے دروازہ کھولا بُرے میاں سے نماز میں نہ آئیے سبب پوچھا تو اول تو مارے نخوت کے آپ نے کچھ جواب ہی نہیں دیا لیکن جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ میرے پاس انجی جبریل آئے تھے وہ فرما گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تجھے نماز معاف کر دی یہ سنکر وہ شخص جو غیر معتقد تھا اور جس نے یہ حرکت کی تھی بہت ہنسا لوگوں کو اس کے ہنسنے سے شبہ ہوا کہ اسی نے یہ حرکت کی ہے۔ پوچھا تو اس نے کہا کہ دیکھ لیجئے آپ ان کو فقیر اور بزرگ بتلاتے ہیں حقیقت میں جاہل کی فقیر کیا اور جب وہ فقیر نہیں ہو سکتا تو پیر اور مقتدا تو بدجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔ ایک اور جاہل فقیر نہیں تھا نہ بھون میں تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے تفسیرِ فرمائی تھی۔ وَالصَّالِحِي وَالصَّالِحِي اِذَا سَبَّحَ لِي نَفْسٌ تِيرِي يَسِي سَجَادٌ نَرَاهُ صَاحِبُوا سَبَّ جَهْلٍ كَرْتَمِي هِي اُوْرِي نَا مَعْقُولٍ پِيٹ اس قسم کی کرتوتیں کراتا ہے زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی تمیزی نہیں رہی کہ یہ واقع میں فقیر ہے یا مکار ہے اور بعض بعض مقامات کی تو یہ حالت ہے کہ وہاں فسادِ فجار تک کے معتقد ہو جاتے

ہیں چنانچہ ایک مشہور شہر کی نسبت ایک ثقہ سے سنا ہے کہ ایک ایسے ہی نامعقول پیر کے پاس ان کا مرید بیٹھا ہے اور اس کی بیوی بھی بیٹھی ہے اور حضرت پیر صاحب اس کا منہ چوم رہے ہیں اور مرید صاحب اس پر خوش ہیں اور بیوی سے منہ نہیں کر فرماتے ہیں کہ اب تمہارا منہ بڑے رتبہ کا ہو گیا اب ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اس میں تصرف کریں میرے ایک خاندانی بزرگ اس شہر کی نسبت کہتے تھے کہ وہاں کے فقیر تو دوزخی اور امیر جنتی۔ کیونکہ امراء تو فقراء سے ان کو اہل اللہ جھک تعلق رکھتے ہیں اور فقراء ان سے دنیا حاصل کرنے کے لئے تعلق رکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیروں کو بھی جنتی کہنا مشکل ہے کیونکہ جو شخص اتنا جاہل ہو کہ اس کو فاسق اور صالح میں تمیز نہ ہو سکے وہ کیا جنتی ہونے کے کام کرے گا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ پیر کے فعلوں سے کیا کام اس کی تعلیم سے کام تو میں کہتا ہوں کہ شیطان کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے اس لئے کہ اس سے بڑا عالم اور واقف تو کوئی فقیر نہ ہو گا یہ تو عالموں سے بھی بڑا عالم ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ عالموں کو بھی علوم میں پہکا لیتا ہے اور کسی دوسرے کو کسی خاص امر میں وہی پہکا سکتا ہے جو اس سے زیادہ اس امر میں مہارت رکھتا ہو غرض جاہل کی پیروی کچھ بھی نہیں ہے۔

سراج نام جاہل جو بہت کم بود کہ جاہل جو عاقبت کم بود

دجاہل کا انجام جو بہت کم بود کہ جاہل نیک عاقبت بہت کم ہوتا ہے

چنانچہ وہ پہاڑ کا رہنے والا اگرچہ فقیر تھا لیکن بوجہ جاہل ہونے کے اس نے یہ خرافات کی کہ آنکھ پر ٹی باندھ لی کہ نفس کو شاق ہو گا اور اسی کو طاعت سمجھا۔ صاحبو اگر نفس پر مشقت ہی ڈالتا تو ریحہ قرب ہوتا تو لا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو مت تلی کرو نہ فرمایا جاتا کیونکہ یہ تو بہت بڑی تکلیف ہے اس بہت زیادہ قرب ہونا چاہئے تھا۔ غرض قرب ہوتا ہے صرف دین کا کام اس کے طریقے کے ساتھ کرنے سے اور اس میں بھی بہت سی بے تدبیریاں

نفع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کھانے کے ذریعے سے ثواب پہنچا دیا جائے تو یہاں تک تو قیاس کی گنجائش ہے اس کے بعد تو وہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا ہے کہ الامان الحفیظ کہیں حلوے کی تخصیص ہے اور کہیں مسور کی دال کی بھی قید ہے خدا جانے ان دونوں میں کیا مناسبت ہے البتہ اتنی مناسبت تو سمجھ میں آتی ہے دونوں کے متعلق ایک ایک مثل قریب المعنی مشہور ہے چنانچہ کہتے ہیں حلو اور خوردن راروئے باید۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ اس دوسری مثل کی اصل ایک دوست نے عجیب بتلائی کہ یہ منہ اور منصور کی دار یعنی منصور کے منہ سے جو انا الحق نکلا جس کے وہ دار پر چڑھائے گئے ہر منہ اس کلمہ کے لائق نہیں لیکن مشہور وہی ہے اور شہروں میں تو غضب یہ کرتے ہیں کہ ہر چیزیں رہن رکھ کر اور سودی قرض لے کر یہ رسمیں پوری کرتے ہیں۔ چنانچہ میں جس زمانے میں کانپور میں تھا ایک ماما ہمارے ہاں رہتی تھی۔ ماما کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ شب برات جو آتی تو اس نے اپنے برتن رہا رکھے اور کچھ سودی قرضہ لیا اس کے بعد اُس نے ایک جگہ کو خوب اچھی طرح لپیٹا اور حلو پکایا ایک اور طرہ بھی ہو کہ اکثر لوگ فاتحہ کے لئے بہت سے پتوں میں علیحدہ علیحدہ رکھ کر مردوں کو ثواب بخشتے ہیں اور غالباً علیحدہ علیحدہ پتوں میں رکھنے کی رسم پر زیادوں نے اس لئے نکالی ہے تاکہ پیر جی صاحب کو بہت سا ملے کیونکہ پیر جی کا حصہ ہر فاتحہ کے لحاظ سے زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے زیادہ تر مولویوں پر خفا یہی پیر جی لوگ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں بطور لطیفہ کے اس کے متعلق اپنے ناصح دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم کو چاہیے کہ عوام الناس کو ان چیزوں سے دفعہ منع نہ کرو کہ وہ بگڑتے ہیں بلکہ ان سے یوں کہو کہ تم جو پیر جی کو حصہ دے کر ان سے ثواب بخشواتے ہو یہ ثواب نہیں پہنچتا اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا ہے اجرت لے کر پڑھا ہے اور اجرت لینے کے بعد ثواب ملتا نہیں تو جب پیر جی کو خود ہی ثواب نہیں ملا تو تمہارے مردوں کو ثواب کیسے مل جائیگا اس لئے تم پیر جیوں سے پڑھا تو لیا کرو لیکن ان کو کچھ دیامت کرو۔ اور اسی طرح پیر جیوں سے بھی یہ کہا جائے کہ تم فاتحہ خوانی بھی کرو نیا نہ بھی لیکن اس پر نہ حصہ لیا کرو نہ کوئی اجرت

لیا کرو جب پیر جیوں پر مُنت تو پڑی پوری اور ملا نہیں، ایک پیسہ بھی تو دیکھ لینا
 انشاء اللہ تعالیٰ خود یہ پیر جی ہی بہت جلدی اس کو حرام کہنے لگیں گے اور
 بدعت کا فتوے لگا دیں گے کیونکہ ان کے نزدیک اس کام سے زیادہ بدعت کیا
 ہو گا جس کو دن میں دس دس دفعہ کرنا پڑے اور ایک پیسہ بھی نسلے اِقْرَاءِ سُنَّیْتِ
 کا منشاء تو صرف یہ تھا کہ کچھ وصول ہو جاتا تھا اور وصول ہونے ہی کے لئے
 زیادہ تر ان لوگوں نے اپنی ہوشیاری سے ایصالِ ثواب کے ایسے طریقے ایجاد کئے
 ہیں جن کو سوائے ان کے دوسرا عامی آدمی جان ہی نہیں سکتا کہ اول قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہو پھر
 تَبَارَكَ الَّذِیْ ہو پھر یہ ہو اور پھر وہ ہو اور بعض سورتوں پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے
 اور بعض پر نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس کو مولوی بھی نہیں جانتے تو چونکہ یہ طریقہ
 وہی لوگ جانتے ہیں اس لئے مجبوراً سب عوام ان کے محتاج ہو کر انھیں کے پاس جاتے
 ہیں اور اس طرح سے ان کو ملتا ہے اور پھر غضب یہ کہ یہ لوگ اس میں اور بھی بڑی
 بڑی چالاکیاں کرتے ہیں۔ ایک سب انسپکٹر مجھ سے کہتے تھے کہ میرا کسی تھانہ میں تھا کہ
 میرے پاس ایک شخص یہ رپٹ لکھوانے آیا کہ کوئی آدمی میری فاتحہ چہرا کر لے گیا
 میں سخت پریشان ہوا کہ فاتحہ چرانے کے کیا معنی اس شخص سے پوچھا تو اس نے کہا
 کہ موقع پر چہرے آخر موقع پر جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک نکلی میں پیر جی ایک
 سال کے لئے فاتحہ پڑھ کر بند کر جاتے ہیں اور کہہ جاتے ہیں کہ جب ضرورت ہو اس
 میں سے تھوڑی سی جھاڑ لینا فی نکلی دو روپیہ ان کا مقرر ہے اتفاق سے کسی شخص کے پاس
 روپیہ تھا نہیں اور اس کو فاتحہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے اس شخص کی نکلی
 چرائی۔ اس سے بڑھ کر ایک حکایت حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سناتے
 تھے کہ کسی مسجد میں ایک ملا رہتا تھا سب لوگ اسی سے فائدہ وغیرہ دلاتے تھے ایک مرتبہ
 ایک بڑھیا کھانا لے کر آئی اتفاق سے ملاجی اس وقت مسجد میں موجود نہ تھے ایک مسافر
 بیٹھا ہوا تھا وہ یہ سمجھ کر کہ مقصود تو ثواب ہے چلو مسافر ہی کو دے دو اس کو کھانا
 دیکھو جلی مسجد کے دروازے سے نکلی ہی تھی کہ ملاجی مل گئے پوچھا کہ بڑھیا کیسے آئی

تھیں اس نے سب واقعہ کہہ دیا آپ فوراً مسجد میں آئے اور ایک لاکھی لے کر تمام سچے کے فرش کو خوب پینا اور غل مچانا شروع کیا اور پیٹتے پیٹتے تھوڑی دیر میں دھم سے مسجد کے فرش پر گر گئے لوگوں نے جو غل شور سنا تو سب آکر جمع ہو گئے پوچھا کہ ملاجی کہا ہوا کہنے لگے کہ بھائی میں تو مدت سے یہاں رہتا ہوں سب مُردوں سے واقف ہوں انہی کو ثواب بخش دیتا تھا یہ نیا آدمی ہے خدا جانے اس نے کس کس کو ثواب بخش دیا یہاں کے سب مُردے مجھے آکر لپٹ گئے میں نے ان کو بہت کچھ بھگایا لیکن میں تنہا تھا کہاں تک لڑتا آخر تھک کر گر گیا اگر دو چار دفعہ ایسا ہوا تو میں تو مر ہی جاؤں گا اسلئے اور کہیں جاتا ہوں لوگوں نے کہا کہ ملاجی آپ کہیں نہ جائیے ہم آپ ہی کو ہر چیز دیا کریں گے تو جب بنا ان رسوم کی یہ اغراض ہیں تو جب فاتحہ کی عوض ان کو کچھ نہ ملیگا تو الگ الگ پستہ پرفا تحہ پڑھنا ان کو خود ہی مشکل معلوم ہوگا اور اس طرح بہت جلد اس کا انسداد ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ایک علامت ہے ان رسوم کے زائد علی الدین ہونے کی کیونکہ اصل چیز منجانب اللہ ہر حالت میں محفوظ رہتی ہے چنانچہ جس زمانے میں طاغون کی کثرت ہوئی ہے تو تہجد و سواں وغیرہ سب چھوٹ گئے صرف وہی چیزیں باقی رہ گئی تھیں جو شرعاً ضروری تھیں بعض لوگوں سے جو میں نے کہا کہ اب وہ رسوم کیوں نہیں ہوتیں تو کہنے لگے کہ صاحب کس کس کی رہیں کریں یہاں تو روز تہجد ہی رہتا ہے میں نے کہا دیکھو اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ امور محض زائد ہیں ورنہ اس کثرت موت میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی مُردے کو بغیر کفن دینے اور بلا نماز پڑھے دفن کر دیا ہوا اور تہجد و سواں بہت لوگوں کا نہیں ہوا غرض یہ کہ دین کے کاموں میں بھی عجیب عجیب طریقے ایجاد کئے ہیں جن سے مقصود دین کا میا بی یعنی رضا و حق بمرہل بعید ہے۔

چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ موقع بھی ہے کہ آج کل قحط کے آثار معلوم ہوتے ہیں سو اس کے متعلق بعض تو تدبیر ہی نہیں کرتے بلکہ شغل کے طور پر محض تذکرے ہی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ نراتاسف کچھ بھی مفید نہیں ہے۔

عرفی اگر یہ گریہ میسر شد سے وصال صد سال می تو اں بہ تمنا گریستن

دلے عرفی اگر رونے سے وصال (محبوب) میسر ہو جائے تو اس تمنا میں سو سال روایا جاسکتا ہے اور اگر یہ سمجھ کر کہ اس کا سبب معاصی ہیں اور معاصی کا کفارہ طاعات سے ہوتا ہے پس کوئی طاعت اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس سے مقصود میں کہ رفع سخط حق و دفع بلا ہے کامیابی ہو یہ سمجھ کر اس مقصود کی تدبیر کی تو اس کی تعیینیں میں غلطی کی یعنی یہ کیا کہ بہت سا اناج اکٹھا کر لیا اور تنور میں روٹیاں پکڑا کر تقسیم کر دیا گویا اس سے میکائیل علیہ السلام کے محلے کو خرید لیں گے اور کبھی اس کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو دو جواب ملتے ہیں ایک تو یہ کہ دیکھنے ایک نیک کام سے روکتے ہیں۔ صاحبو! اگر کوئی شخص ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھنے لگے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے آخر پانچویں رکعت بھی تو نماز ہی ہے اسی طرح اگر کوئی طبیب پانچ ماشہ گل بنفشہ تجویز کرے تو وہ س ماشہ استعمال کرنے سے کیوں رکتے ہو زائدہ ماشہ بھی تو گل بنفشہ ہی ہے اس کے بھی تو وہی خواص ہیں۔ صرف اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ یہ تحدید طبی سے زائد ہے اور تحدید سے آگے بڑھنا ممنوع ہے پس تحدیدات شریعت کی آپ کے نزدیک اتنی وقعت بھی نہیں ہے جب پانچویں رکعت کا پڑھنے والا اسلئے بدعتی ہے کہ وہ حد مقرر سے آگے بڑھ گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر نیک کام کرنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے بلکہ اس شرط سے اجازت ہے کہ حدود کے اندر ہو اور اگر تم کو حدود کی اطلاع نہیں ہے تو تم کو اس کہنے کا کیا مجاز ہے کہ یہ نیک کام ہے اور یہ بدعتی حق علماء کا ہے یا انبیاء علیہم السلام کا تھا کم علم یا بے علم لوگ علماء کے سامنے معامل شریعت میں ایسے ہی ہیں جیسے کسی وکیل کے سامنے ایک دیہاتی آدمی۔ جس طرح ایک دیہاتی کسی وکیل کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کر لینے میں کیا حرج ہے اسی طرح آپ کو بھی یہ حق نہیں اور جس طرح وہ ہر کام میں وکیل سے مشورہ کر لیا محتاج ہے اسی طرح آپ بھی ہر مذہبی کام میں علماء سے مشورہ کرنے کے محتاج ہیں پس طریقہ اس کا یہ ہے کہ جو کام کرو اور اول علماء سے مسئلہ پوچھ لو اور اگر کوئی عالم شفیق بھی ہوں تو ان سے

دوبھی پوچھ لو اور اگر وجہ نہ بتلاؤ تو سعادتمندی یہ ہے کہ اس کو اپنے فہم سے باہر سمجھ کر خاموش رہو اور اگر بیان کر دیں تو ان کا احسان سمجھو۔ اور بعض لوگ اس سے بھی چلتا ہوا ایک دوسرا جواب دیا کرتے ہیں وہ یہ کہ کیوں صاحب؟ یہ آجتک ہوتا چلا آیا ہے کیا یہ کرنے والے سب بیوقوف ہی تھے صاحبو! یہ سب عامیانا باتیں ہیں۔ اب اپنی اس رسم کی حقیقت ابتداء سے سمجھئے۔ سب سے پہلے اناج وصول کرنا شروع کیا جانا ہے یعنی دو آدمی اٹھے اور گھر گھر جا کر انھوں نے کہنا شروع کیا اور لوگوں نے جمع کر دیا۔ سو دیکھنا یہ ہے کہ یہ اناج لوگوں نے خوشی سے جمع کیا ہے یا محض ان کے لحاظ اور دباؤ سے کہ جب یہ مانگنے آئے ہیں تو ان کو خالی کیا جانے دین جس نے لوگوں کی حالت میں کچھ بھی غور کیا ہو گا یا کم از کم اپنی حالت میں غور کیا ہو گا کہ ہم نے خوشی کر دیا یا محض لحاظ سے اگر نفس اناج تو خوشی سے دیا ہے تو یہ مقدار خاص پانچسیر یا دس سیر خوشی سے دی یا لحاظ سے تو خوب اندازہ کر لیا کہ اگر محض آنے والے کے لحاظ سے یا محلے میں بدنامی کے خیال سے دیا جاتا ہے یعنی چونکہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر نہ دینگے تو تمام محلے والے ہم کو کجھوس فیکر کریں گے اور یہ مانگنے والے بدنام کرتے پھر میں گے اس لئے بجزوری دیدیا جاتا ہے اور اس کی نسبت حدیث شریف میں مفرح ہے **أَلَا لَا تَجَلَّ مَالٌ أَمَّا لَا يَطِيبُ نَفْسٍ مِّنْهُ لِعِزِّهِ** کسی کا مال بدون اس کی خوشدلی کے لینا حرام نہیں ہے اور اگر ایک دو مثالیں ایسی بتلا بھی دو کہ فلاں شخص نے خوشی سے دیا تو نہ زیادہ سے زیادہ چار من میں چار سیر حلال نکلیگا باقی سب حرام اور حلال و حرام کا مجموعہ جب کہ حرام غالب ہو جیسا کہ غالب یہی ہے حرام ہوتا ہے اور اگر اب بھی سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کیجئے کہ جس محلے سے آجتک وصول نہیں کیا ہو اس میں ایک اعلان عام کر دو کہ اس کام کے لئے اناج جمع کیا جا رہا ہے اور اعلان کر کے ایک کوٹھی کسی موقع پر رکھ دو اور اس میں تفل لگا دو اور کہ دو کہ چار دن کے بعد جس قدر اناج آسے جمع ہو جائے گا اس کو پکا کر تقسیم کیا جائے گا پھر پانچویں دن اس کوٹھی کو کھول کر دیکھو انشاء اللہ ایک چوتھائی اناج اس میں نہ ہو گا۔ اس سے اندازہ ہو جائیگا کہ طیب خاطر سے کتنے لوگ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے پاس رکھا بھی گیا!

کہ وہ خوشی سے اتنا دیکھیں ان بیچاروں کو خود بڑے کھانیکو ملتا ہی نہیں دوسروں کو کہاں سے دینگے تو سب سے اول تو یہ لغو حرکت کی جاتی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اگر پانی بسنے والا بھی ہو تو نہ برسے کیونکہ ایک تو گناہ دوسرے حق العبد دوسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے خوشی سے بھی دیا ہے انہوں نے اپنا مال دیا ہے یا دوسرے کا اور اگر دوسرے کا مال دیا ہے تو اس کی اجازت سے دیا ہے یا بلا اجازت کیونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ میاں کا مال بغیر اجازت بیوی نے دیدیا اور شوہر سنکر بھڑکی خاموش رہا اور بعض جگہ کراہت کا اظہار بھی کر دیتا ہے چنانچہ کانپور میں ایک مرتبہ مدرسہ میں جلسہ ہوا ایک صاحب کے گھر سے بعض حقہ باز مہاتوں کے لئے حقہ منگایا گیا۔ بیوی نے شوہر کا مراد آبادی حقہ بھیج دیا شوہر کو جو خبر ہوئی تو انہوں نے بیوی کو خوب پیٹا اور اگر اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تو انتظار کیجئے تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ خود سمجھا دیں گے یعنی بعد موت کہ سب حقائق منکشف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ناز کے پینے کا وقت آتا ہے اسیں وہ گڑ بڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ کیا ایسا ہوتا ہے کہ پیسے والی نہیں ملتی تو روٹوں سے کام لیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے سے چاروں کو بیگار میں پکڑ کر ان سے پسوایا جاتا ہے اور اگر ان کو پسائی دی جاتی ہے تو بہت ہی کم اور اگر پوری ہی دی تب بھی تو کسی سے کام لینا بلا رضا مندی حرام ہے اس کے بعد اس کے پکانے کا وقت آتا ہے پکوانے کے منتظم اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کو خدا کا خوف نہ حلال و حرام کی پر فائیتجہ یہ ہوتا ہے کہ اندھا بانٹے شیرینی اپنے اپنوں کو دے یا جس کو جی چاہا دیا جس سے چاہا انکار کر دیا اکثر بھنگی چار چار یا اس کھانے کی مستحق سمجھی جاتی ہیں اور چیلین گوشت کی مقدار سمجھی جاتی ہیں اور ویسے مریض کے لئے صدقہ دینے میں بھی چیلوں کے کھلانے کی رسم ہے اور شہر میں میں ہم نے صدقے کے متعلق بعض خاص رسوم دیکھی ہیں یعنی وہاں اکثر لوگ مسلم ماش اور تیل اور پیسے تقسیم کرتے ہیں اور اکثر بھنگیوں کو دیتے ہیں اس کی وجہ غور کرنے سے یہ سمجھ میں آئی کہ عوام الناس بلا کوکالی سمجھتے ہیں اسلئے چھانٹ کر کالی کالی چیزیں

دیتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے بلا دفع ہوگی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کھانوں کا حقد
بھنگیوں اور چاروں کو بچھا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی اکثر کالے ہوتے ہیں گویا جب
وہ کھائیں گے تو ساری بلا ان کے پیٹ میں چلی جائیگی مگر وہ ایسے بلا نوش نہیں کہ ان
کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا اکثر ایسے نوگ بھی اس کھانے کو بجاتے ہیں جو خود بھی خوشحال
ہوتے ہیں چنانچہ ہمارے محلہ میں ایک مرتبہ کھانا پکا تھا ایک بڑے میاں کو میں نے
دیکھا کہ کھانا لے ہوئے چلے آ رہے تھے میں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہنے کے کر یہ کھا
ذرا مزیدار ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جناب آپ کو لینا جائز نہیں تب ان کی سمجھ میں آیا
اور ان بے عنوانیوں کے سبب میں تو ایسے کھانیکو کسی کے لئے بھی پسند نہیں کرتا
ایک مرتبہ ہمارے مدرسے کے طالب علموں کی بھی دعوت کی گئی تھی لیکن میں نے اسکو
منظور نہیں کیا کیونکہ یہ جائز نہیں ہے غرض آجکل چندوں کے جمع کرنے میں اس قدر
بے عنوانیاں ہوتی ہیں جس سے اکثر چندے نا جائز ہو جاتے ہیں اکثر مدارس کے چندوں
میں بھی اس کا خیال نہیں کیا جاتا اور پھر اپنی اس حرکت پر نخر کیا جاتا ہے کہ ہم نے خوب
خوب کوشش کی۔ کوشش یہ کہ خوب چمٹ کر وصول کیا اور بڑے خوش ہوتے
ہیں کہ ہم نے دین کے کاموں میں کوشش کر کے خدا کے مقرب ہو گئے۔ صاحبو! خدا
تعالیٰ نے کب کہا تھا کہ تم لوگوں کو چمٹ کر اور پریشان کر کے وصول کرنا اور
ہمارے حکموں کو چھوڑ دینا۔ بعض لوگ اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ صاحب
ہم نے اپنے لئے تو نہیں کیا خدا کے کام کے لئے کیا ہے۔ صاحبو! یہ غدر گناہ بدتر
از گناہ ہے اگر اپنے لئے کرتے تو خیر کچھ تو ملتا دنیا ہی سہی اور اب تو سولے گناہ کے
کچھ بھی نہ ملا اور یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو محض دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں
اور جو لوگ اپنے نفس کی کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ان کا تو ذکر ہی
کیا ہے۔ پس ازالہ قحط کی یہ تدابیر نہیں ہیں۔ تدبیر اس کی اور ہے اور وہ ایک ضروری
امر کے معلوم کرنے پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ ہر مصیبت کا ازالہ اس وقت ہو سکتا
ہے کہ جب اس مصیبت کا سبب دریافت ہو جائے پھر اس سبب کو دور کر دیا جائے۔

لہذا اس موقع پر بھی اول بارش ہونے اور ہونے کے اسباب دریافت کیے جائیں اور پھر ان کو زائل یا حاصل کریں۔ سو بارش ہونیکا سبب غیر تمام قوم مشیت ہے اور سبب تمام سبب تمام مشیت۔ اور بارش ہونیکا سبب غیر تمام طاعت ہے اور سبب تمام مشیت یعنی طاعت کو بارش ہونے میں اور گناہ کو بارش نہ ہونے میں عمل ہے چنانچہ ارشاد ہے فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّ كَانَ عَفْوَ رَاہِ یُرْسِلُ السَّحَابَ عَلَیْكُمْ مِدْرَارًا قَرِیْمًا ذُكْرًا بِأَمْوَالٍ وَبَنِیْنٍ ؕ (تو میں نے کہا گناہ بخشو اور اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑ دے آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھتی دے تم کو مال اور بیٹوں) یہ اگرچہ خاص قوم کو خطاب ہے اور ان ہی سے یہ وعدہ بھی تھا اور یہ اس لئے کہہ دیا کہ اگر استغفار کے بعد بھی بارش نہ ہو تو خدا کے کلام کو غلط نہ سمجھو لیکن عام استغفار کا دخل تو اس میں معلوم ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے وَكَوْنَتْهُمْ اُمَّمًا مُّقْتَدًا لِّمَنْ كَفَرْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَیَا اَرْضِ رَاوِرِ اِذَا رَوٰی وَیَا حِطَّةِ تَوَّابًا ہم کھو لیتے ان پر خوبیاں آسمان اور زمیں سے یہاں بھی ایک خاص قوم کی نسبت ارشاد ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کے لئے ایسا ہی ہوتا عام وعدہ قطعی نہیں ہے لیکن ایمان اور تقویٰ کا اس فتح برکات میں دخل تو ضرور ثابت ہوا اور تیسری جگہ ارشاد ہے وَكَوْنَتْهُمْ اُمَّمًا مُّقْتَدًا لِّمَنْ كَفَرْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَیَا اَرْضِ رَاوِرِ اِذَا رَوٰی وَیَا حِطَّةِ تَوَّابًا مِّنْ فَوْقِهِمْ ذُرُّهُمُ تُسْقٰتُ وَرِجَالُهُمْ عَلٰی رِجَالِهِمْ اِذَا رَوٰی وَیَا اَرْضِ رَاوِرِ اِذَا رَوٰی وَیَا حِطَّةِ تَوَّابًا ان کو ان کے رب کی طرف سے تو کھائیں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے یہ آیت بھی اسی قبیل کی ہے اور جو آیتیں ایسی ہیں کہ ان میں وعدہ عام معلوم ہوتا ہو وہاں بھی دوسری آیات کے انضمام سے تفسیر بالمشیت ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں فَاِذَا رَوٰی سَعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَاءَ (پھر کھول دیتا ہے جس پر پکارتے تھے اگر چاہتا ہے) تو جہاں وہ بھی ہے وہ تفسیر بالمشیت ہے نیز اس آیت اخیرہ سے جیسے یہ بات معلوم ہوئی کہ طاعت سبب غیر تمام ہے چنانچہ فَاِذَا رَوٰی سَعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَاءَ پر مرتب فرمایا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مشیت سبب تمام ہے تو تدبیر بارش ہونیکی یہ ہوتی کہ موانع کو مرتفع کیا جائے

اور بوعث کو پیدا کیا جائے یعنی دونوں پہلووں پر نظر کر کے ایک دستور العمل مقرر کریں اور وہ یہ کہ گناہ کو بالکل ترک کر دیں اور طاعت کو پوری طرح اختیار کریں۔ یہ تو سبب غیر تام کا رفع اور اس کا ساتھ تشبث ہوا۔ رہا دوسرا سبب یعنی خدا تعالیٰ کا چاہنا کہ بارشیں نہ ہو سو اس کی وہ تدبیر کر جس سے خدا تعالیٰ چاہیں اور یہ بات اگرچہ ہمارے قبضہ میں نہیں ہے لیکن ہم کو اس کا طریقہ بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کی جائے کہ آپ مشیت کو متعلق فرما دیجئے اور یہ ضرور نہیں کہ اس عنوان سے درخواست ہو بلکہ یہ دعا کرنا کہ اے اللہ بارشیں عطا فرما اس کا حاصل وہی درخواست مشیت ہے کیونکہ مشیت موقوف علیہ ہے اور موقوف کی دعا موقوف علیہ کی دعا ہے تو حاصل ساری تدبیر اور دستور العمل کاتین عمل ہونے ایک تو گناہ نہ کرنا کہ اس میں ہم لوگ بہت زیادہ مبتلا ہیں اور پھر ظلم یہ ہے کہ طرح طرح کے گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ہم اپنے کو بالکل پاک صاف سمجھتے ہیں حالانکہ ہمارے سلف کی یہ حالت تھی کہ باوجود بالکل پاک ہونے کے بھی وہ اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدت میں قحط پڑا لوگ اُن کے پاس دعا کرنے کے لئے آئے تو اپنے فرمایا کہ امساک باراں گناہوں کے سبب ہوتا ہے اور سب سے زیادہ گنہگار شہر میں ہیں بلکہ اُنجا مجھے شہر سے نکال دو تو بارش ہو جائے گی اور یہی نہیں کہ محض زبانی کہدیا ہو بلکہ آپ اُس شہر سے چلے بھی گئے ہم لوگ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن ہم کو کبھی وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اعمال کی شامت ہے حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان یہ تھی کہ قدامی علی رقاب کل ولیاء اللہ اُن کا مقولہ ہے ان کی وہ حالت تھی جو شیخ نے گلستان میں نقل کی ہے کہ

ع قال العارف الشہروردی ثابہ قال فی حالۃ التضرک وقال بعض العلماء انہ قالہ باللاہام من اللہ عزوجل والاقرب الی سیرتہ هو الاول واللہ اعلم لیکن من ثبت فضلہ علیہ فہو مستثنی من ذلک والکشف لطنی فانہم احمد بن سہلی عمق عنہ

وہ یہ کہہ رہے تھے۔

من نگویم کہ طاعتہم بپذیر تسلیم عفو برگناہم کش؛

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت کو قبول فرما لیجئے اسلئے کہ میرے پاس طاعت ہی کہاں ہے صرف یہ التجا ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور آپ کے اس قول میں قدم علی رقاب کل اولیاء اللہ اگرچہ اختلاف ہے کہ تمام اولیاء اللہ مراد ہیں یا اس زمانہ کے اولیاء اللہ لیکن دوسری شق میں بھی کچھ کم فضیلت ثابت نہیں ہوتی تو جب یہ حضرات اپنے کو ایسا کہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اپنے کو جنیدِ رحمتہ اللہ علیہ، وقت سمجھیں اور اگر جنید ہی سمجھیں تب بھی اپنے کو گنہگار سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ جنید تو اپنے کو بہت بڑا گنہگار سمجھتے تھے۔ مگر ہمارا تقویٰ کچھ ایسا ہے جراث کہ فسق و فجور سے بھی نہیں جاتا کچھ بھی کریں مگر پھر بزرگ کے بزرگ ہمارے تقویٰ کی وہ حالت ہے کہ جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ بی بی تمیزہ کا ایک قصہ مشنوی میں لکھا ہے کہ یہ ایک عورت فاحشہ تھی کسی بزرگ نے اس کو نصیحت کی اور نماز پڑھنے کی تاکید کی اور وضو بھی کرا دیا اس نے نماز شروع کر دی ایک مدت کے بعد جو ان بزرگ کا وہاں کو گذر ہوا تو بی بی تمیزہ بھی ملیں۔ انہوں نے پوچھا کہ بی نماز بھی پڑھا کرتی ہو کہنے لگی جی ہاں پڑھتی ہوں۔ انہوں نے کہا اور وضو بھی کرتی ہو کہنے لگی کہ آپ نے اس روز کرا نہیں دیا تھا۔ صاحب مشنوی نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ہم لوگوں کا تقویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ نہ وہ زنا سے ٹوٹتا ہے نہ اور کسی فعل سے اسی طرح ہم لوگ اپنے ایسے معتقد ہیں کہ کوئی عیب ہی نہیں نظر آتا البتہ دوسرے پر طعن کرنے میں خوب پختہ ہیں۔ کیوں صاحبو! کیا ہم کو گناہوں کے معاف کرائیگی ضرورت نہیں ہے جو اس کو چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے پڑ گئے کیا ہم آنکھ ناک کان ہاتھ پیر کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہیں کیا ہمارے ذمہ حقوق العباد نہیں ہیں کیا ہم میں بہت لوگوں نے دوسروں کی زمین نہیں دبا رکھی کیا بہت سے لوگ زمین کی مورد وثیت کے مدعی ہم میں نہیں ہیں باوجود اس کے پھر ہم میں بعضے لوگ

بارش نہونے پر یا کسی دوسری بلا آنے پر تعجب کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم کس گناہ میں پھڑے گئے۔ صاحبو! آپ کو تو اس پر تعجب ہونا چاہیے کہ ہم کو جو دو وقت روٹی ملجاتی ہے یہ کونسی طاعت سے ملتی ہے اس واسطے کہ باغیوں کو تو روٹی نہیں ملا کرتی۔ غرض ایک تدبیر تو یہ ہے کہ یہ سارے گناہ چھوڑو اور دوسری تدبیر یہ ہے کہ طاعت کو اختیار کرو جن لوگوں کے ذمے زکوٰۃ واجباً ہے وہ زکوٰۃ دیں جن پر حج فرض ہے وہ حج کریں اور پختہ قصد کر لیں کہ انشاء اللہ عید سے اگلے دن ندر حج کو چلے جائیں گے بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ سالہا سال سے ان کا ارادہ حج کا ہے لیکن آج تک پورا ہی نہیں ہوا آتے دن کوئی نہ کوئی بہانہ ان کو لگا رہتا ہے کسی نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہے کہ

ہر شبے گویم کہ فردا ترکس سوداکنم باز چوں فردا شود امر وز را فرداکنم
 اور تیسری تدبیر یہ ہے کہ دعا کریں لیکن دعاؤ کے یہ معنی نہیں کہ جماعت میں سے کسی ایک نے پکار دیا کہ بارش کے لئے دعا کیجئے اور دوسرے نے کہدیا کہ اے اللہ باران رحمت نازل کیجئے حالانکہ نہ دل میں درد ہے نہ قلب کو توجہ ہے بلکہ دعا اس طرح کرو کہ پوری طرح دل اوجھ متوجہ ہو اور دل میں درد بھرا ہوا ہو اور اگر درد اختیار میں نہیں ہے تو توجہ کرنا تو اپنے اختیار میں ہے اور کم سے کم اس قدر توجہ تو ہو جس قدر حکام سے التجا کرتے وقت ہوا کرتی ہے صاحبو جو دعا توجہ سے کی جاتی ہے وہ اکثر قبول ہوتی ہے اور اکثر محض احتیاطاً کہا ورنہ اصل یہ ہے کہ

عاشق کہ شد کہ یاز بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست و گرنہ طیب ہست
 جس عاشق کے حال پر دوست کی نظر نہ ہو اے خواجہ کہ اسکے دل میں درد نہیں ہے ورنہ طیب تو ہوجم
 طیب کے ہونے میں شک نہیں مگر درد ہی نہ ہو تو کیا کریں اور دعا کرنے کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ہر نماز کے بعد دعا کیا کرے دوسرے یہ کہ فرض نمازوں کے علاوہ ہر شخص کچھ نفلس بھی پڑھ لیا کرے اور ان کے بعد دعا کیا کرے تیسرے

یہ کہ سب مل کر کسی جنگل میں جمع ہوں اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ سے دُعا کریں ان میں سے جو آسان معلوم ہو اس کو کر لیں پس تدبیر یہ ہے نہ وہ جو کہ لوگوں نے اختراع کی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کلام ان سب تدابیرِ مذکورہ کو شامل ہے اور مولانا نے اسی کو نظم بھی کیا ہے۔

اَطْلُبُوا الْأَمْزَاقَ مِنْ أَسْبَابِهَا وَأَدْخُلُوا الْأَبْيَاتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

(روزِ روزی کے اسباب کے ذریعہ تلاش کرو اور گھروں میں اُن کے دروازے

سے داخل ہو)

جس کام کو کرو اس کے دروازے سے کرو اور دروازہ ہر کام کا وہی ہے جو اس کا اصلی طریقہ ہے یہ تو حاصل تھا وَأَدْخُلُوا الْأَبْيَاتَ مِنْ أَبْوَابِهَا کا۔ آگے خدا تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے اگرچہ یہ جملہ بھی قاعدہ کلیہ تھا مگر وہ مقاصد پر مطابقتِ دلالت نکرتا تھا اور یہ مطابقتِ دلالت کرتا ہے فَمَا تَمَّ بِمَنْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام کرو اس میں یہ دیکھ لو کہ ہم خلاف شرع تو نہیں کرتے یعنی دین کا جو کام کرو اس کا تو طریقہ کامیابی بھی دیکھ لو اور دنیا کا جو کام کرو اس میں صرف اتنا دیکھ لو کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ یہ مضمون حالت موجودہ پر نظر کر کے نہایت ضروری تھا اسلئے اس کو اس حالت کے ساتھ بالتخصیص بیان کر دیا گیا باقی ہے یہ ایسا امر کہ اس کو ہر وقت ہر کام میں پیش نظر رکھنا چاہیے البتہ طاعت میں علاوہ طاعت عامہ مذکورہ سابقہ کے خصوصیت کے ساتھ رفعِ قحط کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کچھ صدقہ دیدیا جائے کیونکہ صدقے کو خدا تعالیٰ کے غصے کے دور کرنے میں بہت دخل ہے اور اس صدقے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں وقت اپنے گھر میں سے ایک ایک روٹی غریبوں کو دیدو یا جس قدر توفیق ہو۔ یہ آسان بھی ہے اور ہمیشہ جاری بھی رہ سکتا ہے یا جو لوگ صاحبِ وسعت ہیں وہ ایک ایک خوراک دونوں وقت مقرر کر دیں اس میں غلہ بھی خرچ ہو جائیگا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں اخفاسے صدقہ کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس طرح صدقہ کرو کہ لاہنا ہاتھ دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی نیک کاموں سے منع کرتے ہیں۔ صاحبو! منع نہیں کرتے بلکہ تمہاری چیزوں کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں اور تم کو ان کے صرف کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ اس طرح کرو تا کہ ٹھکانے لگے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو توفیق عمل دے۔ اور ہمارے (اور ناسشر عبدالمنان کہ) گناہوں کو بخش دے اور بارانِ رحمت نازل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین تمت بالخیر

یہ کتاب جس کے پاس ہو تو گویا اس کے ساتھ ایک چلتا پھرتا مولوی ہے
معلم الحجاج جن مسلمانوں کا ارادہ حج کا ہو۔ آج ہی سے اس کا مطالعہ کرنا شروع
 کر دیں تاکہ تمام مسائل حج اور دعائیں اور طریقے یاد ہو جاویں اور عین وقت پر فریضہ حج ادا
 کرنے میں سہولت مہیے اور کوئی غلطی نہ ہو جاوے اس کتاب میں حج کے ہزاروں مسئلے اور باتیں
 اور دعائیں اور طریقے سب درج ہیں۔ -/15 علاوہ خرچہ لاکھ

اس کتاب کے جملہ مضامین حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
شریعت اور طہارت قدس سرہ کے افادات کا انتخاب ہیں اس میں شریعت، طہارت،
 حقیقت، معرفت، بیعت، اخلاق، مجاہدات، اذکار، اشغال، مراقبات، احوال، توجیہات،
 تعلیمات، مسائل مع دلائل وحقائق، سالک کے لئے طریق عمل مندرج ہیں جو قرآن مجید،
 احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تصانیف علماء محققین و اولیاء کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے
 اس کتاب کا ہر مسلمان کے پاس ہونا ضروری ہے۔ -/21 ڈسٹ کور علاوہ ڈاک خرچہ

اس میں حضرت حکیم الامتہ کی سوانح عمری ان کے علمی و روحانی کمالات ان کے مجددانہ کارناموں
حیات اشرف اصول تربیت و سلوک عارفانہ نکات زریں اقوال اور دنیا و آخرت کے سنوارنے
 کا لائحہ عمل آگیا ہے اس کتاب کا مطالعہ ایک شیخ کامل اور شفیق مری کی صحبت کا فائدہ عطا کرے گا۔ اس

نمت سے ہر مسلمان کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قیمت -/15

ملنے کا پتہ مکتبہ تھانوی بند روڈ کراچی ۱

قَالَ هُوَ الَّذِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْنَا وَبَلَّغَنَا عَنِّي وَلَوْ أَنِّي دَخَلْتُ
رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

دَعَوَاتُ عَبْدِ بَيْتِ جَلْدِ نَجْمِ

آكُطُوهَا وَعَظْ مَلَقَبُ بِهِ

فَضْلُ الْعَالَمِ لِعَالِمِ

مَنْجَمَةُ ارشادات

حَكِيمُ الْأُمَّةِ مُحَمَّدُ الْمَلَّةُ شَيْخُ مَوْلَانَا مُحَمَّدُ شَرِيفُ عَلِيٍّ صَانِعُهَا نَوِي رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

نَاشِرُ

مُحَمَّدُ عَبْدِ الْمَنَّانِ عَفْرَةُ

مَكْتَبَةُ تَحْقِيقِ نَوِي دَفْتَرُ الْإِبْتِقَامِ

مَسَا فِرْخَانِ بِنْدِ رُوڈ - کراچی

دعواتِ عبدیتِ جلدِ پنجم

اکھوال و عظم ملقب بہ

فصل بعلم و عمل

نہ	مستی	کلمہ	کیفیت	ماذا	من ضابطا	المستعملون	اشتمات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کیسے ہوا	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سائین کی تعداد	متفرقات
دارالطلبہ	شب	۲۰	کثرت ہو کر	فلاح رموی کا پتہ	سعید احمد	تقریباً	ۛ
مدرسہ	۲۴ ربیع	گھنٹہ	ۛ ۛ	بھی اطا احکام	صاحب	۱۰۰۰-آدی	ۛ
مظاہر العلوم	۱۳۳۰ھ	ۛ	ۛ	برج بعض قوالہ	تھانوی	ۛ	ۛ
سہارنپور				مناسب بل علم			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله بحمده نستعينه ونستغفده ونؤمن به ونتوكل عليه
 ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل
 له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له
 ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه و
 على آله وأصحابه وبارك وسلم أما بعد فقد قال الله تبارك وتعالى
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا لِفِيهِ

لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا
 اَوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ جس آیت کی تلاوت اس وقت
 کی گئی ہے ہر چند کہ اس میں ایک خاص مضمون ایک خاص مقام کے متعلق بیان کیا گیا ہے
 یعنی اس میں ایک خاص عمل کا حکم ہے ایک خاص حالت میں۔ لیکن اُس پر جس ثمرے
 کو مرتب کیا گیا ہے اس کے مبنیٰ پر نظر کرنے سے ایک عام قاعدہ پیدا ہوتا ہے جس کے
 مستحضر رکھنے کی ہر وقت ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔ بالخصوص اس زمانے میں کہ علی العموم
 لوگوں کے خیالات منتشر ہیں اور اہل الرائے میں سے ہر شخص کی ایک جداگانہ رائے ہے۔ اسی لئے
 اس وقت اس آیت کو اختیار کیا گیا ہے ترجمے سے وہ خاص مضمون اور ذرا تامل سے
 وہ مبنیٰ معلوم ہو جائے گا اور پھر اس سے جو ایک عام فائدہ پیدا ہوتا ہے اس کی
 تقریر کر دی جائے گی۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم کو یہ حکم ہو کہ جلسہ
 میں فراخی کرو تو فراخی کر دیا کرو۔ حق سبحانہ تعالیٰ تمہارے لئے فراخی کر دیں گے اور
 جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اور خدا تعالیٰ تم میں سے
 مومنین اور اہل علم کے بہت سے درجے بلند کر دیں گے۔ یعنی جب کسی مصلحت سے
 منجانب منتظم مجلس ایسا حکم ہو تو اس پر عمل کیا کرو۔ یہ عام ہے نبی اور غیر نبی کو
 جو بھی منتظم مجلس ہو اسی لئے قیل کہا گیا قائل کی تخصیص نہیں کی اور اللہ تعالیٰ تمہارے
 سب اعمال پر خبیر ہیں یعنی ان اعمال کے باطن پر بھی مطلع ہیں مفسرین نے خیر کی
 تفسیر میں اس کی تفسیر کی ہے یہ آیت کا ترجمہ تھا۔ ترجمے کے ساتھ ہی بہتر معلوم ہوتا
 ہے کہ آیت کا شان نزول بھی معلوم کر لیا جائے کیونکہ اُس سے فہم مراد میں بھی آیت
 ہوتی ہے اور تفسیر میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ حضور صلی
 علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حاضر
 تھے کہ اصحاب بدر آئے۔ اصحاب بدر وہ لوگ کہلاتے ہیں کہ جو جنگ بدر میں شریک
 ہوئے ہیں ان کی فضیلت بہت ہے اس وقت مجلس میں کچھ تنگی تھی۔ حضور صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین مجلس کو حکم فرمایا کہ مل کر بیٹھو اور ایک روایت میں ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو فرمایا کہ تم اٹھ جاؤ اپنے کسی دوسرے کام میں لگو یا اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جاؤ۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ آیت کا مجموعہ ان دونوں کے مجموعے پر وال ہے ممکن ہے کہ بعض کو مل کر بیٹھنے کا حکم دیا ہو اور بعض کو اٹھ جائے کا حکم دیا ہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں کو تکتے تھے وہ تو اس پر نہایت خوشی سے عا مل ہو گئے۔ لیکن منافقین نے کہ وہ ایسے مواقع کے لئے ادھار کھاٹے بیٹھے رہتے تھے اس پر اعتراض کیا اور یہ گویا ان کی عیب جوئی کا ایک موقع مل گیا۔ حالانکہ اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تب بھی اس انتظام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال خوبی معلوم ہوتی ہے کہ تمام طالبانِ حق کی کس قدر رعایت کی کہ جگہ نہ ہونے کی مجبوری سے کوئی شخص محروم نہ رہ جائے لیکن چشم بد میں ہنر بھی عیب ہی ہو کر نظر آتا ہے۔

چشم بد اندیشی کہ برکنندہ باد عیب نماید ہتیش در نظر

بد اندیش آدمی جب کسی کام کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر میں اس کا ہنر عیب معلوم ہوتا ہے

منافقین کو اعتراض کا بہانہ مل گیا۔ کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ نئے آنے والوں کی خاطر پہلے بیٹھے ہوؤں کو اٹھایا جائے خدا تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعتراض لغو اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ دونوں حکم مناسب اور مستحسن تھے اور مستحسن کو غیر مستحسن کہنا حماقت ہے اور مستحسن ہونا اس طرح ظاہر فرمایا کہ ان حکموں کا خود بھی امر فرمایا اور خدا تعالیٰ اگر کوئی حکم فرمائے تو وہ قبیح ہو نہیں سکتا۔ عقلاً بھی اور نقلاً بھی جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اور اس کا حکم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مستحسن ہے کیونکہ ایسی ذات کا حکم ہے جس کی برابر کوئی حکیم نہیں ہے ہر حکم پر ایک ایک ثمرہ مطلوبہ کو بھی مرتب فرمایا کہ وہ استحسان کی مزید دلیل ہے چنانچہ حکم اور ثمرہ دونوں کے لئے ارشاد ہے إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَقَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَاسْقَحُوا۔ ایک حکم کا تو یہ بیغہ امر اس میں ارشاد ہے اس کے بعد فرماتے ہیں

يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ فِي أَسْوَئِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ كَاثِرَةً بِئْسَ مَا كُنْتُمْ فِيهِ كَاثِرَةً
تو خدا تعالیٰ جنت میں تمہارے لئے فراخی فرمائیں گے یہاں تک تو پہلا حکم اور اس
کا ثمرہ نکال آگے بذریعہ عطف دوسرا حکم فرماتے ہیں وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا
یعنی جب اٹھ جانے کا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو۔ نقلی استخسان تو اس ارشاد
ہی سے ثابت ہو گیا باقی عقلی استخسان کی تقریر یہ ہے کہ صدر مجلس جب اہل ہو اور
یہ حکم کرے تو وہ کسی مصلحت کی بنا پر ہو گا۔ پس اس کا قبول کرنا ضرور ہو گا اور
مطلق صدر مجلس بلا تخصیص اس لئے کہا گیا کہ قرآن میں لفظ قیل ہے جو کہ ہر صدر مجلس
کے کہنے پر صادق آتا ہے پس یہ شبہ جاتا رہا کہ یہ خاص ہے حضور صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کے ساتھ اگرچہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ارشاد فرمایا تھا
لیکن جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی ضرورت پیش آئی اسی طرح
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور نیابت کی اہلیت ان میں ہے ان کو بھی
صدر مجلس ہوجانے کی صورت میں ایسی ضرورت پیش آسکتی ہے اور اس کے قبول پر
بھی عمل کرنا ایسا ہی واجب ہو گا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر۔ تو اگر
وہ اٹھنے کا حکم دیں تو فوراً اٹھ جانا چاہیے اور اس کے امتثال میں تنگ و عار نہ
کرنا چاہیے کیونکہ مصلحتِ وقت سے ایسا کیا جاتا ہے اور توضیح مقام کی یہ ہے کہ ان
حکموں کا حاصل تناوب فی الاستفاعة ہے اور تناوب شرعاً بھی محذور ہے یعنی اگر کوئی
مطلوب مشترک ہو اور اس کے حاصل کرنے کے لئے سب طالبین کی گنجائش ایک مجلس
میں نہ ہو تو شریعت نے اس کے لئے تناوب تجویز فرمایا ہے اور عقل بھی اس کے ساتھ اس
میں متفق ہے کہ سب طالبین کے کمال حاصل کرنے کی یہی صورت ہے کہ آپس میں تناوب
ہو زیادہ وضاحت کے لئے اس کو ایک مثال میں سمجھئے مثلاً ایک کنواں ہے کہ شہر کے
ہر شخص کو اس کے پانی کی ضرورت ہے اور ایک ساتھ سب کے سب اس سے پانی
نہیں بھر سکتے۔ تو سب کے پانی حاصل کرنے کی صورت یہی ہے کہ یکے بعد دیگرے سب کے
سب پانی حاصل کریں اور چار آدمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کنوے پر جم کر بیٹھ جائیں

اور دوسروں کو جگہ نہ دیں یہ مثال ایسی ہے کہ اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی کلام نہیں تو جس طرح دنیاوی نفع میں تناوب مسلم ہے اسی طرح دینی نفع میں بھی سب کے انتفاع کی یہی صورت ہے کہ علی سبیل التناوب سب نفع حاصل کریں۔ اسی مثال کے قریب ایک دوسری مثال پیش کرتا ہوں کہ وہ وضاحت میں تو اس سے کم ہے مگر اس موقع کے زیادہ مناسب ہے وہ یہ کہ اگر ایک مدرسے میں ایک عالم ایسے ہوں کہ ہر طالب علم کو ان کی ضرورت ہو اور ہر شخص ان سے نفع حاصل کرنا چاہے کوئی بخاری شریف پڑھنا چاہے اور کوئی نسائی اور کوئی منطق و فلسفہ تو اگر بخاری شریف دے لے ان کو گھیر کر بیٹھ جائیں اور دوسروں کو وقت ہی نہ دیں تو دوسروں کے نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اور اسلئے بخاری والوں کو یہ حق نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسری جماعتوں کے لئے بھی وقت چھوڑ دیں۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا ہو گا کہ نفع دنیاوی اور دینی دونوں میں اگر طالبین کا اجتماع نہ ہو سکے تو تناوب ہونا ضروری ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نہایت ہی قرین مصلحت تھا اور چونکہ تَشَحُّوْا اور اُنْتَرُوْا عام ہے بعض اور کل دونوں کو اس لئے اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو اٹھنے کو فرمائیں سب کو اٹھ جانا واجب ہو گا اور اس میں یہ خفیہ نہ کیا جائے کہ مبنیٰ اس کا تو انتفاع الجمع تھا سب کے اٹھا دینے میں تو حرمان الجمع ہے جو اب یہ ہے کہ اس میں بھی انتفاع الجمع اس طرح ہو سکتا ہے کہ شاید آپ خلوت میں کچھ نفع عام کے لئے سوچیں یا آرام فرمائیں تاکہ پھر سب کی مصلحت کے لئے تازہ ہو جائیں پس اس میں بھی جمع کا انتفاع ہوا اسی طرح اگر کسی دوسرے صدر مجلس کو بھی اس کی ضرورت پیش آئے کہ وہ کسی مصلحت سے بعض مجلس یا ساری مجلس کو اٹھنے کا حکم دے تو اس کو اجازت ہے کہ کہے کہ اب تم لوگ اٹھو اور اس کا یہ کہہنا بدلیل اس کے اہل ہونے کے قرین مصلحت سمجھا جائے گا اور ۱۳ پر عمل کرنا واجب ہو گا۔ تو منافقین کی یہ شکایت محض حسد کی بنا پر تھی اور اس کے قبول کرنے سے اباؤ کرنا محض عار و استنکاف تھا ورنہ واقع میں بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں

عہدہ وجہ یہ کہ جمع طلبہ کا زیادہ تھا اور ان کے حال کے مناسب ہونا اس مثال کا ظاہر ہے ۱۳۔ منہ

کہ وہ ایسے امور میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس وقت مجھے اپنی ایک حکایت یاد آئی اپنی اوائل عمر میں جبکہ میں بالغ ہو چکا تھا ایک مرتبہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا صف میں داہنی طرف آدمی زیادہ ہو گئے تھے اور بائیں طرف کم تھے۔ میں نے داہنی طرف کے ایک شخص کو کہا کہ آپ بائیں طرف آجائیں یہ سن کر ان کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ تپتا گیا زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن چہرے پر برہمی کے آثار نمایاں ہوئے حالانکہ یہ کوئی غصہ کی بات نہ تھی ترتیبِ صفوف تو شریعت میں بھی ضروری قرار دیکھی ہے ان کی یہ حرکت مجھے بھی ناگوار ہوئی آخر میں نے ان کے قریب کے آدمی سے کہا کہ بھائی تم ادھر آ جاؤ کیونکہ ان کی توشان گھٹ جائیگی اس پر تو وہ ایسے خفا ہوئے کہ صف میں سے نکل کر مسجد ہی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو بعض طبیعتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ اس کو عار سمجھتے ہیں کہ کسی دوسرے کا کہنا کریں اور اس کا اندازہ ایسے لوگوں کے حالات دیکھنے اور ان سے ملنے سے ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے ذریعے سے یہ قانون دائمی مقرر کیا گیا ورنہ بظاہر اس کا قانون بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ تو ایسی ظاہر بات ہے کہ معاشرت روزمرہ میں داخل اور فطرتِ سلیمہ کا مقتضا ہے مگر اسی قسم کی طبائع کی بدولت یہ قانون مقرر فرمایا کہ واجب سمجھ کر ماننا پڑے اور اس کا امر بھی فرمایا اور امر کے ساتھ ترغیب بھی دی تاکہ کوئی ہیبت سے مانے اور کوئی رغیب سے۔ کیونکہ دوہی قسم کی طبیعتیں ہوتی ہیں بعض پر رغیبیت کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور بعض پر ہیبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن میں زیادہ لطف اُسی شخص کو آتا ہے جس کی نظر واقعات پر ہو اور وہ واقعات میں غور کرے مثلاً اگر ان بڑے میاں کا واقعہ پیش نظر نہ ہوتا تو اس حکم کی مشروعیت کی حکمت سمجھنے کا لطف نہ آتا اور اب معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر پاکیزہ انتظام فرمایا ہے کہ ذرا سی بات کو بھی نہیں چھوڑا غرض اس قسم کے واقعات ہوئے بھی ہیں اور قیامت تک ہونے والے بھی ہیں اس لئے یہ قانون دائمی مقرر فرمایا اور اس پر اس ثمرے کو مرتب فرمایا کہ

ہم تمہارے لئے جنت میں جگہ کو فراخ فرمائیں گے اور دوسرا حکم یہ فرمایا کہ اگر اٹھ جائیگا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو۔ خدا تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور اہل علم کے درجات بلند فرمائیں گے یہ حاصل ہے ارشاد کا۔ اس تقریر سے آپ کو سبب نزول آیت بھی معلوم ہو گیا اور حاصل آیت بھی جس میں حکم اور ثمرہ دونوں مذکور ہیں اب میں وہ بات بیان کرتا ہوں جس کا بیان کرنا اس وقت مقصود ہے میں نے کہا تھا کہ اس ثمرے کا ایک مہینے سے اس میں غور کرنے سے وہ قاعدہ عامہ نکلیگا جس کا استحضار ہر وقت ضروری ہے سو یہاں ایک امر تو یہ ہے کہ تَفَسَّحُوا اور ثمرہ یہ ہے کہ يَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ یعنی جنت میں فراخی ہوگی اور دوسرا حکم یہ ہے کہ فَانْشُرُوا اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ تو ان دونوں میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدر مجلس کے کہنے سے فراخی کر دینے میں جنت میں فراخی کیوں ہوگی اور اٹھ جانے میں رفع درجات کیوں ہوں گے جس کو ذرا بھی عقل ہوگی وہ تو اس میں بالکل بھی تامل نہ کرے گا بلکہ یہی کہیگا کہ مہینے سے اس نے خدا و رسول کی اطاعت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اولی الامر کا حکم بھی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ ہی نے ہم کو اولی الامر کا کہنا ماننے کو فرمایا ہے پس اگر ہم نے صدر مجلس کا حکم مان لیا تو خدا تعالیٰ کا حکم مان لیا غرض پھر پھر اگر مہینے سے نکلیگا کہ چونکہ اس امر کا امتثال کرنے والا خدا اور رسول کا حکم ماننے والا ہے اس لئے اس کو یہ ثمرہ حاصل ہوا۔ سو اس مقصود اس وقت اسی امر کا بیان کرنا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر یہ دو ثمرے مرتب ہوتے ہیں۔ اور دوسرے مضامین اگر آئیں گے تو استظر اذاً اسی کی توضیح کے لئے آئیں گے یا بعض اس پر مرتب ہونگے۔ اب رہی یہ بات کہ اس مضمون کو اس وقت کیوں اختیار کیا گیا اس کی بابت میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ آجکل اس کی سخت ضرورت ہے

کہ خیالات اور آراء اس وقت نہایت منتشر ہیں اور طلب مال و طلب جاہ کا بہت چرچا اس وقت ہو رہا ہے جس کو دیکھنے اس میں منہمک ہے نیز ان کیلئے کچھ تدابیر بھی اپنی طرف سے تراش رکھی ہیں اور ان میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ کوئی تدبیر حلال ہے اور کوئی تدبیر حرام ہے۔ بکثرت خیال ادھر متوجہ ہیں کہ اصل چیز مال اور جاہ ہے اور اسی کو ترقی کہا جاتا ہے اور اسی کے لئے سعی کی جاتی ہے خواہ وہ سعی شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ چنانچہ ذرائع تحصیل مال وہ ہیں جن کی بدولت شریعت سے بعد ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ تعلیم جدید کمال کے ساتھ حاصل کرنا چاہیے اور اس میں بڑے بڑے درجے حاصل کرنے چاہئیں گو اس پر کیسے ہی آثار و مفاسد مرتب ہوں آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء و پراعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ حالانکہ میں یہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء ہرگز اس سے منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں ہاششاء شاذ و نادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔ صاحبو! موٹی بات ہے کہ جب ان میں اسلام کی کوئی بات نہ رہی تو وہ اسلام کی ترقی کہاں ہوئی۔ البتہ مال و جاہ کی ترقی ہوئی سو سلام، وپیہ اور جاہ کو تو نہیں کہتے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو محتاج تفسیر نہیں چھوڑا اور خدا تعالیٰ نے بھی اس کی تفسیر کا خاص اہتمام فرمایا اور عجب نہیں کہ اسی زمانہ کے لئے اہتمام کیا ہو بیان اس کا یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت سے بہت سی باتیں نہیں پوچھ سکتے تھے تو خدا تعالیٰ نے ایک بار چہرہ

علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بشکل انسان بھیجا وہ ایک مجلس عام کے وقت تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سزوں کے سنانے کو چند سوال کئے چنانچہ ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ مَا لِإِسْلَامِهِ يَعْنِي إِسْلَامُ كَمَا فِي شَيْءٍ مِنْ حَضْرَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِشْرَافِهِ فَمَا يَأْتِي أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ وَأَنَّ تَحِيَّةَ الْبَيْتِ الْحَدِيثِ شَهَادَتُونَ كَمَا أَقْرَارُ كَرُورٍ سے بھی اور زبان سے بھی ظاہر ہوا اور نماز و زکوٰۃ و صوم و حج کا ادا کرنا پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر سے اسلام کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اسلام کی ترقی تو یہ ہوگی کہ ان احکام کے امتثال میں ترقی ہو نماز میں ترقی ہو روزے میں ہو۔ نہ یہ کہ ٹم ٹم ہو اور عالیشان محل ہو یعنی اس کو اسلام کی ترقی نہ کہا جائے گا۔ غرض جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی تفسیر فرما چکے ہیں تو آج کون ہے کہ وہ بڑے بڑے عہدوں کو اور مال و جاہ کی ترقی کو اسلام کی ترقی بتلائے مسلمان اگر اپنی حالت دینیہ پر بھی پورے قائم رہتے تب بھی ان چیزوں کو اسلام کی ترقی نہ کہتے البتہ ترقی اہل الاسلام کہتے مگر جبکہ وہ دین پر بھی باقی نہیں ہیں تو اس حالت میں یہ ترقی مال لاہل الاسلام نہ ہوئی بلکہ ترقی مال لاہل الکفر ہوئی۔ یعنی جب نماز و روزہ عقائد اسلام سب رخصت ہو گئے تو اب اگر مال اور جاہ کی ترقی بھی ہوئی تو یہ اہل اسلام کی ترقی بھی نہ کہلائے گی بلکہ اہل کفر کی ترقی کہلائے گی غرض اس ترقی کو ایسا قبلہ توجہ بنا رکھا ہے کہ حلال و حرام کی بھی مطلق تمیز نہیں رہی چاہے سود سے حاصل ہو چاہے رشوت سے حاصل ہو چاہے شریعت کو بھی بالکل چھوڑنا پڑے مگر یہ فوت نہ ہو چنانچہ بعض نے تو تصریحاً یہ کہہ دیا کہ اس وقت حلال و حرام کے دیکھنے کا وقت نہیں ہے یہ وہ وقت ہے کہ جس طرح ہوسکے روپیہ سمیٹ لو۔ غور کیجئے جب

مسلمان ایسی رائے دینے لگے تو علماء کا کیا تصور ہے اگر وہ تعلیمِ جدید سے روکیں
 علیٰ ہذا ترقی جاہ کہ اُس میں بھی یہ تمیز نہیں رہی کہ ذریعہ اس کی تحصیل کا
 حلال ہے یا حرام اکثر ایسے ذرائع سے جاہ حاصل کی جاتی ہے جو کہ شریعت کے
 بالکل ہی خلاف ہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ جاہ سے کام بھی ناپاک ہی لیا جاتا
 ہے کبھی اس کو آلہِ ظلم و ستم بناتے ہیں اور اسی ظلم کو اپنی شانِ ریاست سمجھتے
 ہیں چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لَا رِيَاسَةَ إِلَّا بِالْإِسْلَامِ رِیَاسَتِ بَغیر
 تذبذب کے نہیں آتی، ہے اور یہ جملہ فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن سیاست کے
 معنی وہ نہیں ہیں جو کہ ان لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں یعنی ظلم کرنا بلکہ سیاست
 کے معنی ہیں اصلاح اور اصلاح کہتے ہیں احکام کے جاری کرنے کو جیسا کہ
 دوسری آیت میں ارشاد ہے وَلَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا
 زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مت کرو جس کی کافی تقریر ایک مستقل عطف
 میں ایک مقام پر بیان کر دی گئی ہے غرض مال اور جاہ کو لوگوں نے مقصود
 بالذات کے درجے میں قبلہ توجہ بنایا ہے اور یہ مرض بالکل عالمگیر ہو گیا ہے
 اسی لئے اس وقت اس کے بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی اور حق تعالیٰ
 نے اس آیت میں دونوں حکموں پر دو ثمرے عجیب مرتب فرمائے ہیں جو
 اس وقت کے مقاصد کے نہایت مناسب ہیں یعنی یفسد جس کے معنی ہیں
 زراعتی جو مناسب ہے ترقی مال و تنعم کے۔ دوسرا یوفد جو مناسب ہے ترقی جاہ
 کے گویا خدا تعالیٰ نے اس میں یہ فرما دیا ہے کہ اگر فراخی و رفعت ہو سکتی ہے
 تو اطاعت ہی سے ہو سکتی ہے اور ہم سمجھ رہے ہیں کہ خلاف شریعت کرنے
 میں فراخی ہوگی اور شریعت پر عمل کرنے میں تو نا جائز عہدے متروک ہونگے
 حرام مال سے بچنا پڑے گا تو بس تو پانچ روپے کے ملازم رہیں گے۔ پھر نہ پلیٹ

فارم ہوا سیکھیں گے نہ بے ٹکٹ گاڑی میں بیٹھ سکیں گے تو کچھ عزت بھی نہ ملیگی گویا ساری
 عزت پلیٹ فارم پر جاتے ہیں ہے تو خدا تعالیٰ اس کو مہلتے ہیں کہ ترتیب
 فراخی کا محض اطاعت پر ہے اور چونکہ حاصل مال کا تنعم ہے اور وسعت مکانی
 بھی ایک تنعم ہے لہذا اگر ہم اس مضمون کو ذرا وسیع کر دیں تو مضائقہ نہیں
 ہے تو اب ہم یوں کہیں گے کہ تنعم یعنی ترقی مال اور رفعت یعنی ترقی جاہ
 دونوں اطاعت پر موقوف ہیں اگر یہ نہیں ہے تو نہ ترقی مال ہے اور نہ ترقی
 جاہ بلکہ ذلت ہے اور تنگی ہے چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں *عَنْ أَعْرَضَ
 عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى*۔ جس نے
 منہ پھرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گزران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا
 اس میں حشر قیامت کے مقابلے میں معیشت ضنک فرماتا دلیل اس کی ہے کہ یہ
 تنگی عیش قبل قیامت ہے اور قبل قیامت یا عالم برزخ ہے یا دنیا۔ سو آیت
 میں چونکہ کسی عالم کی تخصیص نہیں ہے اس لئے دو دنوں کے لئے عام کہا جائیگا برزخ
 کے ساتھ نہیں ہوگا خاص کر جبکہ واقعات اس کی تصدیق بھی کرتے ہوں کہ
 معیشت سے دنیا میں بھی تنگی ہوتی ہے چنانچہ عنقریب مذکور ہوتا ہے۔ خلاصہ
 یہ ہوا کہ اطاعت نہ کرنے کی صورت میں دو سزائیں ملیں گی ایک تو قیامت
 میں کہ اندھا اٹھایا جائے گا اور ایک دنیا اور برزخ میں کہ تنگی عیش میں وقت
 بسر ہوگا تو فراخی اور راحت کا ہونا اسی میں منحصر ہے کہ اطاعت ہو ورنہ
 برزخ کے علاوہ دنیا میں بھی تنگی ہوگی اس مقام پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ
 ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ نافرمان ہیں وہ بڑے فراخی میں ہیں سب اس کا
 جواب یہ ہے کہ جس کو آپ فراخی سمجھتے ہیں یہ سب ظاہری اور دیکھنے ہی کی حالت
 ہے ورنہ اگر حقیقت حال کو دیکھتے تو فی الواقع وہ نہایت تنگی ہے اس لئے
 فرماتے ہیں *وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ
 بِمَا فِي الدُّنْيَا* اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ عذاب کرے

ان کو ان چیزوں سے دنیا میں تو اطاعت نہ ہونے کی صورت میں یہ سب لٹا نہ ہے اور حقیقت میں ایسے شخص کے قلب کے اندر بچید پریشانی اور تنگی ہوتی ہے اور کسی وقت اس کو چین نہیں ہوتا اس واسطے کہ واقعات کثرت سے غیر اختیاری ہوتے ہیں اولاد ہے وہ بیمار ہیں ہوتی ہے مرقی بھی ہے خود ان حساباً مال پر بھی مقدمات ہو جاتے ہیں مال کی بھی چوری ہو جاتی ہے اس میں نقصان بھی ہو جاتا ہے تکالیف بھی پیش آتی ہیں اور چونکہ تنعم کی زیادہ عادت ہو جاتی ہے اور امور پیش آتے ہیں طبیعت کے خلاف اور کوئی چیز ان کو ہلکا کرنے والی ہوتی نہیں اسلئے ان کو بجد تکلیف ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح کرنے کے لئے میں ایک مثال عرض کرتا ہوں فرض کیجئے کہ دو آدمیوں کے دو جوان لائق بیٹے مر گئے اور یہ دونوں شخص سب حالتوں میں مساوی ہیں لیکن صرف فرق اتنا ہے کہ ایک ان میں سے مطیع خدا ہے اور دوسرا مطیع نہیں بلکہ اسباب دنیا و غفلت میں منہک ہے اب دیکھئے کہ بیٹے کے مرنے کا زیادہ غم کس کو ہوگا اور زیادہ دنوں تک کس کو رہیگا ظاہر ہے کہ مطیع کو ہرگز زیادہ غم نہ ہوگا کیونکہ وہ سمجھیںگا کہ

ع۔ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

نیر وہ جانتا ہے کہ یہ تو آج ہی مرنے والا تھا طل نہ سکنا تھا۔ اور سمجھتا ہے کہ قیامت میں بھی مجھے ثواب ملیگا اور اب بھی ثواب ملا تو ان خیالات کی بدولت بہت جلد اس کو تسلی ہو جائے گی۔ بر خلاف اُس غیر مطیع کے کہ اس کو عمر بھر کڑھتے اور غم کرتے ہی گذر جائے گی کبھی خیال ہوگا کہ افسوس فلاں حکیم کے بلانے میں دیر ہو جانے کی وجہ سے بچہ مرا کبھی خیال ہوگا کہ اگر فلاں نسخہ پلایا جاتا تو ضرور شفا ہو جاتی۔ غرض اس قسم کے توہمات کا سلسلہ عمر بھر کے لئے بندھ گیا اور گویا ایک گھن لگ گیا۔ تو اس کے پاس ظاہری سامان اگرچہ سب کچھ ہو

لیکن وہ سامان اس کے لئے سرمایہ فسخی نہیں ہے کیونکہ اس کے قلب میں تنگی ہے جو کہ اور قلب پر ایک خدا ہے اور اسی راز کے سبب آپ کسی منہمک فی الدنیا کو آرام میں نہ دیکھیں گے یوں کہ نافرمانی کر کے سکون قلب نصیب نہیں ہو سکتا البتہ اگر فخر و بھروسہ ہے تو وہ چین میں ہو گا گو امیر بھی نہ ہو اور اگر امیر بھی ہو تب بھی اس کی راحت کا سبب اس کی ریاست نہ ہوگی بلکہ اطاعت ہوگی تو علت تاہم راحت کی اطاعت ہے اب وہ شبہ جاتا رہا اسی طرح عزت بھی اطاعت ہی سے ہوتی ہے لیکن اس بارے میں بھی لوگ بڑی غلطی میں ہیں کہ مخالفت کر کے رفعت چاہتے ہیں غرض مشاہدہ ہے کہ موافقت میں چاہے مال زیادہ نہ ہو لیکن مال کا جو ست ہے یعنی منفعت و کار دانی اور جاہ کا جو ست ہے یعنی حفظ مضرت کیونکہ مال تو جلب منفعت کیلئے ہوتا ہے اس کے ذریعے سے انسان کے کام بہت چلتے ہیں مثلاً مال سے کھانے پینے کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کو منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اور جاہ دفع مضرت کے لئے ہوتی ہے یعنی اس کا اثر اور اس کی غایت یہ دفع مضرت ہے کیونکہ عقلاء کے نزدیک عزت محض اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ اس کی بدولت بہت سی آفتوں سے محفوظ رہیں گے مثلاً اگر آبرو دار نہ ہو تو جس کا جو جی چاہے بیگار میں پکڑ لے اور عزت دار آدمی کو کوئی مستانا نہیں تو عزت کی روح حفاظت ہوتی مضرتوں سے پھران دونوں کی روح ہے راحت سو یہ اطاعت ہی سے میسر ہوتی ہے گو ظاہر سامان کچھ ہی ہو چنانچہ دیکھ لیجئے کہ یہ راحت خدا ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی اطاعت کرنے والے کو حاصل ہے یا مخالف کو شرق سے غرب تک تلاش کر لیجئے خدا و رسول ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کا مخالف ایک بھی راحت میں نہ ملیگا۔ اس کا پتہ واقعات میں غور کرنے سے چلتا ہے کہ مخالف ہر وقت کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے غرض مال و جاہ کی جو روح ہے وہ اطاعت ہی پر مرتب ہے سو دنیوی راحت کا ذریعہ بھی اطاعت ہی ہوا تو اس تقریر کے بعد ان طالبانِ جاہ

و مال سے کہا جائیگا کہ

ترسم نہ رسی بہ کعبہ لے اعرابی کس رہ کہ تو میری بہ ترکستان ست

(مجھ ڈر ہے کہ لے اعرابی کہ تو کعبہ شریف تک نہ پہنچے گا اس وجہ سے کہ جو

راستہ تو نے اختیار کیا ہے وہ ترکستان کو جاتا ہے)

یعنی جس رستے سے تم راحت و نیوی حاصل کرنا چاہتے ہو اس کا وہ رستہ ہی نہیں ماسی کو اس آیت میں بتلایا ہے کہ فراخی اور رفعت خدا و رسول کی اطاعت پر موقوف ہے یہ ہی مسئلہ اس وقت مقصود بالہیان تھا اور بہ قدر ضرورت بخدا اللہ اس کا بیان بھی ہو چکا اور اس کی بابت مسلمانوں کی غلطی رفع کر دی گئی البتہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس آیت میں توجنت کی فراخی مراد ہے اور ہمیں ضرورت ہے دنیا کی فراخی کی اور اس کا ترتب اطاعت پر آیت سے ثابت نہیں ہوا توجنت کے ادھار پر کہاں تک بیٹھے رہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آیت میں کہیں جنت کا نام نہیں تو اگر ہم عموم پر دعویٰ کریں تو کون چیز مانع ہے بالخصوص جبکہ ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں جیسا کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا۔ اور اگر فرض بھی کر لیں کہ یہ وعدہ جنت ہی کے لئے ہے تو جنت کے مقابلے میں دنیا کیا چیز ہے جب جنت کی فراخی کا وعدہ ہو گیا تو دنیا کی کیا رغبت رہنا چاہتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں تم کو ایک روپیہ دوں گا تو اس کو پھر پیسے کی کیا تمنا رہے گی۔ اب اس مثال کے بعد یہ دیکھئے کہ ان دونوں میں کیا نسبت ہے سو حدیث میں ہے دنیا بمقابلہ آخرت ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک سوئی کے ناکے پر لگا ہوا قطرہ کہ اگر جزو لایعجزی ثابت ہو جائے تو وہی ہو تو اس پانی کو سمندر کے ساتھ جو نسبت ہے وی نسبت ہے دنیا کو آخرت کے ساتھ تو اگر دنیا میں مال و جاہ نہ بھی حاصل ہو اور اس آیت میں وہ نہ بھی مراد ہو تو کیا حرج ہے اور یہ بالکل اخیر مدجے کی بات ہے ورنہ ہمارا دعوئے یہ ہے کہ یہاں بھی فراخی ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ تمہاری تخصیص فی التفسیر مان لینے کے بعد

وہ اس آیت سے ثابت نہ ہو گا مگر ہم دوسری آیات سے ثابت کر دینگے چنانچہ ارشاد ہے وَكُذِّبَتْ عَنْكُمْ آيَاتُنَا لَكِنَّمَا كَفَّيْنَاكَ اللَّهُ وَإِنَّا لَكُنَّا لَهُ يَوْمَئِذٍ وَكِيلُونَ (اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کو کھول دیتے) دوسری آیت میں ہے وَكُذِّبَتْ عَنْكُمْ آيَاتُنَا لَكِنَّمَا كَفَّيْنَاكَ اللَّهُ وَإِنَّا لَكُنَّا لَهُ يَوْمَئِذٍ وَكِيلُونَ (اگر وہ تو ریس اور انجیل اور اس چیز کو جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی تھی قائم رکھتے تو اپنے آپ سے بھی کھاتے اور پیروں کے نیچے سے بھی) ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں تو اگر بعض آیات میں ایک عالم کی وسعت مراد ہو اور دوسری بعض میں دوسرے عالم کی وسعت تو جرم کیا ہے۔ اور یہ تمام تر گفتگو دنیا پرستوں کے مذاق کے موافق لے گئی ہے ورنہ اصل تو یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا کی طرف جس قدر رغبت اور طلب ہے نہ ہونا چاہیے اس کا مطلع نظرِ آخرت ہی ہونا چاہیے کیونکہ آخرت کی فراخی کے مقابلے میں دنیا کی فراخی اور آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دنیا کا عذاب کچھ بھی نہیں ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو جو کہ عمر بھر نعمت میں رہا ہو گا ورنہ میں ایک غوطہ دیکر کہیں گے کہ هَلْ رَأَيْتَ كَيْفًا قَطُّ۔ یعنی کیا تم نے کبھی کوئی نعمت و آرام دیکھا ہے تو وہ کہیگا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور ایک شخص کو جو کہ عمر بھر تکلیف میں رہا ہو گا جنت میں داخل کر کے پوچھا جائیگا کہ تم کو کبھی تکلیف ہوتی ہے تو وہ کہیگا کہ کبھی نہیں۔ توضیح کے لئے اس کو ایک مثال میں پیش کرتا ہوں فرض کیجئے کہ ایک شخص نے حالت خواب میں یہ دیکھا کہ مجھ کو بپٹیا جا رہا ہے اور مجھے چاروں طرف سے سانپ بچھو ڈس رہے ہیں لیکن بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ تخت شاہی پر آرام کرتا ہے کوئی مور چھل بھل رہا ہے کوئی عطر لا رہا ہے کوئی پان لا رہا ہے چاروں طرف لوگ دست بستہ کھڑے ہیں تو کیا اس کے دل پر اس خواب کا کوئی اثر باقی رہے گا ہرگز نہیں بلکہ اگر وہ خواب از خود یاد بھی آویگا تو طبیعت اس کو

مہلا و گئی اور اس کے برعکس ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ میں تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوں اور تمام لوگ میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں لوگ اپنی حاجتیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور میں ان کو پورا کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ لیکن آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ ایک شخص سر پر جوتیاں مار رہا ہے اور بہت سے سانپ بدن کو لپٹے ہوئے ہیں اور ایک کتا منہ میں موت روہ ہے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بیداری کی اس مصیبت کے بعد بھی خواب کی کسی قسم کی مسرت اس کے دل پر رہ سکتی ہے کبھی نہیں پس دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ خواب کی مثال بیداری کے مقابلے میں کسی نے خوب کہا ہے ۔

حال دنیا را پر سیدم من از فرزانه گفت یا خوابے ست یا بادلیت یا افسانہ
 باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہست گفت یا غولیت یا دیولیت یا دیوانہ
 دین نے ایک عقلمند سے دنیا کی حالت دریافت کی تو اس نے تبلیا کہ یا تو وہ

ایک خواب ہے یا ہوا ہے یا افسانہ ہے پھر میں نے اس شخص کے متعلق پوچھا جو

دنیا میں پھنس گیا تو اس نے کہا کہ وہ کوئی جن ہے یا دیو ہے یا کوئی پائل ہے ۔

تو واقعی دنیا کی مثال خواب ہی کی سی ہے ۔ اگر دنیا میں عمر بھر عیش کیا اور مزے کے ساتھ ہی پکڑا گیا تو وہ عیش کیا کام آئے گا ۔ دنیا کی حالت پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ہے تو مہل سی لیکن منطبق خوب ہے ۔ ایک شخص کی عادت تھی کہ روزانہ سوتے میں پیشاب کر لیا کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کو دھوتی تھی ایک روز بیوی نے کہا کہ کبخت میں تو پیشاب دھوتے دھوتے بھی پریشان ہو گئی آخر تجھ پر یہ کیا شامت سوار ہوئی ہے کہنے لگا کہ میں روزانہ خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ چل تجھے سیر کرالاؤں جب میں چلنے پر آمادہ ہوتا ہوں تو کہتا ہے کہ پہلے پیشاب تو کر لو میں سمجھتا ہوں کہ پیشاب خانہ میں پیشاب کر رہا ہوں حالانکہ وہ بستر ہوتا ہے

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تَقْبَلُونَ
 مِنْهُمْ وَنَحْمُ عَذَابَ الْيَوْمِ ۝ یعنی قیامت کے دن اگر دنیا ساری ایک
 شخص کو مل جائے اور وہ فدیہ میں دینا چاہے تو اس سے قبول نہ
 کی جائے گی۔ تو یہاں چند روز عیش کر کے اگر یہ انجام رہتا تو وہ
 عیش بھی کلفت ہے اور اگر یہاں چند روز تکلیف اٹھا کر ابد الابد
 کی نعمت حاصل ہوگئی تو یہ کلفت بھی راحت ہے۔ حضرت سیدنا شیخ محمد
 گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر جب متصل تین دن تک فاقہ ہوتا تو بیوی کہتیں
 کہ حضرت اب تو صبر نہیں ہو سکتا آپ فرماتے کہ ہمارے لئے جنت میں کھانے
 تیار ہو رہے ہیں ذرا صبر کرو انشاء اللہ اب بہت جلد اس نعمت سے
 مالا مال ہوئے۔ اللہ اکبر۔ بیوی بھی ایسی شاکر صابر کہ جنت کے ادھار پر رضانا
 ہو کر خاموش ہو جاتیں۔ ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو ایک
 بادشاہ نے لکھا کہ آپ پر بہت تنگی ہے کھانے کی بھی کپڑے کی بھی بہتر ہو کہ
 آپ میرے پاس چلے آئیں اور یہاں رہیں آپ نے جواب میں ایک قلعہ لکھ کر
 بھیجا جس کے بعض اشعار یہ ہیں ۝

خوردن تو مرغِ مُستمن دے بہتر اند و نانک جوین ما

(موٹے موٹے مرغ اور شراب کھانے پینے سے بہتر جو کی روٹی بہتر ہے)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر بخینہ زدہ خسرقہ پشین ما

(تمہارے لباس اٹلسی اور ریشمی کپڑے ہیں اور ہماری پوشاک بخینہ کی ہوتی اونی گڈری)

نیک ہمیں ست کہ بس بگذرد راحت تو محنتِ دوخین ما

(بہتر یہ ہی ہے کہ تو بس دل میں بات رکھ (سوچ سے) کہ تیرا آرام ہمارے کندھے کا بوجھ)

باش کہ طبل قیامت زند آں تو نیک آید و یا این ما

(مہر و طبل قیامت میں جب بجیگا تو اس وقت یا تو تمہارا بھلا ہو گا یا ہارا)

واقعی وہاں جا کر نہ یہاں کا عیش رہیگا نہ مصیبت اور آخرت میں تو یہ گذشتہ

جیزیں کیا یا رہتیں دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ عمر گزشتہ پیش از خواب نہیں ہے۔ زمانہ گذرنا چلا جاتا ہے کہ جیسے برف کا ٹکڑا کہ پگھلنا شروع ہوا تو ختم ہی ہو کر رہا اسی واسطے حدیث شریف میں ہے کہ جب قیامت کے روز اہل مصیبت کو بڑے بڑے درجے عنایت ہونگے تو اہل نعمت کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں، اراض سے کاٹی گئی ہوتیں لیکن آج ہم کو بھی یہ درجے ملتے تو اس حالت پر نظر کر کے دیکھا جائے تو بے تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں کچھ نہ بھی ملتا تو کچھ بھی حرج نہ تھا۔ تو یہ اعتراض محض لغو ہے کہ یہ جنت کا وعدہ ہے۔

صاحبو! کیا جنت تھوڑی چیز ہے۔ ابھی چونکہ دیکھا نہیں اس واسطے جنت کی کچھ قدر نہیں ہے جب دیکھو گے تو حقیقت کھلیگی اور جنہوں نے ان چیزوں کو دل کی آنکھوں سے آج دیکھ لیا ہے ان کی وہی حالت ہے جو دیکھنے والے کی ہوتی ہے رہا یہ شبہ کہ جب ہو گا تب ہو گا اس وقت تو مصیبت میں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی غلطی ہے اللہ سے تعلق رکھنے والا کبھی مصیبت میں نہیں ہے بات یہ ہے کہ جس چیز کا نام آپ نے مصیبت رکھا ہے وہ مصیبت ہی نہیں ہے تحقیق اس کی یہ ہے کہ جس طرح آرام کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہوتی ہے اسی طرح مصیبت کی بھی ایک صورت اور ایک حقیقت ہوتی ہے دیکھو اگر ایک شخص کا محبوب مدت کا بچھڑا ہوا اچانک مل جائے اور اس عاشق کو بہت زور سے اپنی بغل میں دبائے حتیٰ کہ اس کی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں تو بظاہر یہ نہایت تکلیف میں ہے لیکن قلب کی یہ حالت ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اور دبائے تو اچھا ہے اور اگر محبوب کہے کہ تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں تو جواب میں بیگا کہ

امیرت نخواہد رہائی زبند شکارست نہ جوید خلاص از کند

یہ باتیں قیامت کے روز پورے ہونے سے پہلے ہی ہونے لگیں۔ چھٹکا مہینے کا سال کرنا چاہتا ہے

اور اگر وہ کہے کہ اگر تم کو دبانے سے تکلیف ہو تو تم کو چھوڑ کر تمہارے اس قریب
کو اسی طرح دباؤں تو کہیں گے۔

نہ شہود نصیب دشمن کہ شہود ہلاکتِ تیخت

سیر دوستاں سلامت کہ تو نینجر آزمائی

(خدا کرے یہ دشمن کا نصیب نہ ہو کہ وہ تمہاری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر

سلامت رہے کہ تو نینجر آزمائی کرتا ہے)

ورہے گا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حتیٰ کہ اگر اس کا دم بھی نکل جائے تو اس کے لئے عینِ راحت ہے حالانکہ بظاہر

یہ نہایت ہی تکلیف میں ہے کہ اگر کسی اجنبی کو جس کو ملاقاتِ محبت معلوم نہ ہو

اس کی خبر ہو تو وہ بہت ہی رحم کھائے اور مجبوراً سے سفارش کرے لیکن

عاشق کو یہ رحم اور سفارش بے رگی اور عداوت نظر آتی کیونکہ جانتا ہے

کہ اس سفارش کا اثر یہ ہے کہ محبوب چھوڑ کر ابھی علیحدہ ہوا جاتا ہے اسی طرح

جن لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو گیا ہے وہ آپ کی اس خیر خواہی کو کہہ سکتے

یہ اللہ والے بڑی مصیبت میں ہیں ان کو اس سے نکلنے کی تدبیر بتلائیں نہایت

ناگوار سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے ایک حکایت سنی ہے کہ

ایک بزرگ چلے جاتے تھے رستے میں ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا ہے

اور تمام بدن زخمی ہو رہا ہے غور کر کے دیکھا تو انوار اس شخص کو گھیرے ہوئے

ہیں اور اہل اللہ میں سے ہیں ان کو بہت رحم آیا اور قریب جا کر ادب سے زخموں

کی مکھیاں جھلنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ان کو اتفاقاً ہوا تو اپنے فرمایا کہ یہ کون شخص

ہے کہ میرے اور محبوب کے درمیان حائل ہو رہا ہے اور فرمایا کہ میری

وہ حالت ہے کہ

خوشا وقتے و محسوس روز گاسے کہ پاسے بر خور و از و سئل یا رسے
 ذہتر سے وقتے و بہتر سے زمانہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہے
 تو محبت کا علاقہ اسکا چیز ہے کہ ناگوار بھی گوارا ہوتا ہے۔ ایک شخص کا واقعہ
 لکھا ہے کہ کسی شخص کی محبت کے جرم میں اس کو چابک کی سزا دی جا رہی تھی
 ننانوے چابکوں میں تو آہ نہیں کی لیکن اس کے بعد جو ایک چابک لگا ہے
 تو اس میں بہت زور سے آہ کی لوگوں نے سبب پوچھا کہنے لگا کہ ننانوے
 چابک تک تو محبوب بھی میرے سامنے کھڑا تھا مجھے یہ حفظ تھا کہ محبوب
 میری حالت کو دیکھ رہا ہے اس میں تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور اخیر
 کے چابک میں وہ جا چکا تھا اس لئے اس کی تکلیف محسوس ہوتی محو بجا نہ
 لٹائے اسی کو فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا رُءُوسُ
 اپنے رب کے حکم تک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
 خیال میں بھی یہ خاصیت ہے کہ کلفت تبدیل بہ راحت ہو جاتی ہے اور
 عشاق نے بھی اس کی تمنا کی ہے۔

بجرم عشق تو ام می کشند غوغایست تو نیز بر سر بام آ کر خوش تماشا نیست
 دترے عشق میں لوگ بے مار رہے ہیں اور ایک ہنگامہ ہے تو بھی بر سر بام
 اس لئے کہ ایک بہترین تماشا ہے

یہ جو بر سر بام بلا رہا ہے محض اسی حفظ و راحت کے لئے تو جب محبت میں
 یہ خاصہ ہے تو جن کو آپ تکلیف میں سمجھتے ہیں اور ان کے اس حالت کے
 برداشت پر تعجب کرتے ہیں اگر ان کو بھی اس تکلیف میں راحت ہوتی ہو
 تو کیا تعجب ہے حدیث شریف میں ہے ایک صحابی نماز میں قرآن شریف
 پڑھ رہے تھے کہ ان کے ایک تیرا کر لگا لیکن قرآن پڑھتا ترک نہیں کیا
 آخر ایک دوسرے صحابی سوتے تھے جاگنے کے بعد انھوں نے اس
 حالت کو دیکھا اور بعد سلام ان سے پوچھا تو فرماتے لگے ہی نہ چاہا کہ

تلاوتِ قرآن کو قطع کر دوں۔ غرضِ محبت ایسی چیز ہے لیکن چونکہ ہم نے محبتِ کامرہ چکھا نہیں اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مصیبت میں ہیں اور واقعہ میں وہ مصیبت میں نہیں کیونکہ مصیبت نام ہے حقیقتِ مصیبت کا نہ کہ صورتِ مصیبت کا پس وہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اللہ والے مصیبت میں ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نافرمانی کے ساتھ راحت اور عزت نہیں اور اطاعت کے ساتھ تکلیف اور ذلت نہیں۔ پس اگر ہم عزت کے خواہاں ہیں تو اطاعتِ خداوندی کو اختیار کوس ہم نے جیسے اس کو چھوڑ دیا ہے اسی وقت سے ہماری راحت اور عزت بھی جاتی رہی ہے مجھ کو اس وقت یہی بیان کرنا تھا جو کافی مقدار میں اللہ بیان ہو چکا۔ اب میں اس آیت کے متعلق کچھ نوآئد متفرق بیان کرتا ہوں جو کہ زیادہ تر اہل علم کو مفید ہیں۔ یعنی علاوہ مضمون مذکور کے اس آیت کے کچھ مدلولات اور بھی ہیں اور ان مدلولات میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مدلول یہ ہے کہ شریعت میں جیسے کہ عقائد اور معاملات وغیرہ مقصود ہیں اسی طرح حسنِ معاشرت بھی شریعت کا جزو ہے۔ چنانچہ تفسیح فی المجالس و قیام وقت حاجت جو کہ معاشرت میں سے ہے آیت میں صاف مذکور اور مامور پہ ہے حاصل یہ ہے کہ اس وقت لوگوں نے اجزائے دین کو مختصر کیا ہے کسی نے تو صرف عقائد کو لیا کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا) کو لے کر نماز وغیرہ سب کو اڑا دیا ایسے لوگوں کا مقولہ ہے کہ سزا پا کر پٹ پٹا کر کسی وقت تو جنت میں ضرور چلے ہی جائیں گے تو ان لوگوں نے اعمال کو عملاً چھوڑ دیا۔ بعض ایسے ہیں کہ انھوں نے عقائد کے ساتھ اعمال کو بھی لیا لیکن اس میں سے معاملات کو عملاً خارج کر دیا یعنی نماز روزہ وغیرہ کا اہتمام

عہد باقی خون سے وضو اور نماز کا جاتا رہنا یہ ایک فقہی بحث ہے جو مختلف فیہ ہے اور قصر کی توجیہ دونوں قول پر ہو سکتی ہے۔ ۱۱ منہ

تو ہے لیکن دین میں اس کی ذرا پروا نہیں کہ یہ جائز ہو یا ناجائز ہو یا
 نیز آمدنی کے ذرائع میں اس کا بالکل خیال نہیں۔ بعض وہ ہیں کہ انھوں
 نے معاملات کو بھی جزو شریعت قرار دیا لیکن اخلاقِ باطن کی دستی
 کو شریعت کا جزو نہ سمجھ کر کچھ ضروری نہ سمجھا بہت ہی کم افسراد ہیں کہ وہ
 اس کا بھی اہتمام کرتے ہوں۔ چنانچہ ایسے بھی لوگ ہیں کہ ان کو دوسرے کی
 اصلاح کرتے ہوئے مددیں گزر جاتی ہیں لیکن خود ان کے اخلاق سے لوگوں
 کو عام طور سے تکلیف پہنچتی ہے اور ان کو اپنی حالت کی ذرا پروا نہیں ہوتی
 بلکہ خب بھی نہیں ہوتی کہ ہم نے کیا حرکت کی۔ اور ایسے تو بہت ہی ہیں
 کہ اگر رستے میں کوئی غریب مسلمان ان کو مل جائے تو اب تداء بالسلام
 کبھی نہ کریں گے بلکہ خود اس کے سلام کے منتظر رہیں گے۔ بعض لوگ عقائد
 و اعمال و معاملات کے ساتھ اخلاقِ باطن کو بھی داخل شریعت سمجھتے
 ہیں اور اس کا علاج بھی کرتے ہیں لیکن انھوں نے معاشرت کو
 شریعت سے خارج کر رکھا ہے کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے آپس کے برتاؤ
 ہیں ان سے شریعت کو کیا غرض اگرچہ یہ ضروری ہے کہ یہ سب اجزا
 مساوی نہیں ہیں تاہم واجب الرعایت سب ہیں تو اس قسم کے بہت
 سے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ دیندار بھی ہیں ان کے اخلاق بھی
 مثل تواضع و غیرہ درست ہیں لیکن معاشرت میں اکثر چھوٹی باتوں میں
 اس طرف التفات نہیں کہ ان سے دوسروں کو اذیت تو نہ پہنچے گی
 بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت زیادہ تکلیف پہنچ جاتی
 ہے لیکن اس طرف التفات نہیں ہوتا حالانکہ حدیث شریف میں
 بکثرت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوٹی چھوٹی باتوں
 کی طرف بھی اسی قدر التفات اور ان کا بھی اتنا ہی اہتمام تھا جتنا کہ بڑی
 باتوں کا تھا۔ میں نے اس باب میں ایک رسالہ کی تالیف شروع کی ہے

اس کا نام آدابِ معاشرت رکھا ہے اسی قسم کی بہت سی حدیثیں اس کے خطبے میں جمع کر دی ہیں آپ لوگ خدا تعالیٰ سے اس کے پورا ہونے کی دعا کریں ان احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ شریعتِ اسلام ایسے امور کو ہرگز جائز نہیں رکھتی جن سے کسی کو ذرا بھی تکلیف یا کسی قسم کا بھی بار پہنچے۔ اس وقت یہ مرض ایسا عام ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ اللہ کرنے والے اور ذاکر و شاغل بحق کہلاتے ہیں ان کو بھی اس کی پرواہ نہیں ہے اور انہوں نے بھی عملاً اس کو شریعت سے خارج کر رکھا ہے۔ میں نے یہی حالت دیکھ کر اپنے ذمے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ جو لوگ میرے پاس آئیں ان کو ذکرِ شغل میں لگانے سے زیادہ ان کے اخلاق اور معاشرت کی زیادہ توجہ کے ساتھ اصلاح کی جلتے آدابِ معاشرت میں سے کسی جنسرو میں حتی الوسع کمی نہ ہو۔ کیونکہ اس کی بڑی ضرورت ہے ہم لوگوں سے اس کی اصلاح بالکل ہی مفقود ہو گئی ہے اور جب تک اس کی تفصیل معلوم نہ ہو میں اس کا ایک سہل معیار بتلائے دیتا ہوں کہ اس میں ذرا توجہ کرنے سے قریب قریب تمام آدابِ معاشرت خود بخود سمجھ میں آنے لگیں گے وہ معیار یہ ہے کہ جب کسی شخص کے ساتھ کوئی برتاؤ کرنا ہو گو وہ برتاؤ ادب و تعظیم ہی کا ہو اول یہ دیکھ لے کہ میرے ساتھ یہی برتاؤ ایسے شخص کی طرف سے کیا جائے کہ اس شخص کو میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو مجھ کو اس شخص سے ہے کیا جائے تو مجھ کو ناگوار اور گراں تو نہ ہو گا جو جواب اپنے ذہن سے ملے اسی کے موافق دوسرے سے برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ میں پڑھ رہا تھا کہ ایک صاحب میری پشت کی طرف آکر بیٹھ گئے میں نے ان کو منع کیا جب نہ مانے تو میں ان کی پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا گھبرا کر فوراً کھڑے ہو گئے میں نے کہا کہ جناب پشت کی طرف بیٹھنا اگر بری بات ہے تب تو آپ باوجود منع کر چکے

اس سے کیوں نہیں باز آئے۔ اور اگر ابھی بات ہے تو مجھے کیوں نہیں کرنے دیتے اور میں نے کہا کہ آپ اندازہ کیجئے کہ میرے پشت کی جانب بیٹھنے سے آپ کو کس قدر گرانی ہوتی اسی سے میری تکلیف کا بھی اندازہ کر لیجئے اور اگر بجائے میرے کوئی دوسرا بھی اسی طرح بیٹھ جائے تب بھی گرانی یقینی ہے گو میرے بیٹھنے اور اس کے بیٹھنے میں کچھ تفاوت ہو مگر ایذا رسانی کا تو کوئی جزو بھی بلا ضرورت جائز نہیں۔ خدا جانے لوگ پشت کی طرف بیٹھنے میں کیا مصلحت سمجھتے ہیں۔ آیا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شخص بزرگ ہے ہماری عبادت اس کے اندر سے نکل کر جائے گی تو ضرور قبُول ہوگی گویا کہ وہ خس کی ٹٹی ہیں کہ ہوا کی طرح سے ان میں سے عبادت چپنکر جائے گی بعض لوگ تو یہ غفلت کرتے ہیں کہ جن کو بزرگ سمجھتے ہیں ان کے پس پشت کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے ہیں کہ اگر وہ کسی ضرورت سے اٹھنا چاہیں تو اٹھ ہی نہیں سکیں صاحبو! یہ کیا ادب ہے کہ ایک شخص کو مقفل کر کے بٹھلا لیا فرض کیجئے کہ نماز کی نیت یا نہ ہونے کے ساتھ ہی اُن بزرگ کو قضاء حاجت کی ضرورت ہو اور تقاضا بھی شدت سے ہو تو وہ کیا کریں یا تو نماز کے سامنے سے اُٹھ کر جائیں یا ان کی چادر کھتیں پوری بولے تک جبراً و قہراً بیٹھے رہیں علیٰ ہذا بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کے پاؤں باوجود ممانعت کے پکڑتے ہیں اور ان کی تکلیف کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور اگر روکا جاتا ہے تو اس کے روکنے کو متصنع اور تکلف پر محمول کرتے ہیں اور باز نہیں آتے حالانکہ غور کرنا چاہیے کہ جب ان کے روکنے کو متصنع پر محمول کیا تو ان کو متصنع سمجھا تو پھر وہ بزرگ ہی نہ ہوتے پھر پانوں کیوں پکڑتے ہو۔ مجھے ایک مرتبہ بنگالے کے سفر کا اتفاق ہوا وہاں جا کر اس رسم کا کچھ ایسا رواج پایا کہ شاید ہی کہیں ہو۔ جو شخص مجھ سے ملنے آتا مصافحہ کے بعد پیر بھی ضرور ہی پکڑتا۔

دو چار آدمیوں کو تو میں نے منع کیا لیکن جب دیکھا کہ کوئی نہیں مانتا تو میں نے یہ علاج کیا کہ جو شخص میرے پیر پکڑتا ہے اس کے پیر پکڑ لیتا وہ لوگ گھبراتے تب میں کہتا کہ جناب پیر پکڑنا اگر اچھی بات ہے تو مجھے کیوں اجازت نہیں دی جاتی کہنے لگے کہ آپ تو بزرگ ہیں میں نے کہا کہ میں قسم کہتا ہوں کہ میں آپ کو بزرگ سمجھتا ہوں تب لوگوں نے پیر پکڑنا چھوڑا تو میں کہتا ہوں کہ ایذا کے جو اسباب ظاہر ہی ہیں ان کے واجب ترک ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں مگر جن کا نام آج کل کی اصطلاح میں تکریم ہے وہ بھی اگر موجب ایذا ہو جائیں ان کا ترک بھی لازم ہے میں نے اپنے بزرگوں کی خدمت اکثر اس لئے نہیں کی کہ شاید میری ناواقفی کے سبب اس خدمت سے ان کو تکلیف ہو یا ان کے قلب میں میرا لحاظ اور اس کے سبب سے ان کو تکلیف اور گرائی ہو کیونکہ بعض کے قلب میں بعض کا کچھ ایسا لحاظ ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح نکلتا ہی نہیں اگرچہ طبیعت کو کتنا بھی مجبور کیا جائے تو اگر ایسا شخص آکر بدن دبانے لگے یا پنکھا جھلنے لگے تو اس سے بجائے آرام کے تکلیف ہوتی ہے۔ اب لوگ اس کی مطلق پرہیز نہیں کرتے زبردستی بھی آکر چپٹ جاتے ہیں تو ان مواقع میں سمجھ سے کام لینا چاہیے اور اگر اپنے کو اتنی سمجھ نہ ہو تو دوسرے کے کہنے کے بعد تو اصرار نہ کرے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان فدا کرتے تھے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارا تعظیم کے لئے اٹھنا پسند نہیں اس لئے ہم آپ کی تعظیم کو نہ اٹھتے تھے مجھے اپنے آیام طالب علمی کا فقہ یاد ہے کہ جب حضرت مولانا غلام یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسے میں تشریف لاتے تو ہم سب لوگ ادب سے اٹھ کھڑے ہوتے ایک روز مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تم لوگ میرے آنے کے وقت مت اٹھا کرو۔ اس روز سے ہم نے اٹھنا چھوڑ دیا۔ دل میں ولولہ پیدا ہوتا تھا لیکن یہ خیال ہوتا تھا کہ مقصود تو ان کو راحت پہنچانا ہے سو جس میں ان کو راحت ہو وہی کرنا مناسب ہے بعض لوگوں کو بزرگوں کے جوتے اٹھا کر چلنے پر اصرار ہوتا ہے تو فی نفسہ ۳۱ فعل کا تو مضائقہ نہیں

لیکن اگر کسی وقت منع کیا جائے تو فوراً رک بانا چاہیے۔ کیونکہ اصرار میں تکلیف ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ نقانہ بھون کی جامع مسجد سے استاذی مولانا فتح محمد صاحب مرحوم جمعہ کی نماز پڑھ کر چلے وسط فرش تک پہنچے تھے کہ ایک شخص نے آکر ہاتھ سے جوتے لینا چاہے مولانا نے براہ تواضع انکار فرمایا لیکن اس نے نہ مانا آخر قیل و قال میں بہت دیر ہو گئی اور اس احمق کی بدولت مولانا کو طپش آفتاب میں کھڑا رہنا پڑا جب اس نے دیکھا کہ مولانا کسی طرح نہیں مانتے تو ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا مارا اور جوتے لے لے اور دوڑ کر کنارہ فرش پر رکھ آیا اور اپنی اس کامیابی پر بہت خوش ہوا میں نے جو یہ حرکت دیکھی تو مجھے سخت ناگواری ہوئی اور اس شخص کو میں نے بہت ہی برا بول کر اور میں نے کہا کہ ظالم تو نے جوتے لیکر چلنے کو تو ادب سمجھا لیکن اسرا بے تمیزی اور بے ادبی کا خیال سمجھو نہ ہوا کہ تو نے پتے ہوئے فرش پر مولانا کو کھڑا کئے رکھا اور ہاتھ کو جھٹکا دیکر جوتا چھین لیا۔ آج کل لوگوں نے خدمتِ تعظیم کا نام رکھا ہے حالانکہ خدمتِ تعظیم کو نہیں کہتے۔ بلکہ خدمتِ راحت رسائی کو کہتے ہیں تو جو بزرگ تعظیم سے خوش نہ ہوں اور اس سے روکیں ان کی اتنی تعظیم مت کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس بات سے کسی کو تکلیف ہو اس کو بالکل ترک کر دینا چاہیے اگرچہ وہ بصورتِ تعظیم ہی ہو۔ اور اگر بصورتِ تعظیم بھی نہ ہو تب تو ظاہر ہے کہ وہ بُری اور واجبِ ترک ہوگی مثلاً بات کو ایک شخص کی آٹھ کھلی اور استنجے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بیٹھ کر زور زور سے ڈھیلے توڑنے شروع کر دیے جس سے قریب کے سونے والوں کی تیند خراب ہوئی اور تیند خراب ہونے سے کسی کے سر میں درد ہو گیا کسی کی آنکھوں میں درد ہو گیا کسی کی نماز صبح تضا ہو گئی۔ تو یہ وہ باتیں ہیں کہ بظاہر نہایت چھوٹی اور معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے آثار بہت مضر ہیں۔ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نوکر چہرے سے سونے والے کی تیند

میں خلل پڑتا ہو تو پکار کر ذکر کرنا حرام ہے۔ توجب اللہ کا نام لینا بھی تکلیف پہنچا کر جائز نہیں تو دوسرے کام تو تکلیف پہنچا کر کیونکر جائز ہوں گے۔

نسائی شریف میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آرام فرماتے تھے کہ رات کو اٹھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قائمہ رَوَيْدًا یعنی نہایت آہستہ اُٹھے وَانْتَعَلَ رَوَيْدًا اور جوتے نہایت آہستہ سے پہلے وَفَتَحَ ابَّابَ رَوَيْدًا اور نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا وَخَرَجَ رَوَيْدًا اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے۔ غرض کئی جگہ لفظ رَوَيْدًا آیا ہے حدیث بہت بڑی ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی چلنے سے اٹھ پیچھے پیچھے ہو لیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنتہ البقیع میں تشریف لے گئے پیچھے پیچھے حضرت عائشہ بھی رہیں جب آپ واپس ہونے لگے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلدی سے آکر اپنے بستر پر لیٹ رہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر دیکھا کہ ان کا سانس پھول رہا ہے پوچھا مَا لَكَ يَا عَائِشَةُ حَشِيْرَابِيَّةٌ یعنی سانس کیوں پھول رہا ہے انھوں نے چھپانا چاہا لیکن چھپ نہ سکا تب انھوں نے اپنے پیچھے جانیکا تمام قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا شاید تم کو خیال ہوا کہ میں تمہاری باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس چلا جاؤں گا تو ایسا کب ہو سکتا ہے بڑی حدیث ہے۔ مجکو اس حدیث میں سے صرف بیان کرنا اس کا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آپ کی شان وہ محبوبیت مُطلقہ ہے کہ اگر آپ کسی کو تکلیف بھی پہنچائیں تب بھی راحت ہی ہو پھر خاص کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کہ عاشق زار تھیں تو اگر ان کی آنکھ کھل بھی جاتی تب بھی ناگواری کا احتمال نہ تھا۔ لیکن چونکہ صورت تکلیف کی تھی اسلئے آپ نے اس کو بھی گوارا نہیں فرمایا تو اتنے موانع کلفت کے ساتھ جب آپ نے اتنی رعایت فرمائی تو ہم کو کب اجازت ہے کہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے

دوسروں کو تکلیف کا احتمال ہو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ سفر میں جانے والے کو کچھ نہ کچھ فرمائش کر دیتے ہیں اس سے بعض اوقات اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ جب میں کانپور میں تھا تو دیکھتا تھا کہ جب کوئی شخص لکھنؤ جاتا تو لوگ فرمائش کر دیتے کہ وہاں سے فلاں ترکاری لیتے آنا۔ اور بعض اوقات اس مسافر کا جائے قیام سبزی منڈی سے اتنی دور ہوتا تھا کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے کم از کم ۲ میں یکہ کرایہ ہوتا تو ۲ کرایہ کے اپنے پاس سے صرف ۔۔۔ کے تب اس فرمائش کرنے والی چار پیسے کی فرمائش پوری کرو اور شرم کے مارے بچے کے پیسے مت مانگو اور ایسا نہ کرو تو عمر بھر کی شکایت خریدو۔ پھر بعض تو یہ غضب کرتے ہیں کہ فرمائش کر کے قیمت بھی نہیں دیتے۔ گویا وہ اپنے گھرتے خزانہ لے کر چلا ہے کہ اپنی اور دوسروں کی سب کی ضرورتیں پوری کر کے لائیگا بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب کسی کو جاتے ہوئے دیکھا ایک دستی خط کسی کے نام دیدیا اس میں بھی اکثر اوقات بہت تکالیف ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرسل مطمئن ہو جاتا ہے کہ خط مکتوب ایہ کو پہنچ گیا مگر اتفاق سے خود وہ مسافر ہی کبھی درمیان ہی میں رہ جاتا ہے کبھی خط ضائع ہو جاتا ہے یہ تو خود مرسل کی مضر ہے کبھی مکتوب ایہ کو تنگی ہوتی ہے کہ آئندہ تقاضا جواب کا کرتا ہے کہ میں ابی جاؤں گا بعض اوقات تو فرصت نہیں ہوتی اور بعض اوقات جواب بے تحقیق لکھ دیا جاتا ہے چنانچہ میرے پاس بعض دستی فتوے آتے ہیں اور لانے والا تقاضا کرتا ہے کہ میں ابی واپس جاؤں گا آخر دوسرے کام کا حرج کر کے لکھنا پڑتا ہے اس میں بعض مرتبہ جلدی کی وجہ سے کسی پہلو سے نظر چوک جاتی ہے اور جواب میں غلطی ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ جواب لکھنے کے لئے کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور عین وقت پر روایت نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسی طرح ایک شخص کو میں نے ایک مسئلہ فرائض کا جواب لکھ کر دیا جب وہ لے کر چلا گیا تب یاد آیا کہ جواب غلط لکھا گیا سخت تشویش ہوئی اس شخص کو تلاش کر آیا تو نہ ملا

اور یہ پوچھنا نہ تھا کہ کدھر جاؤ گے آخر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ یا الہی میرے اختیار سے تو یہ خارج ہو چکا ہے اب آپ کے اختیار کی بات ہے خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی پندرہ منٹ نہ گزرے تھے کہ وہ شخص واپس آیا کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے ہر تو کی ہی نہیں مجھے بڑی مسرت ہوئی میں نے کہا کہ ہاں بھائی لے آؤ اس سے لے کر جواب کو صحیح کیا اور اس سے کہا کہ بھائی ہر تو میرے پاس ہے نہیں اس وقت تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر تجھے واپس بھیجا ہے کیونکہ مسئلے میں ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اس واقعے کے بعد سے میں نے عہد کر لیا کہ کبھی دستی فتوے کا جواب نہ دوں گا اکثر لوگ ایسے امور پر مجھے بے مروت کہتے ہیں لیکن بتلاتے کہ ان واقعات پر کیونکر خاک ڈالوں۔ اب میں نے یہ معمول کر رکھا ہے کہ جب کوئی شخص دستی فتویٰ لاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ اپنا پتہ لکھ کر اور دو پیسے کا ٹکٹ دیکر رکھ جاؤ میں اطمینان سے جواب لکھ کر تمہارے پاس ڈاک میں بھیج دوں گا۔ میرے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب تو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی دستی خط دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو لفافے میں بند کر کے پورا پتہ اس پر لکھ دو تاکہ پہنچانے میں سہولت ہو اس کے بعد دو پیسے کا ٹکٹ لگا کر اس کو ڈاکخانے میں چھوڑ دیتے ہیں کہتے ہیں کہ دستی خط دینے کی زیادہ غرض یہی ہے کہ دو پیسے بچیں سو ہم اپنے پاس سے یہ دو پیسے صرف کر دیں گے مگر ان خلیجانوں سے تو بچیں گے اور شاذ و نادر جہاں بے تکلفی ہو وہ موقع تو مستثنیٰ ہے لیکن عام طور پر ایسا کرنا بڑی تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں نمونہ کے طور پر عرض کر دی ہیں مقصود یہ ہے کہ معاشرت ایسی ہونی چاہیے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے۔ اور معاشرت کا مسئلہ قرآن شریف میں کئی مقام پر مذکور ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا

بلند فرما دیں صی بہ تخصیص بعد تعیم فرمایا یعنی ثمرہ اول میں تمام مومنین کو درجہ مساقتا میں خطاب عام ہے اور ثمرہ ثانی میں اہل علم کو تخصیص بعد تعیم کے طور پر اہل ایمان میں سے خاص کر کے بھی خطاب فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ تفسیح کوئی امر شاق نہ تھا اس میں بہت کم احتمال تقاضیت کے صاف اور خالص نہ ہونے کا تو اس کے امثال میں سب مومنین قریب قریب یکساں ہونگے بخلاف رسول کے عمل کے کہ نفس پر بہت شاق ہے اس میں احتمال ہے کہ بعضے لوگ محض وضعدی سے اٹھ کھڑے ہوں اور اس میں وہ مخلص نہوں اور غلوں میں زیادہ دخل ہے علم کو کیونکہ اس سے اُس کے دقائق معلوم ہوتے ہیں اس لئے اس میں علم والوں کی تخصیص بعد تعیم فرمائی کیونکہ اہل علم میں منشاء امثال بدرجہ اول پایا جائے گا اس لئے وہ غلوں میں دوسرے مومنین سے زیادہ ہوں گے ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ اصلاح معاشرت پر کبھی آخرت کے ثمرے ملتے ہیں جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ احکام شرعیہ میں سے جس امر کو تم بالکل دنیا سمجھتے ہو اس میں بھی تم کو اجر ملیگا وجہ دلالت ظاہر ہے کہ فسحت اور قیام پر جو کہ معاشرت میں سے ہیں اجر آخرت کا وعدہ فرمایا اس کے متعلق بعض اہل زلیغ نے لکھا ہے کہ مولویوں نے شریعت کو طومار بنا دیا ہے کہ روٹی توڑنا بھی شریعت میں داخل۔ پانی پینا بھی شریعت میں داخل۔ اس پر مجھے ایک دردناک قصہ یاد آیا ایک شخص نے ایک کتاب شریعت ایمانیہ میں لکھی ہے انہوں نے میرے پاس وہ کتاب اصلاح کے لئے بھیجی اور لکھا کہ میں نے یہ کتاب اپنے ایک عزیز کو بھیجی جو کہ وکالت کرتا ہے وکھلانے کے لئے بھیجی تھی اُس نے لکھا کہ اگر یہ سب باتیں ایمان میں داخل ہیں تو ایمان (نعوذ باللہ) شیطان کی آنت ہوا۔ اور اس کفریہ کلمہ کو نقل کر کے سخت افسوس اور رنج کا اظہار کیا تھا۔ اور اس کے جواب میں اس مولف نے اس وکیل کو جو خط بھیجنے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی میرے پاس اصلاح کے لئے بھیج دیا تھا میں

لکھا اختیار ہے جواب بھید و لیکن یہ شخص بالکل مسخ ہو چکا ہے اس لئے نفع کی ہرگز امید نہیں۔ یہ مخاطبت سے رو براہ ہونے والا نہیں ہے اس کا اصلی جواب یہی ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کے حوالے کیا جائے اگر کبھی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ایمان کے شعبے ہیں تو اس ضمنوں کو کسی مہذب پر یہ نہیں لکھ سکتا تھا لیکن غیث روح کی جہالت تہذیب کی کیے اجازت دیتی اصل یہ ہے کہ جب تک علم یا اہل اللہ کی صحبت نہ ہو ایمان کا بھی پھر وہ نہیں ہے۔ دیکھتے جہل سے کیا کلمہ کفر کا بک دیا۔ کیوں صاحب بتلائیے۔ اگر اس شخص کی بھی تکفیر جائز نہیں تو اسلام میں کفر بھی داخل ہے لوگ کہتے ہیں کہ مولوی کا فر بنا دیتے ہیں۔ صاحبو! انصاف شرط ہے یہ کا فر بنانے کی نسبت تو مولویوں کی طرف اس وقت ہو سکتی تھی جب کہ وہ کسی کلمہ کفر یا عمل کفر کی تلقین کرتے اور جب کہ لوگ خود ہی اپنی جہالت اور جہالت سے کفر کرتے ہوں تو مولویوں نے کب بنایا یہ تو خود بنے البتہ مولوی اس کو بتا دیتے ہیں تو علماء لوگوں کو کا فر بناتے نہیں بلکہ کا فر بننے والوں کو کا فر بتا دیتے ہیں پس ایک نقطہ کا فرق ہے۔ غرض اسی قسم کے لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ معاشرت دین کا جزو نہیں اور ان کے رد کے لئے یہ آیت بالکل کافی ہے دو طور پر ایک تو یہ کہ ان دونوں حکموں میں امر کا صیغہ آیا ہے جو کہ اصل میں وجوب کے لئے ہوتا ہے اور یہاں کوئی صاف اصل سے نہیں دوسرے اس طرح کہ اس پر ثواب کا وعدہ کیا اور ثواب ہوتا ہے دین کے کام پر پس اس میں اشارہ اس طرف ہوا کہ جس امر کو تم دنیا سمجھتے ہو اس میں بھی اگر امتثال امر کرو گے تو اس پر بھی ثواب کا ثمرہ مرتب ہو گا اور اس سے اطاعت کی فضیلت بھی معلوم ہو گئی کہ اگر ادنیٰ امر میں بھی اطاعت ہو تب بھی ثمرے سے خالی نہیں۔ ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ قبول اعمال کے لئے ایمان شرط ہے کیونکہ بیان جہاد میں الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ (جو لوگ تم میں سے

ایمان لاتے ہیں) فرمایا ہے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ حکم اول میں تو لفظ لکم فرمایا ہے جو کہ عام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں بھی ضمیر لکم سے مراد اہل ایمان ہیں کیونکہ اوپر سے خطاب مومنین ہی کو ہے لیکن چونکہ حکم ثانی میں تخصیص بعد تعمیم کرنا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس لئے الَّذِينَ اٰمَنُوْا کا لفظوں میں آنا مناسب ہوا۔ نیز دوسری آیات سے بھی یہ استنباط صاف معلوم ہوتا ہے۔ تو اس آیت سے اور دوسری آیات سے بھی ثابت ہے کہ بدون ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اس مسئلے سے عوام الناس کے کام کی ایک بات ثابت ہوتی یعنی بعض عوام جو کہ بزرگوں سے ملنے کے شائق رہتے ہیں ان میں کچھ ایسی بے تمیزی ہو گئی ہے کہ تارکِ تعلقات ہندو کو بھی بزرگ سمجھتے ہیں اور ان مسلمانوں کو بھی جو کہ شراب پی کر سکر کی حالت میں یا جنوں کے مرض میں بے ہوش ہاتھ لگتے ہیں ان کو مجذوب سمجھتے ہیں اور ان لوگوں نے مجذوبوں کی ایک عجیب چچان تراشی ہے کہ اگر اس کی پشت کی طرف کھڑے ہو کر درود پڑھا جائے تو وہ فوراً ادھر منہ کر لے سوا اول تو یہ خود اطلاع کی بھی دلیل نہیں ممکن ہے کہ اتفاقاً منہ کر لیا دوسرے زیادہ سے زیادہ اس کے صاحب کشف ہونے کی دلیل ہوگی اور صاحب کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں اگر کافر بھی مجاہدہ دریا صنت کرے تو اس کو کشف ہونے لگتا ہے نیز مجاہدین کو بھی کشف ہوتا ہے چنانچہ صاحب شرح اسباب نے لکھا ہے کہ جنوں کو کشف ہوتا ہے۔ میں نے خود ایک جنون کو دیکھا کہ اس کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا لیکن جب اس کا مہل ہوا تو مادہ کے ساتھ ہی کشف بھی نکل گیا تو کشف بھی دلیل مجذوب ہونے کی نہیں۔ غرض عوام کو یہ معلوم ہونا نہایت دشوار ہے کہ یہ شخص مجذوب ہے اور بالفرض اگر وہ اس علامت سے مجذوب بھی ثابت ہو گئے تو تم نے مجذوب کو تلاش کر لیا اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی بے ادبی کی کہ قصداً اس کی پشت کی طرف درود شریف پڑھا پھر یہ کہ اس کے مجذوب ہونے سے تم کو کیا فائدہ۔ مجذوب سے تو نہ دنیا کا فائدہ ہوتا ہے نہ دین کا دین کا تو اس لئے نہیں کہ وہ تعلیم پر موقوف ہے اور تعلیم اس سے حاصل نہیں ہوتی اور دنیا کا اس لئے نہیں کہ وہ دعا سے ہوتا اور مجذوب دعا کرتے نہیں کیونکہ وہ لوگ اکثر صاحب کشف ہوتے ہیں ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملے میں اس طرح ہو گا تو اس کے موافق دعا کرنا تو تحصیل حاصل ہے اور خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے البتہ وہ کشف کی بنا پر بطور پیشین گوئی کچھ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں معاملے میں یوں ہو گا۔ سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا اس طرح ہو جانا کچھ ان کے کہنے کے سبب نہیں ہوا۔ ہاں سالک سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہ تعلیم بھی ہوتی ہے اور دعا بھی بلکہ مجذوب کے فکر میں پڑنے سے ضرور یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں حاصل یہ کہ غیر مومن کو مقبول سمجھنا بالکل قرآن کا معارضہ ہے لہذا جوگیوں اور جاہل فقیروں کے پیچھے پڑنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ اہل علم عام اہل ایمان سے افضل ہیں کیونکہ مقام مدح میں تخصیص بعد تعمیم بہ قاعدۃ بلاغتاً خود انفضلیت خاص کی دلیل ہوتی ہے اور علماء کی انفضلیت کی تفصیل کا یہ وقت نہیں اگر کوئی دوسرا موقع ملا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بیان کر دیا جائیگا ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ عام اہل ایمان کی اگرچہ وہ جاہل ہوں مقبول ہیں کیونکہ اہل علم سے قبل اہل ایمان کو بھی مقام فضل میں فرمایا ہے لہذا عام مومنین کو بھی حقیر اور ذلیل نہ سمجھنا چاہیے پس ہر صاحب ایمان اگر وہ مصلح ہو مقبول ہے اور مصلح کی قید اس لئے رکائی کہ فسحت اور رفح درجات کو جس سے کہ اہل ایمان کے فضل پر استدلال کیا گیا ہے اطاعت ہی پر مرتب کیا ہے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے تَفَسَّحُوا فِي السَّجَّاسِ أَنْ تَتَفَسَّحُوا

يَفْتِيحُ اللهُ لَكُمْ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانشُرُوا أَنْ تَشْفُرُوا يَرْفَعِ اللهُ لَكُمْ
 در محلوں میں فریاضی کروا اگر کرو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے فریاضی کریں گے اور جب تم سے کہا جائے
 کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ اگر اٹھ گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مرتبہ بلند فرمادینگے مطلب یہ
 ہے کہ جب ان دو امر میں امتثال ہو گا تو یہ مرتبہ طیبکا اور اس مدلول کے
 بیان کرنے سے جیسے اہل علم کی اصلاح کرنا مقصود ہے کہ عوام مؤمنین کو حقیر نہ
 سمجھیں اسی طرح غیر اہل علم میں سے متکبرین کی بھی اصلاح کرنا مقصود ہے کہ ان
 کو بھی جلا ہے تیلیوں کو ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہاں مدار فضل مطلق ایما
 و اطاعت خواہ کوئی قوم ہو۔ ایک مدلول اس آیت کا اور ہے جو کہ ذرا غور کرنے
 سے معلوم ہوتا ہے یعنی فانشُرُوا کے بعد جو ثمرہ مرتب کیا ہے تو ایک خاص عنوان
 سے کیا ہے یعنی اس طرح فرمایا يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
 اور یوں نہیں فرمایا يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ پس اس وضع منظر موضع مضم
 میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ زیادہ دخل اس ترتیبِ رفعت میں ایمان کو ہے
 پس اس سے یہ بات نکل آئی کہ اگر کوئی مؤمن پورا مطیع نہ ہو مگر مؤمن ہو تو
 وہ بھی عند اللہ ایک گونہ رفعت سے خالی نہیں تو جو لوگ عاصی مؤمن ہیں ان کو
 بھی ذلیل نہ سمجھو البتہ اگر خدا کے لئے اپران کے سوا اعمال کے سبب غصہ کرو
 تو جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمدردی اور رحم ہونا بھی ضروری ہے نفسانی
 غیظ اور کبر نہ ہو اور ان میں فرق کے لئے میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا
 ہوں جس کو میرے ایک دوست نے بہت پسند کیا اور ان ہی کی پسند سے
 مجھے بھی اس کی بہت قدر ہوئی یعنی معمولی قصوں میں غصہ دو موقعوں پر آتا ہے
 ایک تو اجنبی پر اور ایک اپنے بیٹے پر۔ سوا جنبی سے تو اس کی شرارت پر
 نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور اگر اپنا بیٹا وہی حرکت کرے تو اس سے
 نفرت نہیں ہوتی بلکہ شفقت کے ساتھ تاسف ہوتا ہے اس کے لئے دُعا
 کرتا ہے دوسروں سے دُعا کراتا ہے اس کی حالت پر دل کڑھتا ہے اور

غصہ جو ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ شفقت ملی ہوتی ہے۔ پس اخوة اسلامیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اجنبی عاصی کے ساتھ بھی بیٹے کا سا برتاؤ رکھنا چاہیے یعنی اگر کبھی اس پر غصہ آئے اور خیال ہو کہ یہ غصہ خدا کے لئے ہے اس میں نفس کی آمیزش نہیں تو اس وقت دیکھنا چاہیے کہ اگر میرا بیٹا اس حالت میں مبتلا ہوتا تو اس پر مجھے اسی قسم کا غصہ آتا یا نہیں اگر قلب سے نفی میں جواب آئے تو سمجھے کہ یہ غصہ خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ ترفع کا غصہ ہے اور یہ اس شخص کی معصیت سے بھلی بڑھکر معصیت ہے اور خوف کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر ایک گنہگار اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایک مطیع اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ مقہور ہو جاتا ہے۔ سو نہ تو خدا پر ناز کرنا چاہیے اور نہ نا امید ہونا چاہیے۔ غرض تحقیق تو کسی مسلمان کی کرے نہیں لیکن غیظ و غضب جس کا منشا بغض فی اللہ اور رحم و ہمدردی ہو اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی۔ کبر و عجب تو خدا تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ ہمارے ہاں ایک لڑکی تھی نماز روزے کی پابند اب اس کا انتقال ہو گیا ہے اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہو گئی جو کہ اس قدر پابند نہ تھا ایک روز کہتی ہے کہ اللہ کی شان میں ایسی پرہیزگار پارسا اور میرا نکاح ایسے شخص سے ہو۔ صاحبو! کتنی حماقت کی بات ہے کیونکہ اگر کوئی بزرگ بھی ہے تو ناز کس پر کرتا ہے۔ بزرگی پر ناز کرنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ کوئی مریض طبیب کا نسخہ پیکر ناز کرنے لگے کہ ہم ایسے بزرگ ہیں کہ ہم نے دوا پی لی۔ کوئی اس سے پوچھے کہ اگر دوا پی لی

عہ خوب کہاہے۔

نافل مرو کہ مرکب مردان نہدرا در سنگلاخ مادریہ پیا بریدہ اند

نومیدیم مباش کہ رندان ہادہ نوش تاگہ بیک خروش بمنزل رسیداند

تو کس پر احسان کیا نہ پتیا مرض میں گھل گھل کر مرنا اسی طرح اگر کسی نے نماز پڑھی روزہ رکھا تو کس پر احسان کیا اور کیا کمال کیا نہ کرتا جہنم میں پڑتا البتہ بجائے ناز کے خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائی حاصل یہ کہ الَّذِينَ آمَنُوا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گنہگار بھی رفعت عند اللہ سے خالی نہیں۔ ایک مدلول اس آیت کا یہ ہے کہ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الذِّمَّةَ مِنْ تَخْصِيصٍ بَعْدَ تَعْلِيمٍ سے معلوم ہوا کہ قبولِ اعمال کا تفاوتِ خلوص سے ہوتا ہے کیونکہ اہل علم کے درجات میں امتیاز اس خلوص ہی کے سبب سے تو ہوا جیسا اوپر مذکور ہوا ہے اور اس مسئلے کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آج کل لوگ اعمال کے تو شائق ہیں لیکن خلوص کی پروا اکثر نہیں ہوتی۔ حالانکہ خلوص وہ چیز ہے کہ اسی کی بدولت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ اس قدر بلند ہوا کہ ان کا نصف مذبح جو خرچ کرنا اور ہمارا احد پہاڑ برابر سونا خرچ کرنا برابر نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ان کا خلوص بھی صحبت کی برکت سے ہے تو یہ دونوں متلازم ہیں اب خواہ صحبت کو سبب کہہ دیجئے منوہ خلوص کو بالکل وہ حالت ہے کہ

عِبَارَاتُنَا يَشْتِي وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ

فَكُلٌّ إِلَى ذَاكَ الْجَمَالِ يَشِيرُ +

د ہماری تعبیرات مختلف ہیں اور تیسرا حسن ایک ہے ساری تعبیریں اسی (ایک) جمال کی

طرف اشارہ کرتی ہیں)

کہ سب ایک ہی جمال کی تعبیریں ہیں۔ میں نے اپنے پیرو و مرشد سے سنا ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت سے افضل ہے تو وجہ یہی ہے کہ اس کی ایک رکعت میں بوجہ معرفت کے خلوص زیادہ ہوگا۔ اور اسی مدلول پر ایک اور بات بھی متفرع ہوتی ہے یعنی آج کل

اکثر لوگ بعضے انگریزی خوانوں کی تعریف کیا کرتے ہیں کہ یہ اس قدر انگریزی پڑھے ہوئے ہیں لیکن قرآن کے بہت پابند ہیں یا نماز پنجوقتہ پڑھتے ہیں اور ان کی باطنی حالتِ خلوص و غیورہ بہر بالکل نظر نہیں کی جاتی میں بھی مدتوں اس دھوکے میں مبتلا رہا مگر میرے ایک نوجوان دوست نے ایسے لوگوں کی نسبت کہا کہ بعض لوگوں میں دین کی صورت ہوتی ہے مگر دین کی حقیقت نہیں ہوتی یعنی ان کے دلوں میں دین رچا ہوا نہیں ہوتا اسی طرح اس قسم کے لوگوں میں دین کی کوئی عظمت اور محبت نہیں ہوتی گو ظاہری اعمال کے پابند ہوتے ہیں مگر امتحان کے وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کوئی خاص حیثیت و محبت دین کی نہیں اور جب یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں کیونکہ اصل دیندار یہی ہے کہ دل میں دین کی عظمت و محبت گھس گئی ہو اگرچہ شاذ و نادر کسی عارض کی وجہ سے اعمال میں کسی قدر کمی بھی ہو جائے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں **وَ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر نہر دار ہیں۔ اس کو ہر جملے سے تعلق ہے کہ تم ہر حکم کی پابندی کرو اور اس میں کوتاہی نہ ہونے دو کیونکہ خدا تعالیٰ کو تمہارے باطن کی بھی خبر ہے تو خدا تعالیٰ کو اس کی اور فرد گذاشت تک کی بھی اطلاع ہو جائیگی جو تمہاری نیتوں میں بھی ہوگی۔ گویا اس جملہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک مضمون کا مراقبہ سکھلایا ہے کہ اگر اس کو مستحضر رکھیں تو عمل میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ یعنی ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن کو دیکھ رہے ہیں اس کی مزا دلت سے بعد چندے ایک حال پیدا ہوگا اور ذوقاً یہ سمجھنا کہ گویا میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور قرآن و حدیث میں اس قسم کے جتنے مضامین ہیں یہ سب مراقبات ہیں ان میں مبتلا دیا ہے کہ اطاعت کی اصل اور راسخ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ یہ مراقبات مستحضر ہو جائیں کیونکہ جب یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے اس کام کی حاکم کو بھی اطلاع

تو پھر اس میں کوتاہی نہیں ہوا کرتی۔ اور یہ نہایت سہل مراقبہ ہے اس میں
 فی نفسہ کسی شیخ کی کسی خلوت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہر شخص اس سے
 منتفع ہو سکتا ہے لیکن اس وقت کچھ ایسے عوارض ہو گئے ہیں کہ ان کی وجہ سے
 عادت اللہ یوں جاری ہے کہ کسی قدر خلوت کی اور کسی کا رزل شیخ سے مشورے
 کی بھی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت علوم اور اعمال میں ایک گونہ ضعف
 آ گیا ہے تو شیخ اس کی یہ ہے کہ ہر عمل میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو
 راتے کے درست ہونے کی اور دوسرے ہمت کی۔ ہم لوگوں میں دونوں کی
 کمی ہے۔ راتے کی کمی یہ کہ بسا اوقات بعض اعمال کے منشا یا ناشی کے متعلق ہم ایک
 امر کو شر سمجھتے ہیں اور وہ خیر ہوتا ہے اور بسا اوقات کسی امر کو ہم خیر سمجھتے
 ہیں اور وہ شر ہوتا ہے علیٰ ہذا بعض اوقات باوجود درستی راتے کے کسی عمل
 میں ہمت اکثر ٹوٹ جاتی ہے پس شیخ چونکہ صاحب تجربہ و صاحب بصیرت
 ہوتا ہے اس سے راتے کی بھی مدد ملتی ہے اور اس کے کہنے میں کچھ برکت
 ہوتی ہے کہ اس سے ہمت بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کی رسم اصلی جو کچھ
 بھی ہو یہ ضرور قدرتی بات ہے کہ جب کسی کو شیخ بنا لیا جاتا ہے تو اس کی
 مخالفت کم ہوتی ہے۔ تو راتے کے صحیح کرنے کا اور ہمت کے قوی کر دینا
 عادتاً بحسن شیخ بنانے کے اور کوئی ذریعہ نہیں پس بقاعدہ مقدمتہ الواجب
 واجب عمل کے لئے کسی شیخ کا دامن پکڑنا ضرور ہو گا۔ اور شیخ کامل ہونا
 چاہیے اور اس کے پہچاننے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے لہذا اس کی پہچان معلوم
 کرنا ضروری ہے سو پہچان یہ ہے کہ علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو خواہ
 پڑھ کر یا علماء کی صحبت سے عمل میں مستقیم ہو۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر
 طالبین کو کرتا ہو۔ کسی مسلم شیخ سے تعلق رکھتا ہو۔ علماء سے نفور نہ ہو۔ ان سے
 امتداد سے میں عار نہ کرے۔ اس کی صحبت میں رغبت آخرت و نقرہ عن
 الدنیہ کی خاصیت ہو پس جس شخص میں یہ علامتیں ہوں وہ کامل ہے

اس سے ارتباط پیدا کر لے۔ یہ مضامین تھے جو اس وقت بیان کئے جانے
ضروری سمجھے گئے۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق عمل عطا فرمائیں اور حسن خاتمہ آئیں

تہت بالخیرو

بیان المشید از حضرت شیخ احمد کبیر نقاشی قدس سرہ۔ یہ وہ ہستی ہیں کہ آپ نے روضہ
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کیا کہ آپ اپنا مبارک ہاتھ دیکھتے کہ میں اسے
بوسہ دیکر عزت حاصل کروں، اسی وقت روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے دست مبارک چمکتا ہوا
نکلا اور آپ نے اسے بوسہ دیا۔ اس کتاب کے ترجمہ سے حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد خوشی
ہوئی تھی اس کا مطالعہ مبتدیان سلوک کے لئے بہت مفید اور نافع ہے یہ کتاب اس قابل ہے کہ
روزانہ بطور ورد کے پڑھا جاوے یہ معرفت و حقیقت کا نایاب خزانہ ہے امید ہے کہ برادرانِ اسلام
عموماً اور برادرانِ سلسلہ امدادیہ اشرفیہ نقادوی خصوصاً اس کی قدر فرمائیں گے۔ / ۳۰ علاوہ ڈاک خرچ

مُعَلِّمُ الْحِجَاجِ یہ کتاب جس کے پاس ہو تو گویا اس کے ساتھ ایک چلتا پھرتا لٹری ہے جن مسلمانوں
کا ارادہ حج کا ہو وہ آج ہی سے اس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیں تاکہ تمام مسائل
حج اور دعائیں اور طریقے یاد ہو جاویں اور عین وقت پر فریضہ حج ادا کرنے میں سہولت رہے
اور کوئی غلطی نہ ہو جاوے! اس کتاب میں حج کے ہزاروں مسئلے اور باتیں اور دعائیں اور طریقے سب
درج ہیں اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک پانچ دن کا پورا طریقہ
حج شائع کر دیا ہے یوں سمجھئے کہ اگر حاجی حضرات پوری کتاب کا مطالعہ نہ کر سکیں اور صرف یہی مقام
اگر دیکھ لیں تو ان کے سفر حج کا مکمل طریقہ حج اور نیت اور تمام دعائیں شروع ضمیمہ میں ہی مل جائیں گے
RS. ۱۵/-

شَفَاءُ الْعَلِيلِ اُرُو مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے خاندانی عملیات
و تعویذات اور تصوف میں نہایت مستند کارآمد کتاب ہے۔ اہل طریقت کے
لئے یہ کتاب نعمت سے کم نہیں۔
RS. ۱۵/-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَالرُّسُلُ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

وَعَوَاتٍ عِبْدِيتِ جلد پنجم

کا

نوال وعظ ملقب بہ :-

مَنَاحُ الدُّنْيَا

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مآثر نوری رحمۃ اللہ علیہ

تألیف

محمد عبد المسنان غفرلہ

”مکتبہ مآثر نوری“ دفنر الايقاد

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

دَعَوَاتِ عِبَادَتِ جِلْدِ خَمِيسِ

کا

نواں وَعظِ مَلَقِبِ بِہ

مَشَاعُ الدُّنْيَا

اَبْرَاقٌ	مَقَاقِبٌ	كَمَاقِبٌ	كَيْفَاقِبٌ	مَاذَااقِبٌ	مَنْضَبَطٌ	اَلْمُسْتَمِعُونَ	اَمْتِنَاتٌ
آہٹا ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیچکرا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کیس نے لکھا	سایہ کی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون	شب	÷	÷	دنیہ کو اپنا	÷	÷	مستورات میں
مکان جناب	۷ ارشجان	÷	÷	وطن اور	÷	÷	یہ وعظ ہوا تھا
منشی اکبر علی	۱۳۳۰ھ	ایک گھنٹہ	کھڑے ہو کر	قصر آگاہ	سید احمد	تقریباً	جس کا سبب یہ ہوا
صاحب	عجری	÷	÷	نہ سمجھنا چاہیے	تھا لونی	۶۰	تھا کہ وعظ کی
÷ ÷ ÷	÷ ÷ ÷	÷	÷	÷	÷	÷	برادر لونی کی ایک
							نوٹی مرگئی تھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ
اَنْ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ - يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ
اِذَا رَمِلْتُمْ اَلْاَرْضَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اِثْمًا قُلْتُمْ اِنَّا لَرِضٌ اَرْضَيْنٰكُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ دے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین کو سختی سے تھام لیتے ہو۔ کیا تمہیں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پسند ہے سو آخرت کے حساب میں دنیا کی زندگی بالکل کم درجہ ہے، یہ ایک آیت ہے جس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے دین کے ایک خاص کام میں سستی کرنے پر ملامت فرمائی ہے مگر اس وقت اس خاص ہی کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس ملامت کی جو بنا اور علت بیان فرمائی ہے جس کا ذکر آدھنی تم سے شروع ہوتا ہے اس کا بیان کرنا مقصود ہے تاکہ اس کے عموم سے مضمون بھی عام ہو جائے ہر عمل کی کوتاہی کو فرماتے ہیں تم جو دین کے کام میں سستی کرتے ہو کیا حیات دنیا پر راضی ہو گئے ہو اور یہ سستی جو تم میں آگئی ہے تو کیا آخرت کی ذمہ داری اور خیال تم کو نہیں رہا پھر فرماتے ہیں کہ آخرت کے مقابلہ میں حیات دنیا کی متاع تو بالکل ہی قلیل ہے کچھ بھی نہیں اور باوجود اس کے تم پھر دنیا پر راضی ہو یعنی اس سے اتنی محبت ہے کہ اس کو اپنا قرار گاہ سمجھتے ہو اور اسی لئے اس دینی کام سے گھبراتے ہو سو یہ تو ایسی چیز نہیں کہ آدمی اس کی حیات پر راضی ہو جائے یہ ہے مضمون اس علت کا اور اسی کو بیان کرنا مقصود ہے اس کا حاصل اس کے ترجمے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں پر ملامت کر رہے ہیں جنہوں نے دنیا پر قناعت کر لی ہے اور آخرت کو بھول گئے ہیں اور دنیا کو محبوب سمجھتے ہیں یہ مسلمان ایسا تو کوئی نہیں ہے کہ اس کا یہ عقیدہ ہو کہ آخرت کوئی چیز نہیں مگر حالت ضروری ہے کہ ان کے برتاؤ اور معاملات سے ایسا ہی مظلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی منکر ہو کیونکہ جتنی محبت دنیا کی ہے آخرت کی وہ محبت اور اس کا آنا شوق نہیں ہے چنانچہ دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیں کہ دنیا میں قیام کی بابت ہم لوگ کیا کیا خیالات پکھلتے ہیں کہ ہم یوں رہیں گے یوں بسیں گے بہو آئے گی جاؤاد ہوگی یوں ہم ملازم ہوں گے ڈپٹی کلر ہوں گے وغیرہ وغیرہ اب انصاف سے دیکھ لو کہ آخرت کے متعلق بھی ایسی امنگیں ہونی ہیں کہ مر جائیں گے تو خدا کے سامنے جاؤیں گے یوں جنت ہوگی اس میں باغات اور مکانات ہوں گے یوں حوریں ہوں گی غالباً کبھی

بھی یہ امنیگر نہیں ہوتیں بلکہ خیال بھی بہت ہی کم آتا ہے۔ تو دنیا کی جس قدر محبت ہے نہ آخرت کی وہ محبت اتنا نہ وہاں جانے کا اتنا شوق اور اگر ہوتی تو جیسے یہاں کی زندگی کے متعلق دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں وہاں کی زندگی کے متعلق بھی تو ہوتے اور جیسے دنیاوی امور میں غلطاں پچاں رہتے ہیں اور یہاں کی خوشیوں میں کچے رہتے ہیں ایسا ہی امور آخرت کے متعلق بھی تو کچھ ہوتا ہو بعض تو ایسے ہیں کہ وہ دنیا کی خوشیاں مناتے ہیں اور آخرت کی امنگ کبھی خواب میں بھی نہیں آتی اور بعض ایسے ہیں جن کے پاس دنیاوی خوشی کا کوئی سامان نہیں اور اس لئے وہ ہمیشہ غمزدہ رہتے ہیں اور ان کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی وہ شاید میرے جواب میں یوں کہیں کہ صاحب ہم تو دنیا کی خوشیاں نہیں مناتے بلکہ ہم تو یہ سوچا کرتے ہیں کہ کوئی والی نہیں وارث نہیں یہ زندگی کیسے کٹے گی تو میں دوزخ میں کہوں گا کہ جھکوان کی یہ شکایت ہے کہ جیسے تم نے دنیاوی زندگی کو سوچا کبھی آخرت کی زندگی کو بھی سوچا اور وہاں کی مصیبت کا بھی خیال کیا کہ وہ زندگی کیسے کٹے گی دوزخ میں جانا پڑا تو وہ مصیبت کیونکر سہی جائے گی پھر جیسے یہاں کی تکلیف کو سوچ کر تدبیر سوچتے ہو کہ شاید فلاں تدبیر سے یہ مصیبت کٹ جائے یا فلاں تدبیر سے مشکل آسان ہو جائے ایسے کبھی آخرت کی مصیبت کو بھی سوچا ہے حالانکہ دنیا کے مصائب تو بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کی کوئی تدبیر ہی نہیں ہے اور اس لئے اس کو سوچنا عبث ہے مگر پھر سوچتے ہو اور آخرت کی تو کوئی مصیبت بھی ایسی نہیں ہے جو علاج ہو بلکہ اس کی ہر مصیبت کی تدبیر موجود ہے مگر پھر بھی اس کا نہ ذکر نہ فکر اور اگر بعض ایسے لوگ ہوئے بھی کہ وہ کبھی علی بن ابی طالب کے ذکر کر دیتے ہوں اور اس لئے سمجھتے ہوں کہ ہم کو دین کی فکر ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے دیکھو اگر کسی کے پاس آٹا بھی ہو اور تو ابھی ہا لکڑیاں بھی ہوں اور پکائے نہیں مگر ان سب سامانوں کا ذکر کرتا رہے اور سوچتا رہے تو اس ذکر سے اور اس سوچنے سے کیا ہوتا ہے تدبیر تو یہ ہے کہ تمہارا کر کے اٹھے اور پکانا شروع کر دے اور جب بھوک لگے کھالے تو آخرت کی فکر بھی یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ میں دوزخ کا خدا کا سامنا ہو گا یوں عذاب ہو گا اور یہ سوچ کر عذاب سے بچنے اور نجات

حاصل کرنے کے لئے تدابیر شروع کر دے۔ شیطان نے بہت سے لوگوں کو بہکا رکھا ہے کہ گاہ گاہ ان کو اس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ دل میں ڈال دیتا ہے کہ تم کو دین کی بہت فکر ہے۔ صاحبو! اگر تمہارے پاس سامان نہ ہوتا تو اتنا ہی نصیحت تھا لیکن جب خدا نے ادا وہ یا بہت دی بھلے برے کی پہچان دی پھر کیا وجہ کہ دنیا کے معاملات میں تو نری فکر پر بس نہیں کیا جاتا اور دین کے کام میں نری فکر کو کافی سمجھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں واقع میں آخرت کا خیال ہی نہیں ہے بہ حال اگر کوئی کہے کہ دنیا کی خوشیاں کیوں نہیں منائی جاتیں اور اگر کوئی دنیا کے غم میں رہتا ہے تو اس کی یہ شکایت ہے کہ آخرت کا غم کیوں نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی خوشی منانے والا کہے کہ آخرت کی خوشی کہاں سے منائیں اس کی ہمیں امید ہی کہاں ہے ہم تو گنہگار ہیں اور دنیا کی خوشی تو حاضر ہے اس کو کیسے نہ منائیں تو یہ شیطان کا دھوکہ ہے اس میں دو دعوے ہیں اور دونوں غلط ہیں یعنی اول بھی غلط کہ دنیا کی خوشی حاضر ہے دوسرا بھی غلط کہ آخرت کی خوشی کہاں ہے پہلا تو اس لئے غلط کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یوں بیٹا ہو گا یوں چین کریں گے تو یہ تمہارے قبضہ میں کہاں ہے ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ وہ سچے کچھ ہیں اور موتا کچھ ہے پھر اگر خوشی ہوتی بھی ہے تو تجربہ یہ ہے کہ تمنا میں ہمیشہ عدد میں حاصل سے بڑھی ہوتی ہوتی ہیں یعنی حاصل ہوتا ہے کم اور تمنا ہوتی ہے زیادہ تو جس کی تمنا جس قدر زیادہ ہوگی وہ ہمیشہ اسی قدر زیادہ غم میں رہے گا اللہ نلے البتہ خوش رہتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا کی کچھ تمنا ہی نہیں کرتے اولاد ہوتی اس پر خوش ہیں نہ ہوتی اس پر خوش ہیں ہر حال میں ماضی ہیں اور دنیا داروں کو خوشی کہاں واللہ راحت جس چیز کا نام ہے اگر وہ حاصل نہ ہوتی تو پھر اس کا جتنا سامان ہو گا زیادہ موجب تکلیف اور موجب حسرت ہو گا۔ لوگ روپے پیسے کو راحت سمجھتے ہیں حالانکہ کھانا روپیہ پیسہ نہیں ہے ورنہ چاہیے تھا کہ صندوق کو زیادہ لذت ہوتی مگر یہ لوگ صندوق سے بھی زیادہ بدتر ہیں کیونکہ اس کو ادراک الم کا تو نہیں ہے اور یہ لوگ تو آلام میں مبتلا ہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا دار بہت ہی کم آرام میں ہیں غرض دنیا میں

کہیں خوشی نہیں ہے اور دوسری بات کہ آخرت میں کوئی خوشی ہے اس لئے غلط ہے۔
 کہ وہ بعد و بعد الہیہ بالکل تمہارے اختیار میں ہے۔ چنانچہ دنیا کی خوشی تو کبھی کبھی
 حاصل بھی نہیں ہوتی کہ ساری عمر چل ہو اور نہ ہو اور آخرت کی کوئی حاجت بھی ایسی
 نہیں ہے کہ وہ اختیار ہی نہ ہو خدا کی یہ رحمت ہے کہ آخرت کی کتنی ہی بڑی سے بڑی
 تمنا ہو مگر وہ ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز
 ضرور پوری ہوتی ہے مثلاً اگر چھوٹے درجے کا آدمی جیسے عاصی گنہگار بڑے درجے
 میں جانا چاہتے مثلاً حضرت جنید رحمۃ اللہ کے درجے میں تو جا سکتا ہے اس طرح سے کہ
 اپنے اعمال میں ترقی کر لے۔ تو بس وہاں تو خوشی ہی خوشی ہے جو بالکل اپنے اختیار میں
 ہے تو اس کی فکر کرو اور اس کی اُمٹگیں پیدا کرو اور اس کی تدبیر کرو یعنی معصیت
 کو چھوڑ دو نمازیں پڑھو جو اب تک چھوٹ گئی ہیں ان کی قضا کرو و زکوٰۃ دو اس کے
 بعد سب خوش تمہارے ہی واسطے ہے اس کے بعد حق ہے کہ خوشی مناؤ اسی طرح اگر کوئی
 مصیبت زدہ کہے کہ یہاں کی مصیبت تو حاضر ہے اس لئے اس کا اہتمام ہے اور وہاں
 تو اللہ غفور رحیم ہے پھر کیوں غم کریں تو سمجھ لو کہ یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے غفور رحیم
 نے یہ وعدہ کہاں کیا ہے کہ خواہ تم کچھ ہی کرو میں تم کو جنت میں بلا عقوبت اویل
 ہی بار داخل کروں گا فرض نہ آخرت کی نعمت کو کوئی سوچتا ہے نہ وہاں کی
 مصیبت کو جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے دنیا کو گھر بنا رکھا ہے۔

اے مسلمانوں تمہارا وطن آخرت ہے مگر تم نے اپنے لئے دنیا کو وطن بنا رکھا ہے
 اور اپنے لئے اودھاپنے ہر عزیز کے لئے دنیا ہی دینا چاہتے ہو میری ایک خاندانی بزرگ
 بی بی نے مجھ کو ایک بار یہ دعا دی تھی کہ اللہ کرے اس کا بھی دنیا میں سا بھا ہو کیسے گندہ
 عنوان سے دعا کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اب تو دین ہی دین ہے خدا کرے دنیا میں
 بھی پھینے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز تھی اس لئے یہ چاہا کہ
 ہمارے پیارے بھی اس میں پھنسیں! تاہم اللہ الخ کیسے غضب کی بات ہے اور اس کے ساتھ
 یہ بھی سمجھ لو کہ سارے غم اس سے ہیں کہ دنیا کو گھر بنا رکھا ہے۔ ورنہ اگر اس کو گھر نہ سمجھتے

تو کوئی بھی غم نہ ہوتا۔ دیکھو جب کسی سفر میں جاتے ہیں اور کسی سرے میں قیام ہوتا ہے تو وہاں کی چار پائی میں کیسے کھٹل ہوتے ہیں کبھی چار پائی ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے مگر سوچتے ہو کہ ایک شب تو قیام ہی کرنا ہے جس طرح ہو گذارو اور ایک شب کی تکلیف ہی کیا پھر تو گھر پہنچ جائیں گے غرض سرے کی تکلیف اس لئے تکلیف نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو گھر نہیں سمجھا ہی حال دنیا کی تکلیفوں کا ہے سو اگر آپ دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے تو اسی طرح اس کے ساتھ بھی برتاؤ ہونا ہرگز اس کے متعلق ہر وقت تذکرہ نہ ہوتا نہ اس کا اس قدر سلسلہ گھسیٹتے بلکہ ہر بات میں زبان پر یہ ہوتا کہ ہمارا گھر آخرت ہے وہاں چین و آرام کرنیچے یہاں کی ذرا سی تکلیف کا کیا ہے حالانکہ ہم کو کبھی بھی یہ خیال نہیں ہوتا۔ خاص کر عورتیں کہ اگر کوئی غم اپنا آجائے تو وہ حالت ہوتی ہے کہ گویا کبھی خدا تعالیٰ کی کوئی نعمت ہی ان پر نہیں ہوئی اور اس وقت ان کو بجز اس مصیبت کے تذکرے کے کوئی کام کوئی قصہ نہیں ہوتا گویا یہی ان کا دین ہے یہی دنیا ہے اور کم و بیش مرد بھی اس میں مبتلا ہیں کہ ان کو بھی آخرت یاد نہیں رہتی ورنہ اگر آخرت یاد ہو تو دنیا کی کوئی تکلیف سرے کی دو روزہ تکلیف سے زیادہ نہیں ستا سکتی تھی۔ اور اپنے وطن اصلی کو یاد کر کے راحت ہو جایا کرتی خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت ہوتی مثلاً اس شخص کا کوئی پیارا بچہ مرحلہ ماتب بھی اس کو پریشانی نہ ہوتی اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً اگر کوئی سفر میں ہو اور اس کا کوئی بچہ گم ہو جائے اور اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا بچہ وہاں چلا گیا ہے جہاں میرا گھر ہے اور جہاں میں بھی جسا رہا ہوں تو کیا وہ روتے پٹیگا ہرگز نہیں بلکہ اس کو یہ سنکر اطمینان ہو جائے گا اور سمجھیں گا کہ اب کوئی دن میں میں بھی اُس سے جا کر مل لوں گا۔ تو اگر ہم آخرت کو اپنا وطن سمجھتے تو اولاد کے جاتے رہنے پر اتنا بڑا قصہ لیکر نہ بیٹھا کرتے۔ ہاں جدائی کا غم ہوتا ہے سو اس کا کچھ مضائقہ نہیں اس کی اجازت ہے۔ لیکن جیسے جدائی کا غم ہوتا ہے تسلی بھی تو ہوتی چاہتے کہ وہ اپنی راحت کی جگہ پہنچ گیا اپنے گھر پہنچ گیا

ہم بھی وہیں جائیں گے اور مل لیں گے خدا تعالیٰ نے یہی مضمون اس آیت کے دوسرے جملے میں سکھایا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی جو چیز گئی وہ خدا کے پاس گئی اور ہم بھی خدا کے پاس جائیں گے اور سب کے سب وہیں جمع ہو جائیں گے تو اس کو سوچ کر تھکی ہوئی چاہیے تھی اگر آخرت کو گھر سمجھتے ہیں اب تو وہ مارو جا رہے ہوتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ نے ان کی جائیداد چھین لی۔ غرض یہ ہے کہ یوں ہونا چاہیے تھا جیسے دنیا کی مثال میں سمجھا دیا کہ جب ایسا نہیں ہوتا تو اس سے سمجھ میں آیا ہو گا کہ اولاد کے مرنے کا ایسا غم بھی اسی لئے ہوتا ہے کہ دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں پس بڑی بھاری غلطی ہماری یہ ثابت ہوئی کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے اسی لئے یہاں سے جدا ہونیکا رنج و غم ہوتا ہے ورنہ جب آدمی سفر میں جاتا ہے تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں رُوح فنا ہوتی ہے اور یہ حالت دنیا داروں ہی کی ہے کیونکہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کو اس کا ذرا بھی غم نہیں ہوتا اور ان کو نہ اپنے مرنے کی پروا ہوتی ہے نہ اولاد کے مرنے کی پروا ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض وفد توجہ نہ کرنا کہ ان کے سنگدل ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ان سے زیادہ تو کوئی رسول ہی نہیں ہوتا مگر اس پریشانی نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اس لئے ان کو اولاد کے مرنے کا غم اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ سرلانے سے لڑکے کے گھر چلے جانے پر مسافر باپ کو ہوتا ہے کہ ایک گورنمنٹ وقت سے تعلق ہوا پس زیادہ نہیں کیونکہ وہ آخرت کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں جس طرح عورت ہے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے گھر کے قریب پہنچ کر خوشیاں مناتی جاتی ہیں چنانچہ اس خوشی کو ایک بزرگ کہتے ہیں کہ

خرم آں روزگزیں منزل ویراں بزم راحت جاں طلبم وز پنے جاناں بروم

نذر کروم کہ اگر آپ بسر ایسا غم رونے تا دیر میگذرہ شادان و غزلخواں بروم

وہ دن بڑی خوشی کا دن ہو گا جس دن کہ میں اس ویران منزل سے

کو چ کروں گا راحت جان تلاش کروں گا اور محبوب کی طرف جاؤں گا۔ میں نے

نذر مانی ہے کہ اگر یہ غم کسی دن مجھے ہو گا تو میں میسکدے کے دروازے تک

اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (قدس سرہ) کا ندھلوی سے ایک شخص نے کہا کہ

حضرت اب تو آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ نے وارثی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ

ابا فریب وقت آیا مگر ان حکایات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کو اعمال پر یا قبول

ہونے پر ناز ہوتا ہے اس لئے احتمال مواخذہ ہونے سے خوش رہتے ہیں استغفر اللہ

ناز کی مجال کس کو ہے بلکہ وہ خوشی صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ آخرت

کو اپنا گھر سمجھتے ہیں یہی بات کہ ان کو دار و گیر کا اندیشہ ہوتا ہے یا نہیں تو سمجھو

کہ اندیشہ ضرور ہوتا ہے لیکن رحمت خداوندی سے امید بھی ہوتی ہے کہ انشاء اللہ

تعلے پھر چھوٹ جائینگے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کا گھر ٹوٹا پھوٹا پڑا ہو اور

سرانے نہایت پختہ ہو تو وہ اپنے گھر ہی کو پسند کریگا اور سوچے گا کہ اگرچہ

اس وقت میرا گھر ٹوٹا پھوٹا ہے لیکن میں انشاء اللہ تعلے پھر اس کو پختہ کر لوں گا

اسی طرح اگرچہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے مگر جانتے ہیں کہ ایمان کی سلامتی ہے تو ضرور

رحمت ہوگی۔ عرض وطن سے طبعی محبت ہوتی ہے گو وہاں کچھ تکلیف بھی ہو تو

کوئی یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ ان کو ناز ہوتا ہے۔ فرض حقیقت واقعی یہ ہے جو

مذکور ہوئی اس کو اگر کوئی سمجھ جائے تو ہزاروں غم کم ہو جائیں اور دنیا کی

تمام ہوسیں فنا ہو جائیں۔ ہم جو دنیا میں چلتے ہیں کہ یہ بھی ہو جائے وہ بھی

ہو جائے یہ ایسا ہے جیسے کوئی سرانے میں یہ تمنا کرے کہ یہاں جھاڑ اور فانوس سب

لگا دیئے جائیں اور پھر اپنی کمائی سے خرید کر لگا بھی دے تو ظاہر ہے کہ کتنی بڑی حماقت

ہے خاص کر جبکہ یہ بھی حکم ہو کہ مثلاً چار دن سے زیادہ کوئی اس سرانے میں قیام

نہیں کر سکیگا اس وقت تو اپنی کمافی وہاں کی تزیین میں لگانا پورا غفل و ماعہ ہے اور
 دنیا ایسی ہی محدود القیام سرائے ہے کہ اس حد کے بعد بلا اختیار یہاں سے نکل جانا
 پڑیگا اول تو سرائے میں اگر قیام اختیاری بھی ہو تب بھی یہی ہونا چاہیے کہ اس کے ساتھ
 گھر کا سامعہ نہ کرے اور جب اختیاری بھی نہ ہو تب تو ہرگز بھی اس میں دل نہ
 لگانا چاہیے بلکہ اس سے توحش اور ضیق رہنا چاہیے اور یہی معنی ہیں میرے نزدیک
 الدنیا سجن المؤمن دنیا مؤمن کا قیہ خانہ ہے کے۔ لوگوں نے اس حدیث کے مختلف
 معنی کہے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جیسا خانہ تکلیف وغیرہ کی وجہ سے نہیں فرمایا کیونکہ بعض
 مومنین کو دنیا میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اس لئے فرمایا کہ جیسا خانہ میں کبھی جی نہیں
 لگا کرتا اگرچہ کیسا ہی عیش ہو تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں اس کا جی نہ لگے اگرچہ
 یہ ظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے اور وہ گھر نہیں ہے۔
 پھر حیب جی نہ لگیگا تو کیوں ہوسیں ہوں گی اور کیوں سوچیں گے کہ یوں ہو اور یہ ہو اور وہ
 ہو بلکہ اب یہ سوچیں گے کہ دنیا تو پر دس ہے یہاں جس طرح سے بھی دن گذر جائیں اور
 دنیا کے سوچ کے بجائے اب یہ ہو گا کہ آخرت کی سوچ ہو گی کہ اس کے لئے یہ
 سامان ہونا چاہیے اور یہ فکر ہونا چاہیے اپنے نفس کی اصلاح ہونی چاہیے اور یہ
 سوچے کہ اگر یہ سامان ہو گیا تو پھر یوں بہار ہو گی اور یوں عیش ہو گا ورنہ یوں
 مصیبت ہو گی یوں پریشانی ہو گی اب غور کر کے دیکھ لو کہ کتنے آدمی ہیں جو یہ
 سوچتے ہیں تو کہتا ہوں کہ دنیا دار تو الگ رہے دینداروں کو بھی آخرت کے
 تعلق کبھی نہ اُمکیں پیدا ہوتی ہیں نہ اندیشے۔ خدا تعالیٰ صاف فرماتے ہیں یَا
 أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَسْنُ نَقُوتُ نَفْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لِخَدِّقُوا اللَّهَ لَعَلَّ
 ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چاہیے کہ دیکھ نفس کہ اُس نے کل کے لئے کیا بیجا ہے اور
 اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ دیکھو ایک دن کا سفر ہوتا ہے تو اُس میں ناشتہ بھی ہمراہ لیا جاتا
 ہے اور سامان بھی ہوتا ہے آخرت کا اتنا بڑا سفر درپیش ہے اس کے لئے کیا زاد راہ تیار
 کر رکھا ہے بالخصوص جبکہ وہ وطن اور گھر بھی ہے کہ اس صورت میں تو اس کے لئے

بہت کچھ سامان کرنا چاہتے تھے یعنی قطع سفر کے لئے زاوا اور ناشتہ اور گھر پر بیٹھنے کے لئے کماٹی اور ذخیرہ پس ایک اثر تو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیے تھا۔ ایک دوسرا اثر اس کے گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیے تھا کہ دنیا کے حوادث سے غم نہ ہوتا نہ اپنے واسطے اور نہ لگے لگے کے واسطے۔ گھر تو وہاں ہے۔ اب جو موت سے ہم کو موت آتی ہے یہ صرف اسی لئے کہ اس کو گھر نہیں سمجھتے بلکہ موت کے خیال سے ایسی حالت ہوتی ہے جیسے کسی کو جیلخانے میں لیجاتے ہوں۔ ہمارے حضرت (حاجی صاحب) رحمۃ اللہ کے پاس ایک بوڑھا شخص آیا کہنے لگا کہ میری بیوی مرقی ہے حضرت فرمانے لگے کہ اچھا ہوا جیلخانے سے چھوٹی ہے اور پھر فرمایا کہ یہ کیوں غم کرتا ہے تو بھی چلا جائے گا کہنے لگا روٹی کون پکا ٹیگا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ماں کے پیٹ سے وہی روٹی پکاتی ہوتی آتی تھی۔ تو موت کے متعلق اس تمام تر کرب و رنج کی وجہ یہی ہے کہ ہم لوگ آخرت کو بھولے ہوتے ہیں ورنہ اگر وہ یاد ہوتی تو موت کا کیا غم ہوتا۔ اور ایک اثر آخرت کو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیے تھا کہ کسی سے صداقت اور رنج نہ ہوتا اگرچہ معمولی طور پر کسی بات میں لڑائی بھی ہو جا یا کرتی دیکھو ریل میں مسافروں میں لڑائی تو ہوتی ہے مگر یہ نہیں۔ تاکہ اپنے سفر کے سامان کو چھوڑ کر کسی سے الجھنے لگیں کیونکہ جانتے ہیں کہ اس سے سفر کھوٹا ہوگا مگر اس طرح سے دنیا کے فضول قسموں میں بھی کسی نے سوچا ہے کہ ان میں پھنسنے سے آخرت کا سفر کھوٹا ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کو گھر نہیں سمجھتے۔ نیز اگر آخرت کو اپنا گھر سمجھتے تو دنیا کے ساز و سامان پر اترا یا نہ کرتے چنانچہ اگر سفر میں کہیں بیچ بند کساہا پلنگ ملے تو کوئی بھی اس پر نہیں اترا تا کیونکہ جانتا ہے کہ یہ تو مانگی ہوئی چیز ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے پاس چاہیے ہوں تو ہم ان پر اتراتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہم دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے دلائل اس کے ہیں کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے یہی بڑی خرابی ہے اور اسی سے آخرت کے کاموں میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے یہ تو ہماری حالتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے آخرت کو اپنا گھر نہیں سمجھا۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھئے کہ انہوں نے کیسی کیسی سختی اٹھائی لیکن

ان کو کبھی ہراس نہیں ہوا اور ان غیبتوں سے تو ان کو کیا اثر ہوتا جو سب سے بڑی سختی ہے موت۔ وہ اس کے مشتاق رہتے تھے کہ کونسا وقت ہوگا کہ ہم یہاں سے چھوٹیں گے۔ وہ حضرات کمانے بھی تھے۔ لیکن لاچاری کو جیسے بڑی زبردستی سے کوئی کام کرتا ہے پس وہ حضرات آخرت کو اپنا گھر سمجھتے تھے اور یہ اس کے آثار تھے اور میں جو کہتا ہوں کہ دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا مت کماؤ دنیا کے کمانے کا مضائقہ نہیں مگر یہ نہ ہو کہ اس میں بالکل کھپ جاؤ جیسے ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ گویا خدا تعالیٰ سے کوئی واسطہ ہی ہم کو نہیں مثلاً جب کپڑے لے کر پسند کرنے بیٹھیں گے تو معلوم ہوگا کہ گویا ان کا یہی دین اور یہی ایمان ہے۔ جب زیور کے پیچھے پڑیں گے تو اس طرح کہ بس وہی دل میں بسا ہوگا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں دنیا کا کام کرنے سے منع نہیں کرتا مگر یہ کہتا ہوں کہ اس میں دل نہ لگاؤ۔ کام سب کرو مگر حجبی اترا ہوا ہونا چاہئے۔ دل کا کھپاؤ تا یہی زہر ہے یہ وہ بلا ہے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ مرنے وقت یہی غالب نہ ہو جائے اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وقت بالکل بے تعلقی نہ ہو جائے لہذا جہاں تک ہو اس کی کوشش کرو کہ دنیا میں دل لگا ہوا نہ ہو۔ دل کو خدا تعالیٰ ہی میں لگاؤ ہاتھ سے کام کرو کچھ حرج نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں سب کام کر لیتے تھے لیکن جب اذان ہوتی تو یہ حالت ہوتی کہ قام کاغذ لا یحرفنا (اس طرح کھڑے ہونے جیسے کہ ہم کو پہچانتے ہی نہیں) اور ہم لوگوں کی اور بالخصوص عورتوں کی یہ حالت ہے کہ اگر مثلاً سینے میں لگیں تو نہ نماز کی فکر ہے نہ روزے کی۔ اسی طرح دنیا کے ہر کام میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دین کی کچھ خبر ہی نہیں۔ اور یہ دین کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ افسوس کیا دین ایسی بے فکری کی چیز ہے یہ معاملہ تو دنیا کے ساتھ ہونا چاہئے تھا خوب کہا ہے۔

غم وین خورد کہ غم غم وین سست و ہمہ غمها فرد ترا ز این سست

غم دنیا خورد کہ یہ ہودہ است بیچ کس در جہاں نیا سودہ است

(دین کا غم کھا سوجھ سے کہ غم (در حقیقت) دین کا غم ہے اور تمام غم اس سے کم تر ہیں)

دنیا کا غم مت کھا اس وجہ سے کہ وہ یہود و غم ہے کوئی شخص بھی دنیا میں آرام سے نہیں رہتا
واقعی یہاں کا غم ہی کیا؟ یہاں کے غم کی تو ایسی حالت ہے جیسے خواب کا غم
سو خواب میں اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے اور اسی
وقت آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ ایک نہایت عمدہ سیج بند کے ہوتے پلنگ
پر آرام کر رہا ہے اور بہت بڑا محل ہے لوگ ادھر ادھر کھڑے جھک جھک کر
سلام کر رہے ہیں تو کیا اس شخص کے ذہن میں وہ خواب رہیگا ہرگز نہیں اسی طرح
یہاں کی خوشی بھی خواب کی سی خوشی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ
میں تخت سلطنت پر متمکن ہوں اور آنکھ کھل جائے تو دیکھے کہ چاروں طرف
پولیس کے سپاہی پٹریاں لئے کھڑے ہیں اور اس کو جیلخانہ لیجانا چاہتے ہیں تو کیا
اس خواب کی بادشاہت سے اس کو کچھ راحت پہونچے گی ہرگز نہیں۔ بس یہی حالت
ہے دنیا کے غم اور دنیا کی خوشی کی کہ اگر خدا کے سامنے خوش گیا تو یہاں کے عمر بھر
کے غم و رنج کچھ بھی نہیں رہیں اور اگر خدا کے سامنے غمزدہ گیا تو یہاں کی عمر بھر
کی خوشی بھی خاک ہے مگر اب لوگ اس خواب و خیال کو حقیقی غم اور خوشی
سمجھتے ہیں جس کی وجہ بس وہی ہے کہ جس کا بیان کر رہا ہوں کہ دنیا کو اپنا گھر
سمجھ رکھا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بس یہ بات نہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ
ان حضرات میں نہ تکبر تھا نہ شیخی تھی اور نہ وہ کسی مخلوق سے ڈرتے تھے۔ اس لئے
کہ خدا کھالے سے لولگاتے ہوئے تھے۔ ہر وقت وقت آخر کے منتظر تھے۔ اور
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو بڑی شان ہے اولیاء اللہ کی یہی حالت ہوتی ہے۔
حضرت شیخ عبد القدوس دکنگاہی، قدس سرہ پر جب فقر و فاقہ ہوتا اور
بیوی کٹی کٹی وقت کے بعد بہت پریشان ہو کر شکایت کرتیں تو آپ فرماتے کہ
اب عنقریب ہم کو جنت میں ملنے والا ہے وہاں ہمارے لئے عمدہ عمدہ کھانے
تیار ہو رہے ہیں وہ بھی ایسی نیکی جنت تھیں کہ فوراً ہی مان جائیں آجکل کی بیویاں
نہ ہوتیں بعض تو اس وقت ایسی ہیں کہ عجیب نہیں یوں کہتیں کہ بس وہ نعمتیں تم ہی

بیٹو مجھے تو یہاں لا دو جس سے پیٹ بھرے مگر ان بے شہی خدا کی یہ حالت
 تھی کہ ان کے پاس زیور تو کیا ہوتا صرف ایک چاندی کا ہار تھا اور وہ بھی
 اس لئے رکھا تھا کہ مولانا رکن الدین یعنی صاحبزادے کے نکاح میں اگر دو چار
 مہمان آگئے تو ان کو ایک دو وقت کھانا کھلا دیں گے مگر حضرت شیخ کو
 وہ بھی ناگوار تھا اور ہمیشہ اس کے جدا کرنے کا تقاضا فرماتے اور وہ یہ
 عذر کرتیں۔ تو دیکھتے یہ نہیں کہا کہ آخر کچھ تو میرے ناک کان میں ہونا چاہیے
 آخر عورت ہوں۔ سبحان اللہ وہ حضرات کیسے قانع اور صابر تھے۔ تو ان
 حضرات کی یہ حالت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ دنیا کو اپنا گھر نہیں
 سمجھتے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو ان کو غم بھی
 نہیں ہوتا۔ کیونکہ غم خلاف امید ہونے سے ہوتا ہے تو جو شخص کسی چیز
 کے بارے میں یہ امید رکھے کہ یہ ہم سے جدا نہ ہوگی اس کو اس چیز کے
 جدا ہونے کا غم ہوگا۔ ورنہ کوئی بھی غم نہ ہونا چاہیے ہاں طبیعی رنج و بری
 بات ہے میں پریشانی کے غم کی نفی کر رہا ہوں۔ یہ ہے فرق ان لوگوں میں جو دنیا
 کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور ان میں جو دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتے۔ اسی کو خدا
 تعالیٰ فرماتے ہیں اَرْضِيْنٰكُمْ بِالْحَيٰرَةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوَةِ
 الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ساری خواہوں
 کی جڑ دنیا کی محبت ہے اس کو دل سے نکالنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے
 کہ آخرت کو کثرت سے یاد کیا جائے اس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائیگی
 اور آخرت کی نعمت کی محبت اور آخرت کے عذاب سے خوف یوں پیدا
 کرو کہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ ہم کو مرنا ہے اور خدا کے سامنے جانا ہے پھر
 ایک دن ہمارا حساب ہوگا اگر اچھی حالت ہے تو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی
 ورنہ سخت سخت عذاب ہوں گے اور نفس سے کہا کرو کہ لے نفس
 تو دنیا کو پھوڑنے والا ہے قبر میں تجھ سے سوال ہوگا اگر اچھے جواب

وے سکا تو ابد الابد کا چین ہے ورنہ سدا کی تکلیف ہے پھر تجھے قیامت کو اٹھنا ہے اور اس روز تمام نامہ اعمال اڑائے جائیں گے تجھے پلصراط سے گذرنا ہو گا پھر آگے یا جنت ہے اور یا دوزخ ہے اس کو روزانہ سوچا کرو اس سے آخرت کے ساتھ تعلق ہو گا اور دنیا سے دل سرد ہو جائے گا اور مدت کے مراقبے سے ممکن ہے کہ کسی کو یہ خلعمان ہو کہ اس سے تو وحشت ہوگی اور جی گھبرائے گا اس کا علاج یہ ہے کہ جب وحشت ہونے لگے تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو یاد کیا کرو اور سوچا کرو کہ اس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے تو اس کے پاس جانے سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اس مراقبے کے بعد پھر کبھی دنیا کی طرف دل راغب ہو اور گناہ کو جی چلے اور کوئی گناہ صادر ہو چکا ہو تو مراقبے کی تجدید کے ساتھ توبہ کر لیا کرو اور توبہ کا متمم یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمے ہو اس کو بہت جلدی ادا کرو۔ اس سے انشاء اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا دائمی عیش ہوگا۔ اور آخرت کا شوق پیدا ہونے کی۔ میں نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے شوقِ وطن۔ اس کا مطالعہ بھی بہت مفید ہو گا حاصل سب کا یہ ہوا کہ دنیا کی محبت ایک مہلک مرض ہے اور اس کا علاج موت کی یاد ہے اور اس سے توحش سے بچنے کے لئے خدا کی رحمت کو یاد کرنا علاج ہے اور ان کے موکد کرنے کے لئے شوقِ وطن کا مطالعہ ہے اب میں ختم کرتا ہوں۔ اپنے مرض کی اطلاع سب کو ہو گئی ہے اس کو بہت جلد نرا ثل کریں اور خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ

رحمت عطا فرمادیں آمین یا رب العالمین

حج اور عمرہ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارادہ رکھنے والوں کو خوشخبری۔ الحدیث ثم الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے بہترین کتابت اور بہترین کاغذ پر عکسی معلم الحجاج چھپوادی۔ بن حوش نصیب مسلمانوں کا ارادہ حج کا ہو وہ آج ہی سے اسکا مرطلاحہ کرنا شروع کر دیں تاکہ تمام مسائل حج اور دعائیں اور طریقے یاد ہو جائیں اور وقت پر حج ادا کرنے میں سہولت پیدا ہو اور کوئی غلطی نہ ہو۔ پچھلے پچھلے اس کتاب میں ہزاروں مسئلے اور باتیں اور دعائیں اور طریقے سب درج ہیں شروع میں ایک ضمیمہ یعنی حج کے پانچ دن یعنی ۸ رزی الحج سے لیکر ۱۲ رزی الحج تک حج کا مکمل طریقہ اور نیت اور طواف کے ساتوں چکروں کی دعائیں مع ترجمہ کے ملتزم اور مقام ابراہیم پر پڑھنے کی دعائیں درج ہیں۔ حج کی فرضیت قرآن اور حدیث سے حج کی تاکید اور نہ کرنے والے کو وعید۔ سفر حج کے آداب اور دعائیں جہاز کا سفر۔ جہاز میں سمت قبلہ۔ کامران اور یلم۔ جلد حرم مکہ مکرمہ اور داخلہ میقات حرم شریف۔ احرام کا بیان۔ حج اور عمرہ کی نیت۔ مسائل احرام۔ نماز احرام بیہوشی اور ریض کا احرام نابالغ اور مجنون کا احرام عورت کا احرام۔ خنثی کا احرام۔ مسائل احرام۔ احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ کی دعائیں طواف کی سات قسمیں اور مسائل۔ آب زمزم پینے کا طریقہ۔ صفا مہرہ کے درمیانی کرنا کا طریقہ اور دعائیں منی سے عرفات کو جانا اور عرفات کی دعائیں اور مسائل غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کو جانا۔ مزدلفہ میں مغز نشاء کا نماز جمع کرنا۔ پوری رات مزدلفہ میں ٹھہرنا بعد فجر سوچ نکلنے کے بعد منی کو روانہ ہونا پھر منی میں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ کوڑ کرنا (دبیتوں شیطانوں) کو کنکریا مارنا قرآنی کرنا طواف زیارت کرنا۔ حج افراد۔ حج تمتع حج قرآن اور ضرعہ۔ اور حج بدل کجہ مسائل اور طریقے اور دعائیں اگر خدا نہ کرے کوئی غلطی ہو جاوے تو اسکی جنایات تم کفارہ وغیرہ دینے کے مکمل طریقے اور مسائل سفر مدینہ منورہ۔ زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل اور آداب اور دعائیں اور روضہ قدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کا طریقہ اور پورے سلام اور دعائیں اور مسائل قیام مدینہ منورہ میں کیا کیا کرے جنت البقیع شہداء ائحد اور تمام مساجد مقدسہ پھر واپسی کے وقت وداعی سلام غرضیکہ جسکے پاس کتاب ہو پھر اسکو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ضرور اسکو کتاب رکھیں قیمت بہار

۱۵/- خرچہ

میانے کا پتہ: مکتبہ تنھانوی بندر روڈ کراچی نمبر

۲۹۵
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غُزْوَانُ عَفِيْرٌ وَلَوْ أَسِنَدًا
رَوَاةُ الْبُخَارِيِّ

دَعَوَاتِ عَبْدِ رَيْتِ جَلْدِ خِيمِ

رسوال وعظ ملقب بہ

مَضَارُّ الْمُعْصِيَةِ

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی "دفتر الایقار"

مسافر خانہ بند روڈ کراچی ۷۱

دعوات عبدیت جلد پنجم

کا
رسواں و سنط ملقب بہ

مضار المعصية

آین	متی	کہم	کیف	ماذا	من ضبط	المستعملون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیچکر یا کھریو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	ساحین کی نظر	متفرقات
جامع مسجد	۸ اشعبان		بیچ کر	معصیت سے	مولوی	تقریباً	
نشانہ بھون	۱۳۳۰ھ		۶	طاعت کی	سعید احمد	۱۵۰	
۶	ہجری		۶	برکت کم	صاحب	آرمی	
۶	یوم جمعہ		۶	ہو جاتی ہے	مرحوم		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَخْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مَضِلَّ لَهُ وَرَنْ يَضِلُّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّكَ سَيِّدُنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَقِّ الصَّالِحِيْمِ مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ الزُّوْرِ

وَالْعَمَلُ بِهِ قَلْبٌ رَدًّا حَاجَةً فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ رَحْمَةً
 اِسْمِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے قولِ باطل
 اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے
 یہ عبارت ایک حدیث کا جزو یا دہڑتا ہے یا یہ پوری حدیث ہو یا اس کے
 قریب لفظ ہوں بہر حال یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے روزے
 کے بارے میں اور ہر چند کہ رمضان سے قبل ایک اور جمعہ بھی آنے والا ہے مگر
 چونکہ وہ جمعہ غالباً سفر میں ہوگا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج ہی رمضان
 کے متعلق کچھ مختصر بیان کر دیا جائے اور اتفاق سے اس کے ساتھ ہی ایک مضمون
 موعود بھی بیان ہوگا جس کا خیال بہت دنوں سے تھا مگر خدا تعالیٰ کو منظور
 یہ تھا کہ چونکہ وہ مضمون علمی مضمون ہے عوام کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا اس لئے
 ایک ایسے مضمون کے ساتھ جو کہ عام فہم بھی ہے اور دلچسپ بھی ہے بیان ہو جائے
 اور وہ مضمون یہ ہے کہ میں نے یہ بیان کیا تھا اور اجمالی دعوائے کیا تھا کہ ہر چند
 کہ طاعات کا صحیح ہونا اس پر موقوف نہیں کہ گناہ کو بالکل چھوڑا جائے اور یہ بات
 نہیں کہ گناہ کے رہتے ہوئے طاعت صحیح نہ ہو لیکن طاعات کی برکت ضرور کم ہو جاتی
 ہے یعنی اگر کوئی نماز بھی پڑھتا ہو اور نیابت بھی کرتا ہو تو یہ نہ کہیں گے کہ فیہیت
 کی وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوتی جیسا بعض لوگوں کا یہ خیال ہو جاتا ہے کہ جب گناہ
 نہ چھوڑے تو طاعت ہی کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کے بیان کرنے کی
 ضرورت ہوئی کہ اگر گناہ بھی کرے اور طاعت بھی تو دونوں کی جزا و سزا الگ الگ
 ہے دونوں لے ہوئے نہیں ہیں اس لئے طاعت ہی کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں
 ہے ورنہ ظاہراً اس مضمون کا بیان کرنا بھی لوگوں کی حالت کو دیکھ کر مناسب نہ تھا
 کیونکہ اگر وہ اعتقاد رہتا کہ گناہ کرنے سے طاعت صحیح نہ ہوگی تو شاید اس کی بدولت
 گناہ چھوڑنے کی کوشش کرتے اور اس سے بچ جاتے اور بیان کرنے میں اندیشہ ہے
 بے فکر ہو جانے کا لیکن مایوسی کی مضرت چونکہ بہت بڑی ہے یعنی اگر یہ خیال ہو گیا کہ

میری سب طاعات بیکار ہیں تو اس میں زیادہ مفسدہ ہے اور بے فکری میں ایسا زیادہ اندیشہ نہیں کیونکہ اس میں شعائرِ دین پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا اور مایوسی کی حالت میں نماز روزہ وغیرہ پر اثر پڑتا ہے کہ اس کو چھوڑ بیٹھے گا یہ تو عملی اثر ہے کہ اسلام کی رونق جارتی رہے گی اور اعتقادی اثر یہ ہوگا کہ رحمتِ خداوندی اور بخشش سے مایوسی ہو جائیگی کیونکہ گناہوں کی پوٹ ہر وقت نظر کے سامنے ہوگی اور نیکی کوئی بھی پیش نظر نہ ہوگی اس لیے شیطان مایوس کر دینگا اور ایسی مایوسی کی حالت میں اگر خاتمہ ہو گیا تو کفر پر خاتمہ ہوگا اور یہ شخص اپنے گناہوں سے توبہ بھی نہ کرنے کا۔ کیونکہ بالکل نا اُمید ہو چکا ہے تو تسمائی کی کوئی صورت نہ رہے گی چنانچہ بعض لوگوں کو یہ بات پیش آتی ہے اللہ رب العالی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہ کلمہ پڑھ لے مگر اُس نے کہا کہ ایک کلمہ سے کیا ہوگا۔ میرے گناہوں کی پوٹ اتنی ہے کہ ایک کلمہ اس کو میرے سر سے اتار نہیں سکتا آخر اس میں خاتمہ ہو گیا تو چونکہ اس اعتقاد کا یہ مفسدہ سخت تھا اس لیے اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اور میں سے ان داعیوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو بید متشدد ہیں اور اپنے تشدد کی وجہ سے صرف سخت مضامین سناتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سامعین کو بالکل ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور کچھ کہا ہی نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ سختی کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ اس وقت قلوب علی العموم ضعیف ہیں ان کو اگر خوش کر کے اُبھارا جائے تو ان سے عملِ دین کی زیادہ توقع ہے اور مایوس کر کے کوئی کام ان سے نہیں لیا جاسکتا اور اس لیے بھی ضروری ہے اس خیال کی تخلیط کرویں کہ گناہ کرنے سے نیکی کا ثواب نہیں ملتا۔ اور ہر چند کہ یہ مضمون مستقل بیان کرنے کے قابل تھا مگر آج کے مضمون کے ساتھ مل جانا حسن اتفاق ہے اور آج کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص روزے کے درمیان میں جھوٹ اور بُرے کام کو نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے یعنی جب کام گناہ کا اور بات گناہ کی نہ چھوڑے تو کیا فائدہ روزے کا ہوا۔ تو میرے اس بیان کے تین جزو ہوں گے ایک یہ کہ گناہ کرنے سے نیک کاموں کا ثواب ضائع نہیں ہوتا دوسرا دعوائے راور

یہی مقصود تھا، یہ کہ ہر چند کہ ثواب ملتا ہے مگر نیک کاموں کی برکت کم ہو جاتی ہے مثلاً غیبت کی اور پھر نماز بھی پڑھی تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ نماز کا ثواب نہیں ملا لیکن نماز کی برکت ضرور کم ہو جائے گی یعنی جو نورائنت غیبت کے ترک کی حالت میں نماز کے اندر ہوتی ہے وہ نورائنت اب ارتکاب غیبت کے وقت نہ ہوگی اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے غذا اگر قوی تندرست کھائے تب بھی نافع اور مقوی اور بدل مایجمل ہوگی اور مریض کھائے تب بھی۔ لیکن تندرست کو زیادہ نافع ہوگی اور بیمار کو کم مثلاً اگر خیرہ کا و زبان عنبری کسی ایسے شخص کو کھلایا جائے جس کا معدہ خراب ہو اور ہنوز تنقیہ نہ ہوا ہو تو زیادہ مفید نہ ہوگا اگرچہ کم و بیش اثر ضرور ہوگا اور اگر تنقیہ کرانے کے بعد کھایا جائے تو بیکار مفید ہوگا تو گناہوں کو چھوڑنے کے بعد جو نیک کام ہوں گے ان میں زیادہ برکت ہوگی۔ تیسرا جزو بیان کا یہ ہے کہ جس کے متعلق حدیث پڑھی ہے اور مسئلہ جو کہ حدیث میں مصرح ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر چھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو اس کو روزہ رکھنے سے فائدہ کیا ہوا حاصل یہ ہے کہ روزہ کے آداب ضرور یہ ہیں سے یہ ہے کہ جیسے منہ کھانے پینے سے بند رکھتے ہیں اسی طرح دوسرے گناہوں کو بھی بالکل ترک کر دیں عجیب بات ہے کہ لوگ روزے میں کھانے پینے اور صحبت کے ترک کو ضروری سمجھتے ہیں اور گناہ کے ترک کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ وہ تینوں کام ایسے ہیں کہ دوسرے اوقات میں حلال بھی تھے اور رمضان میں بھی رات کے وقت جائز ہیں تو جب روزے کی وجہ سے بعض حلال کام بھی حرام ہو گئے تو جو اعمال ہر وقت حرام ہیں ان کا ترک روزے میں کیوں ضروری نہ ہوگا پس اگر کسی نے روزے میں غیبت کی اور بری نگاہ سے کسی کو دیکھا تو یہ تو نہ کہیں گے کہ اس کا روزہ نہیں ہوا مگر یہ کہیں گے کہ روزہ کی برکت جاتی رہی اور یہ مضمون دوسرے مسئلہ کی فرع بھی ہے اور دلیل بھی۔ اب صرف پہلے مسئلہ کی دلیل کی ضرورت رہی۔ تو پہلا مسئلہ یہ تھا کہ باوجود گناہ کے بھی نیک کاموں کا ثواب ملیگا۔ دلیل اس کی یہ آیت ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٌ خَيْرًا بَيِّنَةً وَمَنْ يَحْمِلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا بَيِّنَةً (جو شخص ایک ذرے کے برابر بھی کوئی بھلائی کرے گا اُس کے فائدے) کو دیکھیں اور جو شخص ایک ذرہ بھی برائی کرے گا وہ اُس کے سامنے آئے گی، لفظ من عام ہے مطبوعین کو بھی اور عامیین کو بھی تو توجہ یہ فرمایا کہ جو شخص کرے گا تو اس کے عموم میں گنہگار اور فرمانبردار و درویش داخل ہو گئے۔ اس سے صاف طور سے معلوم ہوا کہ نیک کام کرنے پر ہر حالت میں ثواب ملیگا کسی وقت میں اس کا ثواب ضائع نہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے جملے میں بھی من عام ہے، اور اس سے نادر کا علاج بھی ہو گیا جیسے پہلے من سے مایوسی کا علاج ہو گیا تھا دوسرے من میں فرمانبردار بھی داخل ہونگے یعنی اگر کوئی بڑا ولی کامل بھی گناہ کرے تو اس کو بھی گناہ ہوگا۔ بعض لوگ اعتقاداً بعض حالاً یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی کریں ہم کو گناہ نہیں ہوتا جن کو اس کا اعتقاد ہے وہ تو کفر میں مبتلا ہیں وہ اپنی مثال ایسی سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک دریا ہو کہ اس میں اگر پیشاب کے قطرات گریں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہوتا بلکہ وہ پیشاب ہی اس میں فنا ہو جاتا ہے ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے جو اپنے کو دریا سے تشبیہ دی یہ تشبیہ تمہاری تماشی ہوئی ہے یا قرآن و حدیث میں کہیں یہ تشبیہ ہے۔ اگر تماشائی ہوئی ہے اور تمہارے نزدیک ٹھیک ہے تو یہ بھی کرو کہ گورنمنٹ جس کی اب تک اطاعت کی ہے اب اس کی عملداری میں ڈکیتی ڈالو اور جب گرفتار ہو کر آؤ تو کہو کہ اب ہم دریا ہو گئے ہیں اگر اس عذر کو سنکر سرکار چھوڑ دے تو خدا سے بھی امید رکھو اور جیسے خدا سے امید باندھے بیٹھے ہو کہ وہ ہم کو دریا سمجھ کر چھوڑ دے گا ایسے ہی ڈکیتی ڈالنے میں سرکار سے بھی امید رکھنی چاہیے یہ سب نفس کی شرارتیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ واقع میں دریا تھے چنانچہ ارشاد ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَاللَّهُ تَعَالَى تَهَارَةً اَكْبَرًا اور پچھا گناہ معاف فرمادینگے، آپ نے تو کبھی یہ دعوائے کیا ہی نہیں تو آج کس کا مزہ ہے

کہ وہ اپنے کو دریا کہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقبولیت پر یہ فرماتے تھے کہ اِنِّیْ اَخْشَاکُمُ اللّٰہُ وَاَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ و میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس کا وعدے نہیں کیا اور اس بناء پر کبھی کسی کا حق نہیں دیا یا حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک صحابی کی کوکھ میں انگلی چبھو دی تھی انہوں نے کہا کہ میں بدل لوں گا۔ آپ نے فوراً فرمایا کہ بدلہ لے لو اور اپنی کوکھ اُن کے سامنے کر دی انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا بدن تو کھلا تھا اور آپ تو کپڑا پہنے ہوئے ہیں آپ نے فوراً کرتہ اٹھا دیا وہ صحابی آپ کے پہلوئے مبارک سے چمٹ گئے اور بوسے دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا تو یہ مقصود تھا۔ لوگوں نے جو وفات نامہ میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی حکایت گھڑ لی ہے وہ صحیح نہیں حکایت یہ ہے کہ جو میں نے اس وقت بیان کی ہمارے اطراف میں جتنی کتابیں عورتوں میں رائج ہیں سب گھڑی ہوئی ہیں جیسے ساہن نامہ معجزہ آل نبی۔ وفات نامہ۔ البتہ معجزہ ہرنی صحیح ہے اس کے علاوہ جتنی کتابیں قصوں کی ہیں بالخصوص جن کا میں نے تمام گنوائے ہیں سب لغو ہیں اور چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔ ایک وہ مسدس ہے جس کا ٹیپ کا مصرع یہ ہے کہ ع: تَمْرِی بَارِکِیوں دِیر اتنی کری۔ یہ مسدس بھی نہایت لغو ہے اس کو ہرگز نہ بڑھنا چاہیے اس ظالم نے ابتدا سے انتہا تک خدا تعالیٰ سے لڑائی کی ہے کہیں انبیاء کے نبوت مل جاتے پر حسد ہے کہیں سلاطین کی بادشاہت پر رشک ہے اور پھر ہر حسد کے بعد یہ شکایت کہ مجھے کیوں نہیں ملا یہ کتاب ہرگز اپنے پاس یا اپنے گھر میں رکھنے کے قابل نہیں یہ اس قابل ہے کہ ان کو بلا تامل آگ میں رکھ دینا چاہیے۔ معجزہ آل نبی جس میں یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے اپنے صاحبزادے کو کسی سائل کو دید یا اور اس نے بیچ ڈالا بالکل غلط اور لغو ہے۔ اسی طرح حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت

مشہور ہے بالکل غلط ہے۔ اصل میں اس کی سرف یہ ہے جو مذکور ہوئی: غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کا حق نہیں رکھا۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی اپنے کو اتنا بڑا نہیں سمجھا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اتفاقاً اگر کسی پر سختی ہو گئی ہو تو بدلہ نہ دیا ہو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں ایک لشکر کے سپہ سالار تھے وہاں کسی عیسائی بادشاہ کی تصویر کھڑی تھی بعض مسلمانوں نے جوش میں اس تصویر کی ایک آنکھ پھوڑ دی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خبر ہوئی تو آپ نے پہلا بیجا کر میں راضی ہوں کہ وہ لوگ اس تصویر کے بدلے میں میری ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ آپ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے اور فرار ہے ہیں ہذا اورد فی الزاد (اس نے مجھ کو مصیبت میں ڈالا) اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ مشکیزے میں پانی لیکر محلے میں بھرتے پھرتے ہیں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایک شخص نے آکر تعریف کی تھی میں نے غور کر کے دیکھا کہ نفس اس سے خوش ہوا اس لئے اس کا علاج کر رہا ہوں۔ غور کیجئے ان دونوں صاحبوں نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم تو دریا ہیں ہمیں سب معاف ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتا پہنا اور اس کی آستینیں تراش دیں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب میں نے اس کو پہنا تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوا اور طبیعت اس میں مشغول ہوئی اس لئے میں نے اس کی آستینیں بھاڑ دیں تاکہ یہ بد نما ہو جائے۔ اب یہ حالت ہے کہ اگر کبھی بچنے میں بھی کمی رہ جائے تو درزی کے سر پر مارتے ہیں وہ حضرات اچھے کپڑے کو بھی خراب کر لیتے تھے۔ غرض یہ کہ کسی کا یہ خیال کہ ہم دریا ہو گئے ہیں اور ہمیں گناہ سے ضرر نہ ہوگا بالکل غلط خیال ہے۔ اس قسم کے لوگ اب بھی موجود ہیں اور پہلے بھی ہوتے ہیں چنانچہ حضرت جنید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ اپنی نسبت یہ کہتے ہیں کہ نحن وصالنا فلا حاجة إلى الصلوة والصوم یعنی اب ہم پہنچ گئے اس لئے ہم کو نماز روزے وغیرہ کی ضرورت نہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ صدقوا فی الصوم بل و لیکن الی التقدیر

رہو سچے ہیں تو وہ سچے ہیں لیکن جہنم میں پہنچنے ہیں اور فرمایا کہ اگر ہزار برس کی میری عمر ہو
 تو اخیر عمر میں بھی ایک وظیفہ بھی نہ چھوڑوں۔ غرض یہ خیال بالکل غلط ہے اور اس
 آیت میں فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ خدا تعالیٰ اس کا ابطال فرماتے
 ہیں غرض اس جملہ سے ناز اور دلال کی جڑ کاٹ دی ہے لیکن اس وقت مقصود
 پہلا جملہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر گنہگار بھی نیک کام کرے تو اس پر
 اجر ملیگا اور معصیت کا وبال معصیت پر اگر وہ معاف نہ ہو تو الگ ہوگا جیسے
 کوئی حاکم اپنے عہد کے کام کو بھی انجام دے اور رشوت بھی لے تو اگر حکام بالا کو
 اطلاع ہو جائے تو رشوت ستانی پر سزا ملیگی لیکن جس وقت تک عدالت کا کام کیا ہے
 اس وقت تک کی تنخواہ بھی ضرور ملے گی تو پہلا دعویٰ اس آیت سے ثابت ہو گیا
 رہا دوسرا دعویٰ کہ گو نفس عمل ضائع نہیں ہوا لیکن اس کی برکت اور ثواب نیت
 جاتی رہی اس کی دلیل کے متعلق میں پہلے بھی اشارہ کر آیا ہوں کہ یہی حدیث اس کی
 دلیل ہے اگرچہ اس کے سوا اور بھی دلائل ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے فرمانے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر گناہ نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ کو کچھ
 ضرورت نہیں۔ اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ گناہ کرنے سے روزہ باطل نہ ہوگا۔
 اور اس کی قضا کرنا نہ پڑے گی۔ تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کے یہ معنی تو نہیں
 ہیں کہ روزہ نہ ہوگا کوئی اور معنی ہیں سو وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کو زیادہ توجہ
 اس ترک طعام پر نہ ہوگی اور یہی حاصل ہے اس کہنے کا کہ روزے کی نورا نیت کم
 ہوگئی اور یہ امر شاہد بھی ہے کہ اگر نیک کام کیا جائے اور گناہوں سے بچتا رہے
 تو اس وقت طاعت کی بدولت جو نور ہوگا وہ گناہوں کے ساتھ ہرگز نہ ہوگا اور
 وہ رونق اور شگفتگی اور مسترت جو کہ طاعت کے کرنے سے ہوتی ہے وہ نہ ہوگی بلکہ
 ایسا ہوگا جیسا کہ بہت لذیذ کھانا پکایا اور اس میں تھوڑی راکھ بھی جھونکدی تو راکھ
 جھونکنے کے بعد بھی وہ کھانا تو رہا لیکن کرکرا ہو گیا اسی طرح گنہگار آدمی نماز تو پڑھتا
 ہے لیکن طبیعت پھینکی پھینکی رہتی ہے وہ نشاط اور انبساط جو نماز سے ہوتا ہے وہ اسکو

نہیں ہوتا اگرچہ دلیل سے گھیر چپ کر یہ سمجھے کہ ثواب ملیگا لیکن قلب بالکل کورا ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اس قدر بے برکتی ہوتی ہے کہ جو ثواب ملتے ہے وہ نظر نہیں آتا بلکہ گناہوں کے حجاب میں چھپ جاتا ہے اس کی ایسی مثال سمجھئے کہ جیسے کسی آئینے میں چراغ کو رکھ کر اوپر سے سیاہ کپڑا لپیٹ دو اس صورت میں چراغ کی روشنی تو باقی رہے گی لیکن اس قدر دھیمی ہو جائے گی کہ بعض اوقات رستہ بھی نظر نہ آئے گا البتہ بہت ہی کوئی دقیق النظر ہو وہ دیکھ لیگا یا کوئی دیکھ کر تبارے تو مان لیں گے باقی خود کچھ نظر نہ آئے گا۔ تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ثواب ملیگا اسلئے ہم مانیں گے کہ اندر روشنی ہے مگر اس قدر مٹی پڑی ہے کہ وہ بالکل نظر نہیں آتی یہ تو اجمالاً دعوتی تھا اور دلیل مگر دوسرے نصوص میں غور کرنے سے اس کی تفصیل کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اس تفصیل میں ان شقوں کا ذکر ہوگا جو کہ اس میں مسکوت عنہ ہیں یعنی گناہ کو طاعات سے دو قسم کا علاقہ ہے بعض تو وہ گناہ ہیں کہ نصوص سے مما بہت ہے کہ وہ طاعات کو حبط کر دیتے ہیں آسان لفظوں میں اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ عنوان طلبہ کے لئے سہل ہے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں کہ قبولیت طاعات کے لئے ان کا نہ ہونا شرط ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو کوئی دخل نہیں ہے اور جن کو دخل ہے ان کی دو قسمیں ہیں بعض کا نہ کرنا صحت کی شرط ہے اور بعض کا نہ ہونا بقا کی شرط ہے اول جیسے کفر کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک صحیح نہیں ہے اور نہ باقی رہتا ہے یعنی اگر کوئی کافر نماز پڑھے تو صحیح نہیں اور اگر کوئی نماز پڑھ کر کافر ہو جائے تو وہ نماز باقی نہ رہے گی۔ یہاں سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو کہ کلمات کفر کے پر واہ ہی نہیں کرتے چنانچہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کو جب روزہ رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو اگر کسی کے منہ سے یہ کلمہ نکلیگا تو وہ کافر ہو گیا اور اس کو نکاح پھر کرنا چاہیے

حج پھر کرنا چاہیے پہلے سب عمل اس کے ضبط ہو گئے جب تک اس سے توبہ نہ کرے تب تک اگر یہ کوئی نیک عمل آئندہ کو کرے گا تو وہ بھی مقبول نہ ہوگا۔ دوسرے عداوہ اس کے ایک اور عمل بھی ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا اثر بھی مثل کفر ہی کے ہے یعنی اس سے بھی ضبط عمل ہو جاتا ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی جائے اگرچہ بلا مقصد ہو مگر قلتِ مجالس سے ہو اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ معلوم ہوگا کہ آپ کتنے جلیل القدر ہیں۔ وہ نص قطعی یہ ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ** (لئے ایمان والو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند مت کرو اور نہ ان سے اتنی زور سے بات چیت کرو جتنی زور سے تم آپس میں کرتے ہو اس سے تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں گے اور تم کو احساس بھی نہ ہوگا) اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ بے ادبی سے ضبط عمل ہوگا اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شریعت اسلامی نے سلیقہ اور ادب بھی سکھایا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں سوائے نماز روزے کے اور رکھا گیا ہے واللہ اعلم) لوگوں نے اسلام کی حقیقت دیکھی ہی نہیں اور جو کچھ دیکھا وہ ایسا ہے جیسا کہ کسی محبوب کا صرف ایک ناخن دیکھا ہو اور صورت چہرہ بالکل نہ دیکھا ہو۔ ایک بہت اچھی مثال یاد آئی اس سے ہماری حقیقت فہمی اور اصلی واقعیت کی پوری حقیقت کھل جاتے گی مشہور ہے کہ اندھوں کے شہر میں ایک ہاتھی آگیا تھا جب سنا تو اس کے دیکھنے کا شوق ہوا لیکن آنکھیں تو نظیں نہیں دیکھتے کیونکہ آخر سب اکٹھے ہو کر پہنچے اور اس کے قریب جا کر سب نے ہاتھ سے چھو کر ادسگو دیکھا کسی کا ہاتھ تو سونڈ پر پڑا کسی کا پیر پر پڑا کسی کے ہاتھ میں کان آگیا کسی نے دم پکڑ لی۔ دیکھ بھال کر آپس میں اس کی ہیبت کے متعلق گفتگو شروع ہوئی ایک نے

کہا کہ ایسا تھا جیسا کہ کہا ہوتا ہے دوسرے نے کہا نہیں، بلکہ جیسا سانپ تیسرے نے کہا نہیں بلکہ جیسے چھاج چڑھے تھے نے کہا نہیں بلکہ جیسے مور پھیل۔ مولانا رومی اس حکایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی بیٹا ہوتا تو کہتا کہ تم سب سچے ہو اور سب جھوٹے ہو سچے تو اس لئے کہ جس نے جو کچھ دیکھا وہی آکر بیان کر دیا۔ اور جھوٹے اس لئے کہ اصل حقیقت کی خبر ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں ہوئی اس وقت مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے کہ انہوں نے اسلام کو عموماً پورا نہیں دیکھا سمجھتے ہیں کہ صرف وضو نماز ہی کا نام اسلام ہے و بس۔ میں ایک مقام پر گیا وہاں ایک اسکول بھی تھا اور اس میں دینیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی نصاب دینیات کو دیکھا تو اس میں صرف راہ نجات اور غضب یہ کہ اس کو کافی سمجھتے تھے میں نے کہا کہ صاحبو اگر راہ نجات تمام ضروریات دین کے لئے کافی ہے تو بتلائیے اگر ایک شخص کے پاس تیل ہو اور ایک کے پاس سرسوں ہو اور وہ دونوں ایک دوسرے سے بدلتا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی اور کیسے یہ بدلا جائے گا سنا کر کہنے لگے کہ کیا یہ بھی کوئی مسئلہ ہے افسوس ہے کہ معاملات کو اور معاشرت کو علی العموم لوگوں نے دین سے خارج سمجھ رکھا ہے لیکن تعجب ہے کہ قانون خداوندی سے تو اپنے معاملات اور معاشرت کو مستثنیٰ سمجھ لیا اور گورنمنٹ کے قانون سے مستثنیٰ نہ سمجھا۔ کبھی کسی نے گورنمنٹ سے نہ کہا ہو گا کہ تجارت وغیرہ میں آپ کو کیا دخل ہے آپ صرف امور انتظام سلطنت میں ہم سے باز پرس کیجئے باقی یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں ہم کو لیسنس وغیرہ کا مفید کیوں کیا ہے کہا کوئی شخص ایسا کہہ سکتا ہے اور اگر کہے تو پھر دیکھتے گردن تاپی جاتی ہے یا نہیں۔ یقیناً گردن تاپی جائیگی اور کہا جائے گا کہ جب ہم حاکم ہیں تو ہم کو ہر امر میں قانون مقرر کرنے کا حق ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ گورنمنٹ کو تو اس کہنے کا حقدار سمجھا جائے اور خدا تعالیٰ کے قانون کو صرف وضو اور نماز وغیرہ میں منحصر کر دیا جائے۔ تو خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک قانون مقرر فرمایا ہے اور ہر چیز کا ایک قاعدہ بتلایا ہے مگر چونکہ لوگ دین کو نا تمام طور پر دیکھتے ہیں اس لئے صرف نماز روزہ یا زیادہ سے زیادہ معاملات تک شریعت کے

احکام کو وسعت دیکھتی ہے اور وضع اور معاشرت و اخلاق کے اس سے خارج سمجھتے ہیں نیز بعضے لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہم تہذیب میں وہ سری قوموں کے محتاج ہیں اور شریعتِ اسلام کو تہذیب سے معری سمجھتے ہیں ان لوگوں کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک یکپوشم کی نسبت مشہور ہے کہ وہ وہی گیا سیر کے لئے چاندنی چوک میں نکلا اتفاق سے آپ کی گردن بھی نہ مڑ سکتی تھی اس لئے جاتے وقت صرف ایک طرف کی دکانیں نظر آئیں دوسری جانب کی نظر نہ آئیں جب وہاں سے واپس ہونے لگا تو دوسری جانب کی دکانیں نظر آئیں ان کو دیکھ کر آپ فرماتے ہیں کہ دلی کے لوگ بھی کیا ستم کے لوگ ہیں ابھی یہ دکانیں دہنی جانب تھیں ابھی ہمارے لوٹنے سے پہلے ان کو بائیں جانب اٹھا کر رکھ دیا تو ہمارے بھائیوں نے بھی شریعت کو صرف ایک طرف سے دیکھا ہے وہ محتاج سمجھتے ہیں ورنہ شریعتِ اسلام میں وہ تہذیب ہے کہ دنیا میں کسی قوم کے اندر بھی اتنی تہذیب نہیں ہے چند روز آکر ہمارے پاس رہو اور پھر دیکھو کہ وہ شریعت جس کو آج خونخوار تبلا یا جا رہا ہے وہ کیسی دل فریب ہے جب اس کی حقیقت کا واقف ہو گے تو اس پر عاشق ہو جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ نامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

کہ سر سے پیر تک جہاں نظر کر و دل کھنچا چلا جاتا ہے۔ تو ان ہی تہذیبوں میں سے ایک تہذیب یہ بھی ہے کہ *يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ* اور اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے ذرا جھمک کر بولنا چاہیے ایسی بات جو کہو نہایت صاف کہو کہ اس میں کسی قسم کی پھپھکی اور گھٹنگ نہ ہو جائے ایسا میں یہ منحوس حالت ہے کہ ہم دونوں میں فرق نہیں کرتے اب یا تو تکلف ہوتا ہے کہ اپنی حالت بھی صاف بیان نہیں کرتے جیسا کہ آج کل مدعیانِ محبت کی یہ حالت ہے کہ اگر ادب کریں گے تو یہ کہ چار دن تک رہیں گے لیکن یہ نہ تبلا نہیں گے کہ کس ضرورت کے لئے آئے تھے اور جب عین چلنے کا وقت ہو گا تو کہیں گے کہ میرے بازے میں کیا ارشاد ہے اور اگر کہو کہ بھائی تم اپنی حالت تو کہی ہوتی پھر رائے لی ہوتی تو اس کا یہ جواب کہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سب روشن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تو خبر ہی نہیں ان کی حالت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشن ہوگئی میں کشف کا انکار نہیں کرتا لیکن کشف اختیاری نہیں ہوتا وہ بالکل خارج از اختیار ہے دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی اگر کشف امر اختیاری تھا تو کیوں حضرت یعقوب علیہ السلام مطلع نہیں ہوئے اور جب خبر ہوئی تو اس طرح کہ مبشر کرتے لیکر چلا تو آپ نے فرمایا کہ انی لاجد زنج یوسف لیکن یہ کہہ کر ڈرے کہ لوگ کہیں گے کہ اب تک تو آپ کو پتہ چلا نہیں اب یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی اس لئے میرے کلام کو ہڈیاں پر محمول کرینگے اس لئے فرمایا کَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلٍۭکَ الْعَیْبِیۡمِ دُخُوْا فَاَنْتُمْ سٰوِیۡمٌ وَہو رہا اس لئے کہنے لگے کہ جندا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔ وہ حالت ہے کہ سے

گے برطرم اعلىٰ نشینم گے بر پشت پائے خود نہ بینم

دکھی تو نہایت ہی بلند مقام پر بیٹھتا ہوں اور کبھی اپنے پیچھے بھی نہیں دیکھتا،

تو یہ کیا ضرورت ہے کہ ہر وقت کشف ہوا ہی کرے اور وہ تمہارا حال خود بخود جان جایا کرے۔ اس کی تعلیم فرماتے ہیں عارف شیرازی سے

چندانکہ گفتنم درواز طیبیاں درماں نہ کروند مسکین غریبیاں

مادر دل را بایار گفتم نتوان نہفتن درواز جیبیاں

دہیں نے ہر چند طیبیوں سے اپنا درد بیان کیا لیکن کسی نے مجھ مسکین غریب کا علاج نہیں کیا۔

ہم نے درد دل اپنے محبوب سے کہدیا اور محبوب سے درد کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتی

مصرع ثالث میں جبلا دیا کہ اپنا حال دل پوشیدہ نہ کرے۔ یہاں تک تعلیم ہے کہ اگر عیب

بھی ہو تو مرشد سے صاف کہدے کہ میرے اندر یہ مرض ہے بعض لوگوں کی یہ حالت ہے

کہ وہ لڑکوں کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے اس مرض کو تلی کے گو کی طرح چھپاتے

ہیں اس سے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور چھپانے کا حکم اس موقع پر ہے کہ جہاں اظہار میں

کوئی مصلحت نہ ہو اور طیب کو دکھلانے کی ممانعت نہیں ہے اظہار کی ممانعت الیٰ

موقع پر رہے جیسے کہ ایک شخص کی نسبت سنا ہے کہ جب حج کو گیا تو رمی جمار کے وقت ایک لہبا جو نہ لے کر ان تین پتھروں میں سے ایک پتھر کو خوب پیٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کبخت فلاں دن تو نے مجھ سے یہ گناہ کرایا تھا اور فلاں رات کو تو نے مجھے زنا میں مبتلا کیا تھا تو ایسے موقع پر بلا کسی ضرورت اور مصلحت کے اظہار کرنا یہ تو حماقت ہے مگر طیب سے ہرگز نہ چھپاؤ اور اگر یہ خیال ہے کہ ہم ان کی نظروں میں ذلیل ہونگے تو ایسے شخص کو پیر نہ بناؤ جس پر یہ احتمال ہو کہ وہ تم کو ذلیل سمجھتا پارسوا کرے گا اور جو سچے لوگ ہوتے ہیں وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے کیونکہ جانتے ہیں کہ

ع تا یار کرا خواہد میلش بکہ باشد

(اس وجہ سے کہ پھر وہ دوست کس کو بناٹے گا او کس کی طرف ٹل ہوگا)

وہ تو کہتے کہ بھی ذلیل نہیں سمجھتے وہ کسی کی نسبت یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ مقبول نہ ہوگا ان کا مذہب یہ ہے کہ

غافل مرو کہ مرکب مردان زہدرا در سنگلاخ باد یہ پیا بریدہ اند
 نو میدہم مباشش کہ زندان باوہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند
 ر غافل ہو کے مت چلا اس وجہ سے کہاں زہد کی سوار یوں نے صحرا کی پتھر لی زمیں
 میں ٹھوکر میں کھائی اور ان کے پاؤں کٹ گئے

تو جن کا یہ مذہب ہو تو وہ کسی کو حقیر سمجھیں گے ہرگز نہیں اور اگر کہے کہ وہ کسی سے کہیں گے اور وہ ہم کو ذلیل سمجھیں گا تو یاد رکھو کہ وہ کسی سے نہ کہیں گے وہ خدا کا راز تو کہتے نہیں جس کے ظاہر کرنے سے خدا تعلقا کا کوئی ضرر نہیں تمہارا راز کیا کسی سے کہیں گے جس کا اظہار تمہارے لئے مضر ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ خود اسرار اللہ کے باب میں فرماتے ہیں کہ منصور پچھ بود از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مرد آئند کہ دریابا فرو برند و آروغ نزنند د منصور پچھ تھا کہ ایک ہی قطرے میں فریاد کرنے لگا یہاں تو مرد ہیں کہ دریا کا دریا پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، غرض جب یہ بھی اندیشہ نہیں تو ویسی ہی عزت سب کی نظر میں رہے گی جیسے کہ اب ہے اور ویسی ہی ان کی نظر میں بھی رہے گی

اور اسلئے حدیث میں آیا ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے کچھ مانگو تو صلوات یعنی بزرگوں سے مانگو کیونکہ بھیک بوجہ اپنی ذلت اور دوسرے کی گرانی کے حرام ہے اور بزرگوں میں یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں گی ذلت تو اس لئے کہ وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے اور گرانی اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ بوجہ آزادی کے پابند نہیں کہ ضرور ہی دیں اگر نہ ہو گا تو بے تکلف عذر کر دیں گے اور اگر کبھی غفلت سے ایسا ہوا بھی کہ وہ ذلیل سمجھیں تو ان کو فوراً تنبیہ کی جاتی ہے اس لئے پھر آئندہ اس کا احتمال نہیں رہتا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ خوب قوی اور تندرست موٹا تازہ ہے اور بھیک مانگا ہے انھوں نے اپنے دل میں اس پر طعن اور اعتراض کیا رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی مرد کا گوشت کھانے کو کہتا ہے اور ان کے انکار پر کہتا ہے کہ تم نے آخر اس فقیر کی غیبت کر کے مردے کا گوشت کھایا نہیں تھا انھوں نے کہا کہ میں نے تو اس کو کچھ نہیں کہا۔ جواب ملا کہ کیا غیبت دل میں نہیں ہوتی بلکہ اول تو دل ہی میں پیدا ہوتی ہے ۷

ان الکلام نفسی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

دکلام دل میں ہوتا ہے اور وہی زبان تو دل کی ترجمان بنائی گئی ہے

آپ بیدار ہو کر چلے معاف کرانے کے لئے اس شخص نے آپ کو آتے دیکھ کر دور ہلکے یہ آیت پڑھی **هُوَ الَّذِي يُقَبِّلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ** (وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں) اور پھر فرمایا کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ تو یہ شخص بہت بڑا کامل تھا غرض بزرگوں کی اس طرح اصلاح ہوتی رہتی ہے اس لئے وہ کسی کو حقیر نہیں سمجھتے بلکہ دنیا بھر سے اپنے ہی کو اول وارزل سمجھتے ہیں حتیٰ کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کوئی شخص مومن کامل نہیں ہر تاجب تک کہ اپنے کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے تو چونکہ وہ لوگ اپنے کو بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں اس لئے ان کے سامنے اپنے عیب کا ناظا ہر کر دینا کچھ مضائقہ نہیں اور اگر کہو کہ کسی بزرگ کا کلام ہے کہ ۷

چ حاجت پیش تو حال دل گفتن کہ حال خستہ دلاں را تو خوب میدانی

(تیسرے سامنے حال دل کہنے کی کیا ضرورت ہے توختہ دلوں کی حالت کو خوب جانتا ہے)

تو سمجھو کہ یہ خطاب خدا تعالیٰ کو ہے نہ کہ کسی ولی یا بزرگ کو۔ لیکن کہو خدا تعالیٰ سے بھی ضرورت تاکہ تمہاری عاجزی اور احتیاج ظاہر ہو اور پیر سے اسلئے ضرور کہو کہ اس کو کشف ہوتا ضروری نہیں ہے دوسرے اگر کبھی ہوا بھی ہو تو تم کو کیا خبر کیا تم کو بھی اس کے کشف کا کشف ہوا ہے تو یہ تو تکلف ہے بزرگوں کے پاس جا کر کچھ نہ کہتے اور یہ بے ادبی ہے کہ وہاں جا کر پتھر توڑنے لگے اسی کو فرماتے ہیں کہ لَا تَرْفَعُوا أَسْمَاءَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ عرب میں بے تکلفی بہت زیادہ تھی بڑے بڑے لوگوں کے نام لیتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی بعض نے لیا خدا تعالیٰ نے اس تعلیم میں اس کی ممانعت فرمائی اور یہ فرمایا کہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ تمہارے اعمال ضبط نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ کے معنی ہیں یہ سمجھا ہوں کہ ضبط ہوتا ہے ایذاء سے اور ایذا ہوتی ہے ایسے شخص کی بے ادبی سے جو مودب سمجھاتا ہو اور یہ فطری قاعدہ ہے چنانچہ حکام کو دیکھو کہ دیہاتیوں سے بہت سی باتیں گوارا کر لیتے ہیں جو کہ شہریوں سے ہرگز گوارا نہیں ہو سکتیں۔ ایک دیہاتی کی حکایت ہے کہ اس نے ایک درخواست پیش کی تو کافد پرنٹکٹ نہیں لگایا اور جب حاکم نے اس سے کہا کہ اس پرنٹکٹ لگاؤ تو روپیہ جیب سے نکال کر کہتا ہے لے روپیہ بس تیری ماہی معلوم ہوگئی اس میں سے ٹکٹ لگا لیجو جو بچے رکھ لیجو حاکم ہنس کر خاموش ہو گیا اور درخواست مفت لے لی بجلا کوئی شہری تو ایسا کر کے دیکھے کہ اس کی کیا گت بنتی ہے اسی کو کہتے ہیں۔

ملت عاشق زلمتہا جد است عاشقان را مذہب و ملت جدا است

دعاشق کا مذہب سارے مذہبوں سے جدا ہے اور ان کا ملک سب سے الگ ہے۔

گر خطا گوید و ما خا طے بگو در شور پرخون شہیداں را شد

راگر وہ غلط ہے تو ان سے غلط گومت کہو اور اگر وہ شہید ہو جائے تو اس کا خون مت دھو

موسیٰ آداب وانا دیگر اند سوختہ ہاں در دوانا دیگر اند

کالے بال ولے اور ادب سے واقف دوسرے ہیں اور سوختہ جان اور رواء ہونے والے

دوسرے ہیں)

تو دیکھئے خود فرماتے ہیں کہ موسیٰ آدابِ نانا دیگر نند۔ اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ ۷

با ادب تر نسبت زو کس در جہاں بے ادب تر نسبت زو کس در جہاں

اس سے زیادہ با ادب دنیا میں کوئی نہیں۔ اس سے زیادہ بے ادب دنیا میں کوئی نہیں

اس کی کئی قویاں ہیں جو کئی ہیں بظنہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض عشاق بہت با ادب ہونے میں اور بعض معظوب الحال ہوتے ہیں اور پہلوں کو فوراً تباہ ہوئی ہے چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ اکتوں نے ایک مرتبہ بارشیں پر یہ فرمایا کہ آج کیسے موقع سے بارش ہوئی ہے فوراً تباہی کی گئی کہ ایسے ادب اور بے موقع کس روز ہوتی تھی سنکر ہر شاہ اڑ گیا اور مواخذہ بالکل سچا ہے کیونکہ بے موقع کبھی بھی نہیں ہوتی تو با ادب جب یہ تمیزی کرتا ہے تو بہت ناگوار ہی ہوتی اس کی اصلاح اس آیت میں فرماتے ہیں اور اس کی متعدد جگہ اصلاحات فرمائی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَبِيٍّ إِلَيْهِمْ وَلَا تَجِدُوا فِيهَا غَيْرَ نَبِيٍّ وَلَا تَنْسَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَأَنْ يُؤْذِيَ النَّبِيَّ فَيَكْفُرَ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْهَاسِلِينَ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں بجز دعوت کے ویسے مت جاؤ اور اس میں بھی پہلے سے جا کر انتظار تیساری میں مت بیٹھو بلکہ جب بلا یا جائے جاؤ اور کھاتے ہی منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں مشغول ہو کر مت بیٹھ جاؤ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے اور وہ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیوں شرمائے وہ تو خدا تعالیٰ ہیں۔ دیکھئے اس انداز سے کیا صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے کیسا بید صرک فرمایا کہ واللہ لایستعی من الحق ایک جگہ ارشاد ہے لَا تَكُونُوا مِثْلَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لَمَّا نَزَّلْنَا آلَاءَنا مِنْ السَّمَاءِ وَنَزَّلْنَا السَّلْطَانَ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی بس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قول سے بری کر دیا، غرض اس کا بہت اہتمام فرمایا گیا ہے کہ ایذا نہ ہو تو ایذا رسول حرام ہے اور اس کا وہ اثر ہے جو کہ کفر کا ہے اور بعض اوقات یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایذا ہوتی ہے یا نہیں اور اعمال ضبط ہو جاتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ کام بھی نہ کرو جس میں ایذا کا استعمال بھی ہو اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے سے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ضبط کے کچھ اور معنی ہیں تو خیر لیکن اس وقت تک مجھے یہی معلوم ہے کہ ضبط کے یہی معنی ہیں تو معاصی میں صرف یہ معصیت ایسا ہے البتہ کفر تو ایسی چیز ہے کہ طاعت کی بقاء اور سخت دونوں اس کے ترک پر موقوف ہیں۔ اور بعض معاصی ایسے ہیں کہ ان کا ترک ہی شرط بقاء عمل ہے یعنی عمل تو صحیح ہو گیا تھا لیکن وہ متعلق رہا کہ اگر وہ عمل نہ ہوتا تو باقی رہتا ہے ورنہ باطل ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْذُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْأَذَىٰ وَالَّذِينَ ذَلُّوا** کہ جو لوگ جہلا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل مت کرو لا تبطلوا کے معنی یہ ہیں کہ قبل امن و اذی ثواب تو ہوا تھا لیکن وہ امن و اذی سے پھر جاتا رہا۔ غرض بعض معاصی کو یہ دخل ہوا پس ہمارے اس دعوے میں کہ معاصی سے طاعات کا ثواب زائل نہیں ہوتا۔ معاصی سے مراد ایسے معاصی مذکورہ نہیں ہیں بلکہ وہ معاصی مراد ہیں جن کے وجود کو طاعت کے وجود یا بقاء میں دخل نہ ہو ایسے گناہوں میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان سے نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں اور اس کی ایک اور بھی دلیل ہے فرماتے ہیں **إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ** (درحقیقت نیکیاں جرائیوں کو ختم کرتی ہیں) تو گناہ کرنے سے اگر نیکیوں کا ثواب نہ ملے تو نیکیوں میں یہ اثر جو مصرح ہے کہاں سے آئیگا اور اس سے ایک بڑی بات یہ بھی معلوم ہوتی کہ گناہوں سے تو نیکیاں نہیں مٹتیں لیکن نیکیوں سے گناہ دھل جاتے ہیں تو یہ نہایت قوی دلیل ہے البتہ اس کے متعلق یہ مستقل تحقیق ہے کہ سیئات سے مراد یہاں صغائر ہیں یعنی نیکیوں سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ صغیرہ ہیں

اور کبائر صرف توبہ سے یا فتنل بلا وعدہ سے معاف ہوتے ہیں البتہ ایک روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ صغیرہ بھی جب معاف ہوتا ہے کہ جب کبیرہ سے بچا رہے کیونکہ حدیث میں ہے مَا اجْتَنَبَ الصَّكِيَّاتُ - نیز ایک آیت سے بھی یہ شبہ ہوتا ہے آیت یہ ہے اِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَايْرَ مَا تُشْهَرُونَ عَنْهُ نُصْفِرْ لَكُمْ مِنْهُ سَبِيحًا يَكْفُرُ (اگر تم کبیرہ گناہوں سے جس سے کہ تمہیں روکا جاتا ہے بچتے رہو ہم اسے تمہارے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا دیں گے) اب ضرورت ہے اس حدیث اور آیت کے معنی سمجھنے کی تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کفارات لما بینہن ما اجتنب اکبائر۔ اور ما عام ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ سارے گناہوں کا کفارہ تو جب ہی ہے کہ کبائر سے بچے ورنہ سب کا نہیں بلکہ صرف حدفاثر کا ہوگا یہ لازم نہیں آتا کہ صغیرہ بھی معاف نہ ہو اور آیت کے معنی اس سے بھی زیادہ صاف ہیں یعنی ان تجتنبوا میں ایک شرط کی دو جزائیں ہیں تکفیر اور ندخلکم مدخلا کونیا (ہم تمہیں بہترین جگہ داخل کریں گے) پس اس مجموعہ کے لئے جنا میں بیشک یہی شرط ہے کہ کبائر سے بھی بچے اور اگر کبائر صادر ہوئے تو مجموعہ مرتب نہ ہوگا۔ یعنی مدخل کریا بمعنی دخول جنات بلا عقاب و عتاب توبہ یا فتنل پر موقوف ہوگا۔ پس اب وہ شبہ نہ رہا اور یہ ثابت رہا کہ گناہ معاف ہوتے ہیں حسنات سے تو اگر نیکیاں قبول نہ ہوتیں تو اس میں یہ اثر کہاں سے ہوا پس معلوم ہوا کہ قبول تو ہوئیں لیکن ان میں برکت نہیں ہوتی اور یہ برکت نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے جس کو میں نے روزے کے باب میں پڑھا ہے۔ چنانچہ اب میں اس حدیث سے اس کو ثابت کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ اگر گناہوں سے بچے تو کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فائدہ کی نفی فرما رہے ہیں

عہ ارید بد الصغائر و هذا توجیہ لفظی فقط لا بقاد ما علی العموم والمراد فی موضعین ہی الصغائر۔ هكذا انا و فی الوعد العلام ۱۳۔ فافهم۔

اور یہ میں پہلے بدلیل کہہ چکا ہوں کہ روزہ ہو جاتا ہے باوجود گناہوں کے بھی تو جو فائدہ منفعی رہا وہ روزے کی برکت ہے اور اس سے وہ مقصود کی ثابت ہوا جس کے لئے مقصوداً اس حدیث کو پڑھا ہے یعنی گناہ کے ترک کا اہتمام بالخصوص روزے میں ضروری ہے۔ اب میں زیادہ تطویل کرنا نہیں چاہتا ہر مسلمان جانتا ہے کہ گناہ برا ہے تو کم از کم مہینہ بھر کے لئے تو گناہ چھوڑ دو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس مہینہ کے بعد گناہ کرنے کی اجازت ہے بلکہ نفس سے وعدہ لینا چونکہ مشکل ہے اس واسطے میں نے یہ کہا کہ ایک مہینے کے لئے تو گناہ نہ کرنے کا عہد کر لو۔ اس میں آسانی ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لئے تنبیہ ہو جاتا ہے۔ بعض نے اپنے نفس کو اسی طرح ایک ایک گھنٹہ دو دو گھنٹہ کا وعدہ لے کر پہلایا اور ذکر میں مشغول کیا ہے نفس جتنا شریر ہے اتنا ہی بھولا ہے اس کو شیطان نے شریر بنا رکھا ہے گو بزرگوں کے سامنے شیطان بھی بہت عاجز و پریشان ہوتا ہے اور اس کی عقل بھی چسرخ ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا نہایت ہی پریشان اور کہا کہ میں نے اپنا خزانہ ایک جگہ دفن کر دیا تھا اور اب مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے کہاں دفن کیا تھا آپ نے فرمایا کہ تو گھر جا کر نفلیں شروع کر دے اور پکا ارادہ کر لے کہ جب تک یاد نہ آئے گا براہِ نفلوں میں مشغول رہوں گا انشاء اللہ تعالیٰ مل جائے گا۔ امام صاحب کا ذہن اس طرف گیا کہ شیطان نے اس کو بھلایا ہے۔ اور جب یہ نفلیں شروع کرے گا تو شیطان کو اس طاعت میں مشغول ہونے سے سخت رنج ہوگا اور وہ زیادہ دیر تک اس میں مشغول نہ رہنے دینگا اس لئے وہ فوراً یاد دلا دینگا چنانچہ ایسا ہی ہوا تو اہل اللہ کے سامنے اس کی عقل بالکل چسرخ ہے البتہ ہم جیوں ہم اس کا بہت زور ہے اور یہ ایسا گھاگ ہے کہ جب یہ مردود ہوا ہے تو لاغوبین کے ساتھ *الْاَعْبَادُ كَمِنْهُمْ الْمُتَخَذِعِينَ* بھی کہہ دیتا تاکہ بات ہیٹھی نہ ہو۔ حاصل یہ کہ شیطان کو بھی دھوکہ ہو جاتا ہے لیکن نفس کو بہت

ہی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ نفس ہر ایک کا علیحدہ ہے اور کم عمر ہے تو گویا وہ بچہ ہے کہ شریہ بھی اور بھولا بھی کیونکہ بچوں میں دو صفتیں ہوتی ہیں چنانچہ شریہ بچوں کی حکمت یا آئی، ایک مرتبہ ایک میاں بچے کے پاس بتا شے آئے اس کو خیال ہوا کہ کھلے رکھو نکا تو لڑکے کھا جائیں گے اسلئے بدھنے میں بھر کر اس کا منہ آٹے سے بند کر دیا۔ ایک وقت جو میاں بچے کہیں گئے تو لڑکوں نے مشورہ کر کے بدھنے کی ٹونٹی میں کو پانی بھرا اور خوب شربت بنا کر پیاکسی نے خوب کہا ہے

والنفس كالطفل ان فصله شب علی

حب الرضاع وان تفضمه یفطم

(نفس بچے کی طرح کہ اگر اسے چھوڑ دو تو جوان ہونے تک وہ دودھ پیتا رہتا)

اور اگر دودھ چھڑا دو تو چھوڑ دے گا۔

کہ نفس کی حالت بچے کی سی ہے کہ اگر دودھ نہ چھڑاؤ تو دس برس کی عمر تک بھی دودھ مانگے گا اور اگر چھڑاؤ تو چھوڑ دیگا۔ اس لئے ایک بزرگ نے اس سے یہ صلح کر لی تھی کہ ایک گھنٹہ ذکر کر لو اس کے بعد پھر ایک گھنٹہ کے لئے اسی طرح مدتوں مشغول رہے ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کو حلوا بہت مرغوب تھا تو اپنے نفس سے کہتے کہ دس رکعتیں پڑھ لو تو پھر حلوا کھا لینا چنانچہ پھر حلوا کھلا دیتے۔ ہمارے حضرت رسول ﷺ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اس سے خوب کام لو کہ

ع۔ مزدور خوشدل کس کار بیش

(خوش دل مزدور زیادہ نام کرتا ہے)

واللہ یہ حکمت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور حضرت کی ان حکمتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طیب کا بل تھے کیونکہ ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کچھ دیتے رہو تو کام کرتا رہیگا ورنہ نہیں ہاں استیابھی نہ دو کہ شریہ ہو جائے۔ غرض نہ اسکا کم رو کہ ضعیف ہو کر کام کرنے کے قابل بھی نہ رہے اور نہ اس قدر زیادہ رو کہ وہ بالکل ہی شریہ ہو جائے۔ ہمارے تمام حضرات کا طریقہ یہی ہے کہ سہولت سے کام

ہو جائے۔ حضرت مولانا گنوی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ تو کہیں نہیں بہت آتی ہے۔ فرمایا علاقہ یہ بہت کہ تیکہ رکھ کر سو رہا کرو۔ جب یہ نیت نہ بھر جائے پھر اٹھ کر کام میں لگ جاؤ۔ اللہ اکبر کس قدر آسانی ہے اور پھر یہ کہ مقصد میں کامیابی بھی ہوتی ہے۔ یہ محض اس کی بدولت ہے کہ ان حضرات کا سلسلہ بالکل سنت کے موافق اور یہ سب حضرات نہایت درجہ تقدس کے متوج ہیں تو چونکہ اس سلسلے میں اتباع سنت ہے اس لیے اس میں لوگوں کو آسانی کی توجہ ہے تو جہاں پہنچ جاتی ہے تو یہ بزرگ جن کی حکایت، بیان کی ان کی تاویلات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ توسع کرنے دیتے۔ ہاں معاصی سے سخت روکنا چاہیے اب بعض تو یہاں تک رسد کرتے ہیں کہ معاصی سے بچیں نہیں دے سکتے اور بعض اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ مساعیات کو بھی ترک کر دیتے ہیں حالانکہ مال و دونوں کا خراب ہے تو نفس سے یہ کہہ دو کہ رمضان تک کوئی گناہ نہ کرے اور صرف ایک مہینہ کا عہد اس سے لو پھر اس کے بعد میرا یقین ہے کہ رمضان تقویٰ کی حالت میں گذر گیا تو پھر یہ تقویٰ انشاء اللہ تعالیٰ نہ ٹوٹے گا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ رمضان جس حالت پر گذرتا ہے بقیہ گیارہ مہینہ بھی نہایت آسانی سے اسی حالت پر گذرتے ہیں اور آسانی سے اس لئے کہا کہ تم یہ نہ کہو کہ گناہ سے گیارہ مہینہ تک بچا رہنا یہ تو ہمارا فعل اختیار ہی ہے اگر ہم قصد کرینگے تو بچے ہی رہیں گے اس میں رمضان کو کیا فضل ہوا۔ تو صاحبو فرق یہ ہے کہ ولیمہ دشواری سے بچتے اور رمضان کی برکت سے آسانی بچ سکو گے اور قصد کی ضرورت تو ہر حال میں ہے غرض اس ماہ کے لئے سب گناہ چھوڑ دو زبان کے گناہ بھی جیسے گالیوں غیبت شکایت کرنا کسی ناجائز مضمون کا پڑھنا۔ کان کے گناہ بھی جیسے گالیوں سننا گانا سننا۔ ہاتھ کے گناہ بھی جیسے کسی پر ظلم کر کے اس کو مارنا پیٹنا۔ سوری مضمون کا لکھنا وغیرہ۔ اس طرح پیر کے گناہ بھی جیسے ناچ کی مجلس میں جانا۔ جھوٹے مقدمے کی پیروی کے لئے جانا۔ جھوٹی شہادت کے لئے جانا اور سب سے بڑھ کر ایک گناہ ہے کہ اس کو تو ضروری چھوڑ دینا چاہیے یعنی پیٹ کا

گناہ کیونکہ اگر اس کو نہ چھوڑا تو دوسرے گناہوں کا چھوڑنا نہایت دشوار ہوگا اس لئے کہ پیٹ تمام بدن کا حوض ہے یہ ایک حدیث ہے پس اگر اس میں گت پانی ہوگا تو تمام نالیوں میں گند رہی پہنچے گا۔ اور یہ حدیث صحت ظاہر و باطن دونوں کیلئے عام ہے یعنی ظاہری بیماریاں بھاری جتنی پیدا ہوتی ہیں اکثر ان کا سبب پیٹ ہی کی خرابی ہوتی ہے اسی طرح باطن کے امراض بھی جس قدر پیدا ہوتے ہیں ان کا منبع بھی بطن ہے تو جس طرح ظاہری امراض کے واسطے طبیب کے قول پر عمل کر کے پیٹ کی اصلاح کرتے ہو اسی طرح باطنی امراض کے ازالے کے لئے اطباء باطن کے قول پر عمل کر کے حرام کھانا چھوڑ دو۔

صحت این حس بجزو شید از طبیب صحت آل حس بجزو شید از حبیب
تو ایک صحت روحانی ہے اور ایک صحت جسمانی جسمانی تو یہ کہ جیسی غذا معدے میں ہوگی اسی کے مناسب سب جگہ تقسیم ہوگی۔ اور روحانی یہ کہ اگر حلال غذا معدے میں پہنچی تو تمام اعضاء کو توفیق نیک اعمال کی ہوگی اور اگر حرام غذا پہنچی تو تمام اعضاء کو معاصی کی طرف میدان ہوگا۔ تو کم از کم اتنا کرو کہ رمضان بھر کے لئے تو رشوت کا سود کا غضب کا موروثی کا اناج نہ کھاؤ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ رمضان کے بعد مثلاً موروثی کا کھانا حلال ہو جائیگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر رمضان بھر اس سے بچے رہے تو پھر امید ہے کہ ہمیشہ بچے رہیں گے اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس تمام آمدنی موروثی ہی کی ہے وہ کم سے کم اتنا کریں کہ کسی سے بے سودی ادھار لے لیں اگرچہ اس کو اگلے ہی دن ادا کر دیں اور جس جگہ سے بھی ادا کریں گے مگر وہ اناج حلال ہو جائے گا اگرچہ یہ مسئلہ کہنے کے قابل نہ تھا کیونکہ اس سے لوگوں کی جرات بڑھنے کا اندیشہ ہے لیکن شفقت کے غلبے نے کہلا دیا کہ ایک دس روپیہ کا اناج ادھار لے لو اور اگر روپیہ نہیں تو اناج ہی ادھار لے لو۔ اور اس میں ایک مسئلہ بھی سمجھ لو یعنی اناج ادھار لینے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ہم تم کو اس کے عوض میں فلاں اناج دیدینگے

یہ تو ناجائز ہے اور اس میں بہت تفصیل ہے۔ دوسرا طریق وہ ہے کہ جس طرح علی العموم گھروں میں ادھار لیا جاتا ہے کہ ایک سیر بھرا آٹا دید و جب ہمارے پاس ہوگا تو تم کو دیدیں گے تو تم اسی طرح بننے سے اناج قرض لے لو اور پھر اس کا قرض چاہے موڑوٹی اناج میں سے ادا کر دینا اور بننے کے لئے موڑوٹی اناج لینا حرام نہیں بلکہ اور بھی بہت سی باتیں اس کو حرام نہیں ہیں کیونکہ وہ خدا کا باغی ہے اس کے جرم بغاوت کے سامنے کہ وہ بہت بڑا جرم ہے ان چھوٹے چھوٹے جرموں پر مقدم نہیں ہوتا۔ غرض بننے سے بول کہ ہم کو اناج ادھار دید و پھر ہم ادا کر دیں گے اس کے بعد چاہے ایک گھنٹہ میں ہی ادا کر دینا۔ اور اگر بے سووی نہ ملے تو ہرگز نہ لو مگر انشاء اللہ تعالیٰ اطمیناناً مگر یہ نہ سمجھنا کہ یہ تو بہت اچھی ترکیب معلوم ہوگئی اب جب کبھی حرام چیز آیا کرے گی اس کے بدلے میں حلال چیز لے لیا کریں گے۔ سو یاد رکھو کہ میں نے جو بتایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کچھ بھی گناہ نہ ہوگا کئی گناہ اس میں بھی جمع ہیں۔ اول حرام اناج یا مال لینا۔ دوسرے کسی کو حرام دینا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں حرام کھانے سے بچ جائیگا گو دوسرے گناہ رہیں کہ ان کا ترک بھی واجب ہے اور حرام دینا یا کھلانا کسی کو ایسا گناہ ہے کہ کتے کو بھی کھلانا درست نہیں۔ اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اکثر لوگ جو ناپاک چیز گائے یا بھینس کو کھلا دیتے ہیں یا بھنگن کو دیدیتے ہیں یہ جہائز نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ کسی جگہ رکھ دیا جائے اور وہ حرص کے مارے بغیر تمہارے ایما کے خود ہی اٹھا کر لیجائے یا کتا خود کھالے لیکن اگر تم سے کوئی بڑھچھے کہ میں اٹھا لوں یا نہیں تو تم صاف کہو کہ ہم سے کیوں پوچھتے ہو غرض رمضان میں ہر قسم کے گناہ بالکل چھوڑ دو پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ روزہ مبارک روزہ ہوگا اور پھر وہ روزہ تمہاری شفاعت کرے گا اور وہ روزہ وہ ہوگا جس کی بابت فرماتے ہیں انا اجزی بہ اور اگر گناہ

نہ چھوڑے تو روزہ تو ہو گا لیکن ایسا ہو گا کہ جیسے تم کسی اپنے دوست سے کہو کہ ہم کو ایک آدمی لادو اور وہ کسی ایسے آدمی کو لادے کہ اس کے کان بھی نہ ہوں آنکھ بھی نہ ہو لہنگا بھی ہو لہنگا بھی ہو بات ہی نہ کر سکتا ہو تو یہ شخص آدمی تو ضرور ہے لیکن محض بیکار صرف ایک سانس کے چلنے کی وجہ سے اس کو حیوانِ ناطق کہیں گے تو جیسے یہ شخص آدمی ہے کبھی اور نہیں جی ایسا ہی یہ روزہ ہے اور نہیں ہے اور یہ روزہ اس قابل ہے کہ اس کو روضہ میں دفن کر دیا جائے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں ترغیب دے رہے ہیں کہ روزہ میں گناہ کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔

اب ختم کرتا ہوں نئے جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا ہوں۔ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عطا فرمائیں آمین۔

تمت

حج کا ارادہ اور حج کو جانے والے حضرات

معلم الحجاج ضرور پڑھیں

یہ کتاب جس کے پاس ہو تو گویا اس کے ساتھ ایک چلتا پھرتا مولوی ہے جسے مسلمانوں کا ارادہ حج کا ہو وہ آج ہی سے اس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیں تاکہ تمام مسائلِ حج اور دعائیں اور طریقے یاد ہو جائیں اور عین وقت پر فریضہ حج ادا کرنے میں سہولت رہے اور کوئی غلطی نہ ہو جاوے اس کتاب میں حج کے ہزاروں مسئلے اور باتیں اور دعائیں اور طریقے سب درج ہیں اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر ذی الحجہ سے لے کر ۱۲ ذی الحجہ تک پانچ دن کا پورا طریقہ حج شائع کر دیا ہے یوں سمجھئے کہ اگر حاجی حضرات پوری کتاب کا مطالعہ نہ کر سکیں اور صرف یہی مقام اگر دیکھ لیں تو ان کے سفر حج کا مکمل طریقہ حج اور نیت اور تمام دعائیں شروع ضمیر میں ہی مل جائیں گے۔

۱۵۱

چلنے کا پتہ، مکتبہ تھانوی بندر روڈ کراچی ۱۔